مولانا محمد اسحٰق سندیلویؒ
کا مسلک اور

جلد اول

حضرت مولانا
قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ

تحریک خدام اہلسنت والجماعت
پاکستان
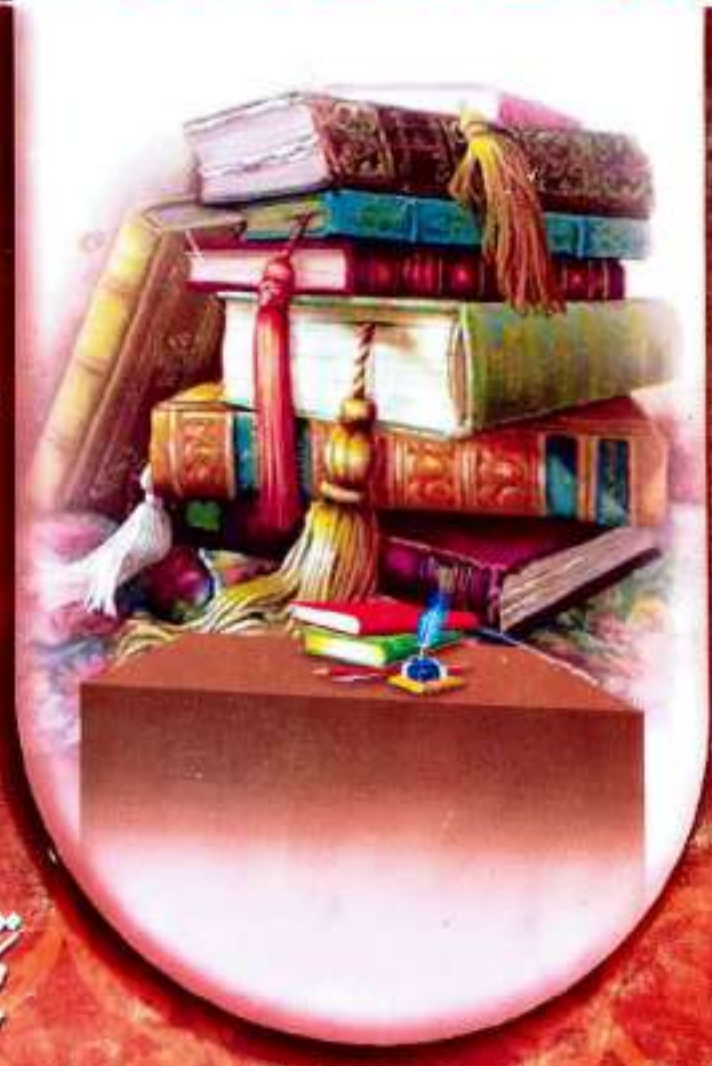
مولانا محمد اسحاق سندیلوی رحمۃ اللہ علیہ (کراچی) کا مسلک

اور

خارجی فتنہ

جلد اوّل

مُصنّف

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفہ مجاز، شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ

اشاعت:

ادارہ مظہر التحقیق

متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ لاہور

فون نمبر: 0322-8464167-0333-4742178

نام کتاب ——— خارجی فتنہ (جلد اوّل)
مصنف ——— حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ
مقدمہ، طبع دوم ——— حافظ عبد الجبار سلفی
ناشر ——— ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد، ختم نبوت کھاڑک
——— ملتان روڈ۔ لاہور 0322-8464167-0333-4742178
طبع اوّل ——— 1986ء
طبع دوم ——— نومبر 2011ء

ملنے کے پتے

(۱) ادارہ مظہر التحقیق، متصل جامع مسجد ختم نبوت کھاڑک، ملتان روڈ، لاہور

0333-4742178

(۲) دفتر ماہنامہ ''حق چار یارؓ'' جامع مسجد میاں برکت علی، ذیلدار روڈ، اچھرہ، لاہور

(۳) دفتر تحریک خدام اہل سنت پاکستان، مدنی جامع مسجد، بھون روڈ، چکوال

(۴) حافظ محمد زبیر H-128، واپڈا ٹاؤن، لاہور 0333-4146562

(۵) جامع مسجد حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ 394- ایل بلاک سبزہ زار سکیم ملتان روڈ، لاہور

انتساب

مولانا حیدر علی رحمہ اللہ فیض آبادی (متوفی ۱۸۸۱ء)

(مصنف منتہی الکلام، ازالتہ الغمن، کاشف البشام، نضارۃ العینین وغیرہم)

کے نام

جنہیں "**خارجی فتنہ**" کے مصنف نے انتہائی احترام سے

"**رئیس المتکلمین**" قرار دیا ہے۔

عناوین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ عقیدت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ
رنگ و نور کا ایک دلکش مینار

زمین کی چھاتی پہ اربوں کھربوں لوگ بس رہے ہیں اتنے ہی پہلے بستے آئے ہیں اور اس سے زیادہ آئندہ آبسیں گے۔ لیکن کچھ لوگ زمین کا نمک ہوتے ہیں۔ ان کا وجود پیدائش کے بعد حال و استقبال میں مقید نہیں ہوتا اور مرنے کا بعد وہ ماضی کا حصہ نہیں، بلکہ ماضی کا قیمتی اثاثہ قرار پاتے ہیں۔ انہی لوگوں میں سے ایک نام ''قاضی مظہر حسینؒ'' بھی ہے جو محض کتابی عبارتوں سے ہی آشنا نہیں، زمانے کی ضرورتوں سے بھی آگاہ تھے۔ آپ قصبہ بھیں چکوال میں مرزائیت ورافضیت کے خلاف مناظرانہ شہرت رکھنے والے عالم دین، رئیس المناظرین ابوالفضل مولانا قاضی کرم الدین دبیر رحمہ اللہ [1] (۱۸۵۳ء۔۱۹۴۶ء) کے ہاں ۲۰، اکتوبر ۱۹۱۴ء کو پیدا ہوئے۔ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ دبیر کی ذاتی ڈائری جو تقریباً ایک سو سال پرانی ہے، میں آپ کی تاریخ ولادت یوں درج ہے۔

''تاریخ تولد برخوردار مظہر حسین، ۲۰، اکتوبر ۱۹۱۴ء بمطابق ۲۹، ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ، ۴، کاتک ۱۹۷۱ء ب: بروز سہ شنبہ، بوقت ۹ بجے رات'' آخری جملہ مولانا کرم الدین رحمہ اللہ کے

---

[1] ''احوالِ دبیر رحمہ اللہ'' کے یکے بعد دیگرے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ''گوشہ علم'' واپڈا ٹاؤن لاہور کی جانب سے محترم بھائی حافظ محمد زبیر نے طبع کروایا، اور اب دوسری مرتبہ ''قاضی کرم الدین دبیر اکیڈمی'' کی جانب سے حضرت دبیر رحمہ اللہ کے نبیرہ جناب حضرت قاضی ظہور الحسین اظہر مدظلہ نے زرِ کثیر صرف کر کے شائع کروائی ہے۔

ہاتھ سے لکھا ہوا یہ ہے۔

"اللھم زد عمرہ وسعدہ"۔

''اللہ تعالیٰ اس کی عمر اور فیروز مندی میں برکت دے۔''

چنانچہ آپ کے حق میں پدر گرامی کا یہ دعائیہ جملہ اتنا مقبول ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی عمر میں برکت دی، تعلیمی مراحل بھی پورے وقار اور کامیابی کیساتھ طے کیے، دار العلوم دیوبند جیسے ادارہ سے مستفید و مستفیض ہوئے۔ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ جیسی جہابذہ روزگار ہستی سے نہ صرف شرف تلمذ پایا، بلکہ خلعتِ خلافت بھی ملی اور پھر مستقل مزاجی کے ساتھ خدمتِ دین میں مشغول رہے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے عظیم والد گرامی سے حاصل کی، ۱۹۲۸ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول چکوال سے میٹرک کا امتحان پاس کیا، اشاعتِ اسلام کالج لاہور اور مدرسہ دار العلوم عزیزیہ بھیرہ میں درس نظامی کی کتب پڑھتے رہے ۱۹۳۹ء میں دار العلوم دیوبند سے دورۂ حدیث کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، اور پھر وطن واپس آکر اپنے موروثی مشن تحفظ عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں مشغول ہو گئے...... مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے ساری زندگی تقریر، تحریر، تزکیہ نفس اور تبلیغ دین میں گزار دی، آپ بے مثال محقق اور بے بدل مصنف تھے، آپ کا قلم جب باطل فتنوں کے تعاقب میں اٹھتا تو سومنات میں نصب ہر بت ایک دوسرے پر گرتا نظر آتا۔ آپ کے جاندار علمی مضامین کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بے چین اور مضطرب لوگوں کے لیے آب ہدایت ثابت ہوتا۔ رد رفض پر عربی و فارسی اور اردو میں مغلق اور دقیق ابحاث پر مشتمل کتابوں کا ایک انبار اسلاف اہل سنت نے اپنی یادگار چھوڑا ہے۔ لیکن اس خطے میں امام اہل سنت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ اور قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے عوامی لب و لہجے میں ہر ایک پہلو پر نظریں لگا کر پورے اعتدال سے جتنا عام فہم علمی لٹریچر اپنی اپنی زندگی میں مہیا کیا ہے۔ اس کی نظیر آئندہ کئی سو سال تک بھی شاید دیکھنے میں نہ آئے۔

آپ رحمہ اللہ نے خار دار وادیوں میں آبلہ پائی کر کے مذہب اہل سنت کی خدمت کی

ہے۔آپ کی زندگی کا قابل رشک وصف ''اعتدال'' تھا، اشتعال سے آپ کی طبیعت نفور رہی اور اپنے حلقۂ اثر کو بھی آپ نے بڑی دانش مندی کے ساتھ اس ''مرضِ مزمن'' سے بچائے رکھا۔ بعض اصطلاحات میں مجددانہ شان کے مالک تھے۔ خلافت راشدہ کا مسئلہ آپ رحمہ اللہ نے ایک عام سے عام آدمی کو بھی ایسا سمجھا دیا کہ اعتقادات کے چمن میں بہار آ گئی۔ غور وفکر کے دریچوں کو آپ رحمہ اللہ نے بڑی حکمت سے کھولا آپ منبر پر بھی گرجے، مگر دھاڑے نہیں، ایک کامل صوفی ہونے کی حیثیت سے آپ رحمہ اللہ نے تزکیہ نفس کے لیے ہزاروں کشتہ شمعیں جلائیں، مگر اس کو مفادات کی بھینٹ نہیں چڑھایا۔ آپ رحمہ اللہ کے پیش نظر ایک مقصد تھا، ایک منزل تھی، اس تک رسائی کے لیے آپ رحمہ اللہ نے شب و روز ایک کر دیئے تھے۔ تا آنکہ ۲۶ جنوری ۲۰۰۴ء کو پیام اجل آ گیا اور آپ رحمہ اللہ اس دار فانی سے عالم بقاء کو چل دیئے۔ آپ باضابطہ ایک جماعت ''تحریک خدام اہل سنت والجماعت'' کے بانی تھے۔ مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ ہند و پاکستان کے ہر سنی مسلمان کے آپ رحمہ اللہ فکری ونظری مرشد تھے۔ آپ رحمہ اللہ نے جس استقامت کیساتھ سنیت کی تطہیر کی ہے، اس پر ایک مفصل کتاب لکھی جا سکتی ہے، گوشۂ فراغت میسر آتے ہی اس پر کام شروع کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ فی الحال ہماری دلی تڑپ ہے کہ آپ رحمہ اللہ اور آپ کے والد گرامی مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کا سارا لٹریچر ازسر نو زیور طباعت سے آراستہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائیں تاکہ اس نیک کام میں ہم کامیاب ہو سکیں۔ آمین

''خارجی فتنہ'' ایک تیغ آبدار تحریر

اسلام میں غلو اور شدت پسندی کی سختی سے حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔ اور قرآن مجید میں بھی یہود و نصاریٰ کی گمراہی کی بنیادی وجہ افراط و تفریط بتائی گئی ہے۔ اہل سنت والجماعت نے اپنے اسلاف کے نقش پا پہ چل کر ہمیشہ اعتدال کو اپنا مسلک بنایا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی محبت ہمارا جزو ایمان ہے۔ اہل تشیع اور اہل سنت کی جو راہیں جدا ہوئی ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ اہل سنت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو معیار حق جانتے ہیں اور اہل تشیع ان کو ایمان سے

تہی دامن جانتے ہیں، جیسا کہ دورِ حاضر کے شیعہ مجتہد محمد حسین ڈھکو نے بھی برملا یہی لکھا ہے۔ (تجلیات صداقت، صفحہ نمبر ۱۰۱ طبع اوّل)...... اہل تشیع نے اپنے تبرا میں سب سے زیادہ نشانہ حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بنایا ہے اور ان کے اوپر یہ الزام عائد کیا کہ چونکہ انہوں نے یزید کو ولی عہد بنایا تھا، اور یزید نے اہل بیت پر کربلا میں مظالم ڈھائے، لہٰذا اس سارے جرم کے ذمہ دار یزید کے والد ہیں۔ چنانچہ ایک طبقہ شیعیت کی اس تردید میں کھڑا ہوا اور بجائے اس کے کہ اصولوں کی بنیاد پر تردید کی جاتی، جیسا کہ ابتداء سے ہی اسلاف اہل سنت کرتے آئے ہیں، انہوں نے جواب میں سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ اور آپ کی اولاد حضرات حسنین شریفین رضی اللہ عنہم پر تنقید شروع کر دی، صرف یہی نہیں، بلکہ یزید کو مومنِ کامل بنا کر پیش کیا گیا، نتیجتاً رافضیت و خارجیت کا خطرناک تقابل سامنے آیا، قریب تھا کہ اہل سنت کی فکری میراث (خاکم بدھن) لٹ جاتی، اکابرین اہل سنت آگے بڑھے اور اس فتنے کا سدباب کیا، اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی عظمتوں سے آگاہ کیا، اور علمی انداز میں یہ باور کروایا کہ جس طرح باقی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے قطع تعلق گمراہی ہے، ایسے ہی خلافت راشدہ کے چوتھے تاجدار سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد پر طعن وتشنیع موجب ضلالت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بغض وعناد رکھنے والوں کو ''خارجی'' کہا جاتا ہے۔ یہ فتنہ بھی قدیمی ہے، بظاہر کبھی اس کے آثار مٹتے بھی نظر آئے، مگر شعوری طور پر یہ کسی نہ کسی رنگ میں پنپتا ہی رہا۔ پاکستان میں اس فتنہ کے سرخیل محمود احمد عباسی ہیں۔ [1] محمود احمد عباسی امروہہ کے رہنے والے تھے، علی گڑھ سے انہوں نے تعلیم حاصل کی، سر سید احمد خانؒ سے کافی متاثر تھے۔ قیام پاکستان سے کچھ عرصہ قبل ہی وہ کراچی آ گئے تھے، متلون مزاج قسم کے آدمی تھے، کچھ نہ کچھ لکھتے پڑھتے رہتے تھے۔ یہاں وہ چینی سفارتخانے میں بطور ملازم کام بھی کرتے

---

[1] عباسی صاحب کے حالات جاننے کے لیے بہترین کتاب ''محمود احمد عباسی اپنے عقائد ونظریات کے آئینے میں'' ہے۔ اس کے مصنف علی مطہر نقوی امروہوی ہیں، جو جماعت اسلامی کے موجودہ امیر سید منور حسن کے سُسر ہیں اور تاحال حیات ہیں۔ یہ کتاب آج سے چوبیس سال پہلے کراچی سے شائع ہوئی تھی (سلفی)

رہے، اس دوران ان کی دوستی احمد حسین کمال صاحب سے ہوئی، جو روسی سفارتخانہ میں ملازم تھے۔ باہمی تبادلہ خیالات سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے چلے گئے۔ تا آنکہ آپ کو تحقیق کا شوق چرایا، ایک چونکا دینے والی کتاب ''خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ و یزید'' لکھی، بعد ازاں ''تحقیق مزید'' اور ''تحقیق السادات'' وغیرہ کتابیں بھی لکھیں، ان کتابوں کا اسلوب کچھ ایسا تھا کہ پڑھے لکھے لوگوں کا ایک جم غفیر اس سے بہت کچھ اثر لے بیٹھا۔ علماء کرام نے بروقت اس کا سد باب کیا لیکن اس دوران متاثرین عباسی کا ایک اچھا خاصا حلقہ ملک اور بیرون ملک تیار ہو چکا تھا۔ عباسی صاحب ۱۴، مارچ ۱۹۷۴ء کو کراچی میں انتقال کر گئے، لیکن اپنے پیچھے جو فکری شاگرد چھوڑ کر گئے، انہوں نے اپنے اس ''خارجی محاذ'' سے گولہ باری جاری رکھی۔ ان میں حکیم فیض عالم صدیقی (جہلم) ابو یزید محمد دین بٹ (لاہور) مولوی عظیم الدین صدیقی (کراچی) عزیر احمد صدیقی (کراچی) نذیر احمد شاکر (کراچی) سلطان نظامی (لاہور) اور دیگر کئی ایک شامل تھے، اب تو ان میں سے بھی غالباً سارے فوت ہو چکے ہیں ان کے علاوہ علماء کرام میں سے بھی کچھ حضرات ایسے تھے جو محمود احمد عباسی سے اپنا فکری رشتہ تو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ مگر زبان انہی کی بولتے تھے، حضرات علی و حسنین رضی اللہ عنہم پر کڑی تنقید اور یزید کی منقبت ڈنکے کی چوٹ پر بیان کرتے۔ افسوس ہے کہ اس قافلہ میں امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کے فرزند بھی شامل ہو گئے۔ اور انہوں نے بھی اپنی بساط کے مطابق اس کارِ ''خیر'' میں اپنا پسینہ لگایا، مولانا محمد اسحٰق سندیلوی رحمہ اللہ بھی محقق عالم تھے، بھارت سے ہجرت کر کے کراچی آئے اور جامعہ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں شعبہ دعوت وارشاد کے صدر مقرر ہوئے۔ ولادت ووفات کی تواریخ معلوم نہ ہو سکیں، آپ کے شاگرد جناب یٰسین مظہر صدیقی نے ایک مقالہ ''مولانا محمد اسحاق سندیلوی'' لکھا تھا جو سہ ماہی ''فکر و نظر'' علی گڑھ بابت ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا تھا، مگر اس میں مکمل حالات نہیں ہیں، مولانا سندیلوی مرحوم بھی عباسی نظریات سے متاثر ہو گئے تھے۔

چنانچہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ نے اپنا قلم اٹھایا اور دو جلدوں پر مشتمل کتاب ''خارجی فتنہ'' اور بعد ازاں ''کشفِ خارجیت'' تحریر فرمائی۔ خارجی فتنہ حصہ اوّل، جون ۱۹۸۲ء کو مکمل ہو کر چھپا، جبکہ حصہ دوم جولائی ۱۹۸۶ء کو منظرِ عام پر آیا۔ ان کتابوں نے فکر و نظر کی دنیا میں

ایک دھوم مچادی تھی۔ بے شمار لوگوں نے پڑھ کر اپنے عقائد کی تصحیح کی، اور کئی ایک نے ہٹ دھرمی بھی دکھائی، چنانچہ مولانا عبد الغفور سیالکوٹی صاحب نے ایک کتاب ”سبائی فتنہ“ لکھی جس میں حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کا بزعم خود جواب تھا، حالانکہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے تو چودہ صدیوں کے اسلاف اہل سنت کا نظریہ پیش کیا تھا، کوئی نئی بات نہیں کی تھی، تاہم یہ حضرات اپنا شوق پورا کرتے رہے، باوجودیکہ قاضی صاحب رحمہ اللہ کی قد آور شخصیت کا انہیں بخوبی ادراک بھی تھا، اور یہ یقین بھی تھا کہ ہمارا جوابی قدم ضد پر مبنی ہے۔ مولانا عبد الغفور سیالکوٹی کی اس کتاب پر مفصل تبصرہ حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے ماہنامہ ”حق چاریار“ میں تفصیل سے قسط وار کر دیا تھا، ضرورت پڑی تو اس کو بھی بہت جلد کتابی صورت میں شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ نے ایک مدت کے بعد ہمیں توفیق بخشی کہ ہم خارجی فتنہ (حصہ اول و دوم) شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔
آناً فاناً طے ہونے کے بعد گھنٹوں میں اس کی کمپوزنگ اور پروف ریڈنگ کی گئی اور بھاگتے دوڑتے یہ سطور سپرد قلم کی گئیں، یہ سارے پاپڑ بیلنے والی اکیلی اور ننھی جان تھی، تاہم دیگر مراحل طے کروانے میں احباب کی سرپرستی بھرپور رہی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں حضرت اقدس قاضی صاحب رحمہ اللہ کی جملہ نگارشات آپ کے سامنے پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور اہل حق کی علمی خدمات کو یکجا کرنے میں ہی خدا کرے ہمارا دم نکل جائے۔
امید ہے کہ قارئین اس کاوش کو پسند بھی فرمائیں گے اور اس کار خیر میں ہمارا ہاتھ بھی بٹائیں گے۔ تاکہ یہ علمی سرمایہ قوم کے سامنے پیش ہو سکے۔

قافلہ جاتا رہا تو رہ گیا
اٹھ کھڑا ہو بے خبر سوتا ہے کیا؟

عبد الجبار سلفی
خطیب جامع مسجد حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ
ایل بلاک، ہنزہ زار سکیم، ملتان روڈ لاہور
۱۸ ردسمبر ۲۰۱۱ء بوقت ۰۰:۱۰ شب

عرضِ حال

کتاب ''خارجی فتنہ'' حصہ اوّل، سنی ملت اسلامیہ کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہے۔ میں نے اپنے مضمون ''حضرت لاہوری فتنوں کے تعاقب میں'' کے علاوہ اپنی کتاب ''دفاعِ صحابہ'' میں بھی دورِ حاضر کے خارجی فتنہ پر مختصر تبصرہ کیا تھا۔ جس میں حسب ضرورت مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی صدیقی صدر شعبہ دعوت و ارشاد جامعہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے بعض نظریات پر بھی تنقید تھی۔ مولانا سندیلوی نے اس کے جواب میں ایک رسالہ بنام:

''قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) کے اعتراضات کا جواب شافی''

شائع کر دیا۔ اسی کے جواب الجواب میں زیر نظر کتاب ''خارجی فتنہ'' لکھی گئی ہے۔ شروع میں ارادہ تو مختصر جواب لکھنے کا تھا اس لیے چھوٹے سائز پر اس کی کتابت بھی شروع کرا دی تھی لیکن زیر بحث مسائل میں طوالت ہوتی گئی اور کتاب کی ضخامت زیادہ بڑھ گئی جس کی وجہ سے کتاب دو حصوں میں کر دی گئی ہے۔ حصہ اوّل میں مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث ہے اور حصہ دوم میں ''فسقِ یزید'' کی...... ! حصہ دوم کی بحث بھی تھوڑی سی رہ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی تکمیل کی بھی توفیق عطاء فرمائیں۔ هُوَ حَسْبِیْ وَنِعْمَ الْوَكِيْل۔

مولانا سندیلوی نے ''اظہارِ حقیقت'' جلد دوم میں مشاجرات صحابہ کی بحث میں اپنا جو موقف پیش کیا ہے وہ جمہور اہل السنت والجماعت کے مشہور و مقبول مسلک کے خلاف ہے۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی باہمی جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی صواب پر سمجھتے ہیں اور اس میں ان کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے حالانکہ مسلک اہل سنت والجماعت یہ ہے کہ گو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر مجتہد صحابی ہیں۔ مگر قرآن کے چوتھے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ نزاع

اور جنگ کرنے میں ان سے اجتہادی غلطی ہوگئی تھی۔ہم نے ''خارجی فتنہ'' حصہ اول میں اس مسئلہ پر مفصل اور مدلل بحث کی ہے۔

سندیلوی صاحب نے گو اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' بجوابہ خلافت وملوکیہ ابوالاعلیٰ مودودی صاحب بانی جماعت اسلامی کے رد میں لکھی ہے لیکن کتاب کے مطالعہ سے یہ نتیجہ سامنے آتا ہے کہ اس میں بہ نسبت مودودیت کے سنیت کا رد زیادہ ہے چنانچہ حسب ذیل عبارتیں اس امر کی واضح دلیل ہیں:

① ہم نے متاخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۷۰)

② یہاں اس دستوری نکتہ کی وضاحت لازم ہے جس کی طرف عام طور پر مؤرخین اور متاخرین فقہاء و متکلمین کا ذہن نہیں گیا۔ (ایضاً حاشیہ ۱۸۷)

③ اہل سنت کی کثیر تعداد جن میں بہت سے علماء بھی شامل ہیں اس مسئلہ میں مسلک اہل سنت والجماعت سے ہٹ گئے ہیں۔ (ایضاً ص ۲۲)

④ جنگ جمل وصفین کے متعلق اہل سنت کے مسلک پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں: یہ مسلک اس قدر مشہور ہوا کہ مندرجہ بالا مسالک اکابر سلف اس کے پیچھے چھپ گئے۔لیکن شہرت وصحت لازم وملزوم نہیں یہ مسلک باوجود شہرت ومقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط۔بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔ (ایضاً ۳۶۱)

⑤ حافظ ابن عبدالبر، علامہ ابن حجر، ابن الاثیر وغیرہ رحمہم اللہ سرآنکھوں پر......روایات کی بنا پر جس طرح انہیں کوئی رائے قائم کرنے کا حق تھا اسی طرح ہمیں بھی حق حاصل ہے بلکہ اس وقت جو جدید ذرائع معلومات اور تنقید کے وسائل ہمیں حاصل ہوگئے ہیں۔وہ انہیں حاصل نہ تھے اس لیے ان کے مقابلے میں ہماری رائے زیادہ صحیح اور وزنی ہوسکتی ہے۔

(اظہار حقیقت جلد اول، ص ۴۵)

⑥ ان روایات سے نتیجہ اخذ کرنے کا جس طرح حافظ ابن کثیر وامثالہم کو حق ہے

اسی طرح ہمیں بھی حق ہے۔ اس بارے میں انہیں ہم پر کوئی امتیاز وترجیح حاصل نہیں۔

(ایضاً جلد دوم، ص ۲۴۵)

⑦ وہ حضرات جو قدامت ہی کو عظمت کی ضمانت سمجھتے ہیں میری اس تحریر پر ضرور چیں بہ جبیں ہوں گے۔ (جلد اوّل، ص ۱۱۴)

⑧ حافظ ابن حجر عسقلانی محدث اور علامہ سید محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری ؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

"یہ دونوں بزرگ حدیث کے ماہر تھے۔ تاریخ کو نہ انہوں نے اپنا موضوع بنایا نہ اس علم میں ان کا کوئی خاصہ درجہ ہے۔ مسئلہ کا تعلق تاریخ سے ہے۔ اس لیے ان حضرات کی رائے اس مسئلہ میں بالکل بے وزن ہے۔"

(جلد اوّل، ص ۳۶۱)

⑨ امام ابوبکر جصاص حنفی ؒ متوفی ۳۷۰ھ کے متعلق فرماتے ہیں:

"پہلے جو دلائل ہم نقل کر چکے ہیں ان کے مقابلہ میں محض علامہ جصاص ؒ کا قول کوئی وزن نہیں رکھتا۔" (ج ۲، ص ۳۰)

(ب) ان (یعنی علامہ جصاص ؒ) کی مندرجہ بالا رائے بے اصل و بے دلیل بلکہ دلائل صحیحہ اور مسلک اہل سنت کے بالکل خلاف ہے۔ گذشتہ صفحات میں ہم بحث کر چکے ہیں۔ اس پر نظر کرنے سے ان کی اس رائے کی رائی کے دانے کے برابر بھی وقعت باقی نہیں رہتی اور مہر نیمروز کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ قول بالکل غلط بلکہ مجموعہ اغلاط ہے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۳۰۶)

یہ امام ابوبکر جصاص حنفی ؒ (جن پر سندیلوی صاحب مندرجہ بالا الفاظ سے جارحانہ تنقید کر رہے ہیں) اپنے دور کے عظیم محدث وفقیہ تھے۔ آپ کی تصانیف میں سے احکام القرآن بہت مشہور ہے۔ آپ کو بعض فقہاء نے طبقہ مجتہدین فی المسائل میں شمار کیا ہے۔ بہر حال سندیلوی صاحب کی مندرجہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ ان کی تنقید کا نشانہ اہل سنت کے مشہور محدثین متکلمین اور فقہاء ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلک اہل

سنت والجماعت کو اپنی تنقید کا نشانہ بنانے کے لیے کسی موقع کے منتظر تھے۔

مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' نے انہیں موقع فراہم کر دیا کاش کہ سندیلوی صاحب، مودودی صاحب کے ان غلط افکار ونظریات کی تردید پر اکتفا کرتے جو مسلک حق کے خلاف ہیں۔ اور اکابر محققین اہل سنت کے خلاف ایسی قلمکاری کی جسارت نہ کرتے۔

تنقید کا خطرناک مرض:

تنقید کا جو مرض مودودی صاحب کو لاحق ہوا اسی کا سندیلوی صاحب شکار ہو گئے ہیں۔ وہ بھی مسلک حق کو مجروح کرنے میں کتنے اوراق سیاہ کرتے رہے ہیں اور یہ بھی مسلک اہل سنت کی اصلاح وترمیم میں کوشاں ہیں۔ اگر مودودی صاحب نے مشاجرات صحابہ کی بحث میں اعتدال سے ہٹ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر جارحانہ تنقید کی ہے تو سندیلوی صاحب نے بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو باوجود خلیفہ راشد ماننے کے معاف نہیں کیا۔ چنانچہ کتاب میں ان کی تنقیدی عبارتیں نقل کر دی گئی ہیں۔

اکابر کی کفش برداری:

''دفاع صحابہ'' میں بندہ نے لکھا تھا کہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی یزید کو صالح وعادل مانتے ہیں۔ حالانکہ حضرات اکابر مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت تھانوی، حضرت مدنی اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہم اللہ وغیرہ یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں تو اس کے جواب میں سندیلوی صاحب فرماتے ہیں:

> ان بزرگوں کے ساتھ محبت وعقیدت کو میں اپنے لیے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں اور ان کی کفش برداری میسر ہونے کو باعثِ عزت۔ لیکن باوجود اس کے ان کی ہر رائے کی اتباع کو ضروری نہیں سمجھتا اور اختلاف رائے کو جائز تصور کرتا ہوں، چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں ان حضرات کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا......

یہ بزرگانِ امت مخلص اور حق پسند تھے، اگر تحقیق فرماتے تو وہی کہتے جو میں کہتا ہوں۔ (جواب شافی، ص ۱۶)

سندیلوی صاحب کو کون سمجھائے کہ آپ کفش بردار نہیں بلکہ کفش مار ہیں آپ کو آنانیت (میں) نے خراب کیا ہے۔ حضرات اکابر نے یزید کے متعلق بھی پوری تحقیق سے اپنا مسلک متعین کیا ہے۔ اور جمہور اہل سنت کا بھی یہی مسلک ہے کہ یزید فاسق تھا۔ سندیلوی صاحب اس تنقیدی طریق کار کے خود موجد ہیں یا انہوں نے اپنے حریف مودودی صاحب سے یہ تنقیدی ادائیں سیکھی ہیں چنانچہ مودودی صاحب بھی بڑے محققانہ انداز میں فرماتے ہیں:

> میں کسی بزرگ کے کسی کام کو غلط صرف اس وقت کہتا ہوں جب وہ قابل اعتماد ذرائع سے ثابت ہو اور کسی معقول دلیل سے اس کی تاویل نہ کی جاسکتی ہو، مگر جب اس شرط کے ساتھ میں جان لیتا ہوں کہ ایک کام غلط ہوا ہے تو میں اسے غلط مان لیتا ہوں، پھر اس کام کی حد تک اپنی تنقید کو محدود رکھتا ہوں اور اس غلطی کی وجہ سے میری نگاہ میں نہ ان بزرگ کی بزرگی میں کوئی فرق آتا ہے نہ ان کے احترام میں کوئی کمی واقع ہوتی ہے، مجھے اس بات کی کبھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ جن کو میں بزرگ مانتا ہوں اور ان کی کھلی کھلی غلطیوں کا انکار کروں، لیت پوت کر کے ان کو چھپاؤں یا غیر معقول تاویلیں کر کے ان کو صحیح ثابت کروں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۳۰۷ طبع اوّل)

فرمائیے! اکابر سلف و خلف پر تنقید کرنے میں سندیلوی اور مودودی طرز عمل میں کیا فرق ہے؟

تنقید کا حق:

اختلاف رائے کی بھی شرائط ہیں اور ہر شخص تنقید کا اہل نہیں ہوسکتا۔ (از مولانا ظفر احمد عثمانی)

چنانچہ مودودی صاحب کے تنقیدی حملوں کے جواب میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یہ جو کہا جاتا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے سوا کوئی بھی تنقید سے بالا نہیں" اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر کس و ناکس کو ہر شخص پر تنقید کا حق حاصل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ، ادنیٰ پر تنقید کرسکتا ہے یا اپنے مساوی پر ادنیٰ کو اعلیٰ پر، جاہل کو عالم پر، غیر مجتہد کو مجتہد پر، غیر صحابی کو صحابی پر تنقید کا حق نہیں، صحابی کو صحابی پر، تنقید کا حق ہے۔" (براۃ عثمانؓ ص ۱۲)

سندیلوی صاحب تنقیدی جوش سے اتنے مغلوب ہوگئے کہ اکابر خلف وسلف سے گزر کر خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ تک پہنچ گئے اور اہل سنت والجماعت کے اس متفق علیہ مسلک کے باوجود (کہ از روئے حدیث حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الحق تھے) انہوں نے یہ نظریہ قائم کرلیا کہ جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الحق تھے۔

(ملاحظہ ہو اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۴۵۵)

مگر حضرت علامہ ظفر احمد عثمانی نے بھی اہل سنت والجماعت کے اسی متفقہ مسلک کی تائید کی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

(ا) تو ہم کو یہی کہنا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں حق پر تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ حق کے زیادہ قریب تھے۔ (براۃ عثمانؓ ص ۶۴)

(ب) نیز مولانا عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وفی قوله صلی الله علیه وسلم یقتلهما اولی الطائفتین بالحق دلیل علی ان کل من الفرقتین علی الحق واحدهما التی تلی قتل المارقة اولٰهما به وهی علی بن ابی طالب رضی الله عنه واصحابه (اعلاء السنن جلد ۱۲، ص ۴۸۲)**

اور رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ فرقہ مارقہ یعنی خوارج کو دونوں گروہوں میں سے اقرب الی الحق گروہ قتل کرے گا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ دونوں گروہ حق پر ہوں گے اور ان میں سے ایک گروہ جو ان خوارج کو قتل کرے گا ان دونوں میں سے اولیٰ بالحق ہوگا اور وہ گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب (ساتھیوں) کا ہے۔

بندہ نے مولانا سندیلوی کے اسی غلو کا ابطال کیا ہے۔ کیونکہ عقیدہ خلافت راشدہ اہل سنت والجماعت کا برحق عقیدہ ہے اور اسی عقیدہ کے انکار کی بنا پر روافض اور خوارج کی راہیں جدا ہوتی ہیں۔ گو جنگِ جمل اور صفین کے واقعات کی تفصیل تاریخ میں ملتی ہے لیکن اس مسئلہ کا اصل تعلق قرآن و حدیث سے ہے اور حضرت علی المرتضیٰ بھی خلفائے ثلثہ امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی طرح قرآن کے چوتھے خلیفہ موعود ہیں اسی بنا پر بندہ نے مشاجرات صحابہ کی بحث کی بنیاد قرآن حکیم کی آیت تمکین اور آیت استخلاف پر رکھی ہے۔ طبری اور ابن اثیر کی روایات کو میں نے پیش نہیں کیا۔ البتہ سندیلوی صاحب نے جو تاریخی روایات پیش کی ہیں انہی پر بحث کی ہے۔ مودودی صاحب ہوں یا عباسی اور سندیلوی صاحبان ان سب کا موقف مشاجرات صحابہ کے بارے میں مذکورہ قرآنی آیات کے خلاف ہے۔ اس سلسلے میں مسلک اہل سنت والجماعت کی بنیاد بھی آیات قرآنی اور احادیث نبوی ہیں نہ کہ روایات تاریخیہ۔ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کا اختلاف حق و باطل کا اختلاف نہیں بلکہ صواب و خطاء کا ہے اور اجتہادی خطا حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے نہ اس سے خارج۔ مودودی صاحب جنگِ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقتاً باطل پر سمجھتے ہیں اور سندیلوی صاحب اور عباسی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے بھی قائل نہیں ہیں لیکن اہل حق اس افراط و تفریط کے خلاف اعتدال پر قائم ہیں اور اکابر اہل سنت میں سے جن بزرگوں نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باطل یا جور وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں تو ان کی مراد اس سے صورتاً ہے نہ حقیقتاً، ان کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد صحابی ہیں البتہ اس جنگ و قتال میں ان سے اجتہادی غلطی کا صدور ہو گیا ہے اور اجتہادی خطاء کی نسبت کرنے سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص و توہین لازم نہیں آتی اور بندہ نے اس کتاب میں مسلک اہل سنت والجماعت کے اثبات کے لیے ہی آیت تمکین اور آیت استخلاف پر بحث کی ہے اور قرآنی اور حدیثی دلائل کی بنا پر ہی ثابت کیا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی ماننے کے بغیر اور کوئی صحیح راہ نہیں ہے۔

سندیلوی پندار وغرور:

سندیلوی صاحب اپنے آپ کو علم واجتہاد کے جس مقام پر سمجھتے ہیں وہ اس کے اہل نہیں ہیں۔ ان میں اگر صرف فکر ونظر کی کمزوری ہوتی تو کسی درجہ میں اسے نظر انداز کیا جاسکتا تھا لیکن تعجب خیز اور عبرتناک امر یہ ہے کہ وہ اس علمی بحث میں غلط بیانیوں اور علمی خیانتوں کے مرتکب ہوئے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس کتاب میں ان کی نشاندہی کردی ہے۔ انہوں نے اپنے مختصر رسالہ جواب شافی میں بھی غلط بیانی سے کام لیا ہے اور اپنی ضخیم کتاب ''اظہار حقیقت'' میں بھی۔ اس لیے ان کی کتاب کا نام بجائے ''اظہار حقیقت کے ''اخفائے حقیقت'' زیادہ مناسب ہے۔ اگر ان کی کتاب اظہار حقیقت کے مندرجات پر مفصل بحث کی جائے تو ایک دوسری ضخیم جلد تیار ہوسکتی ہے۔

سندیلوی باتباع عباسی:

محمود احمد صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' دور حاضر میں خارجیت کی بنیاد ہے۔ اس کتاب میں حضرت علی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی شرعی بلند شخصیتوں کو مجروح کرنے کے لیے متعدد مقامات پر انہوں نے علمی خیانتوں، غلط بیانیوں تلبیسات وتحریفات کا ارتکاب کیا ہے۔ جن کی نشاندہی بطور نمونہ کے میں نے اپنی اس کتاب میں کردی ہے۔ طوالت کے خوف سے میں نے ان کی تصانیف خلافت معاویہ ویزید۔ تحقیق مزید اور حقیقت خلافت وملوکیت وغیرہ سے بعض متعلقہ مباحث ترک کردیے ہیں۔ چونکہ عباسی صاحب نے بھی مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت وملوکیت'' کے جواب میں ''حقیقت خلافت وملوکیت'' لکھی ہے۔ اس لیے بعض علماء جو مودودیت کے خلاف ہیں وہ عباسی صاحب کو اپنا ہم مسلک سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عباسی صاحب نے بھی ردمودودیت کی آڑ میں مسلک اہل سنت کی تردید کی ہے۔ عباسی صاحب ہر اس حدیث کو وضعی اور من گھڑت قرار دیدیتے ہیں جو ان کے من گھڑت موقف کے خلاف ہوتی ہے۔ شروع شروع میں عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ ویزید'' کے جواب میں حضرت مولانا قاری محمد طیب

صاحب زید فیضہم کا مقالہ شائع ہوا تھا جس میں آپ نے لکھا تھا کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔'' اس پر مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کو غصہ آ گیا اور انہوں نے ان کے جواب میں ایک بیان دیا جو ''صدق جدید'' لکھنؤ ۱۳ رنومبر ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا۔ جس میں آپ نے لکھا تھا کہ کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' تو زلزلہ افگن ثابت ہوئی اگر شیعہ حضرات اس کی اشاعت سے مضطرب ہیں تو جائے تعجب نہیں ہے مگر بعض اہل سنت کا ان کی ہمنوائی کرنا حیرت انگیز ہے۔ خصوصاً مہتمم صاحب دارالعلوم کا یہ اعلان اور بھی تحیر خیز ہے کہ کتاب کے مضامین مسلک اہل سنت والجماعت کے خلاف اور جذبات کو مجروح کرنے والے ہیں۔ میں نے کتاب اوّل سے آخر تک دیکھی۔ اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔ ہاں اگر کوئی شخص ایک عقیدہ قائم کرکے واقعات وحوادث کو ان کے مطابق بنانا چاہے تو تحقیق کے بعد اس کی سعی لاحاصل کی لذت ختم ہو جانا بعید از قیاس نہیں۔ اس لیے کہ واقعات کا ہمارے خیالات کے مطابق ہونا ضروری نہیں۔ مذہب اہل سنت والجماعت تو اس طرز فکر کی تعلیم نہیں دیتا۔ اس سے اس کتاب کے مضامین کا تضاد بالکل خلاف عقل ہے۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ یزید قتل حسین رضی اللہ عنہ کے جرم کا مرتکب ہی نہیں ہوا تو اس کی مذمت یا اس سے عداوت ونفرت کے لیے کیا وجہ جواز ہو سکتی ہے؟ یہ ذہنیت بالکل ناقابل فہم ہے کہ واقعہ خواہ کچھ ہو مگر ہم تو یزید کو بہر حال مجرم ہی سمجھیں گے گویا اسے مجرم سمجھنا کوئی مخصوص عقیدہ ہے۔ جس پر قائم رہنا اور اس کے خلاف تاریخی شہادتوں کو رد کر دینا عین واجب ہے مذہب اہل سنت والجماعت تو ہرگز اس طرز فکر کو جائز نہیں قرار دیتا۔ اس تاریخی مسئلہ کو کتاب میں پیش کیا گیا ہے تو غریب مصنف نے کیا جرم کیا ہے؟ اور مسلک اہل سنت والجماعت کی کونسی مخالفت کی ہے۔

سندیلوی صاحب کی مندرجہ عبارت سے عباسی صاحب کی کتاب ''خلافت معاویہ و یزید'' کی مکمل حمایت ثابت ہوتی ہے۔ باقی رہا یہ کہ عباسی صاحب کی کتاب مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف نہیں ہے تو یہ سندیلوی صاحب کی صریح غلط بیانی ہے۔ کیونکہ

اس کتاب میں صرف یہ نہیں کہ یزید کو صالح اور متقی قرار دیا گیا ہے بلکہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کی صریح تنقیص وتوہین کی گئی ہے۔ جس کی نشاندہی میں نے اس کتاب میں کردی ہے۔ کیا اس کتاب میں عباسی صاحب نے حضرت علی کی خلافت پر بحث نہیں کی اور کیا سندیلوی صاحب کے نزدیک مسئلہ خلافت کا سنی عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں ہے؟ پھر ان کا یہ لکھنا کیا تلبیس پر مبنی نہیں کہ ''اس کا موضوع تاریخی واقعات ہیں نہ کہ مذہبی عقائد۔''

علاوہ ازیں عباسی صاحب کے تلامذہ کی عبارتیں بھی میں نے بعنوان ''خارجیت کا طوفان'' نقل کردی ہیں۔ قارئین حضرات ان سے خود ہی نتیجہ نکال سکتے ہیں۔ سندیلوی صاحب کی مندرجہ بالا تحریر جو انہوں نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب موصوف کے جواب میں لکھی تھی عباسی صاحب نے اپنی کتاب طبع چہارم میں حرف بہ حرف درج کردی ہے۔ (ملاحظہ ہو طبع سوم، ص ۱۸)

لیکن اس میں انہوں نے سندیلوی صاحب کے نام کی تصریح نہیں کی بلکہ یہ لکھا ہے کہ دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل استاذ نے ''دیوبند سے ایک عجیب بیان'' کے عنوان سے صدق جدید مؤرخہ ۱۳ر نومبر میں مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اس جدوجہد کے سلسلہ میں جو کتاب کی مخالفت میں کررہے تھے لکھا تھا:

''کتاب خلافت معاویہ ویزید'' تو زلزلہ فگن ثابت ہوئی۔

مجھے عباسی صاحب کی کتاب کی مندرجہ عبارت سے شبہ تو ہوا تھا کہ ''دارالعلوم ندوہ کے ایک فاضل استاذ'' سے مراد مولانا سندیلوی ہی نہ ہوں لیکن تصریح نہ ہونے کی وجہ سے اپنی اس کتاب کی ابتدائی بحث میں عباسی صاحب کی کتاب کو سندیلوی نظریات کی بنیاد نہیں قرار دیا اس حقیقت کا انکشاف چونکہ بعد میں ہوا ہے اس لیے عرض حال میں اس کی وضاحت کردی ہے۔ سندیلوی صاحب کے اس بیان کے جواب میں مولانا ابوالمنظور احمد صاحب استاذ مدرسہ احیاء العلوم بانسواڑہ دکن کا ایک مضمون بعنوان ''کتاب خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید'' پر تبصرہ ''ماہنامہ دارالعلوم دیوبند'' جنوری ۱۹۶۰ء میں شائع ہوا تھا

جس میں سندیلوی صاحب کے بیان کی تردید کی گئی تھی۔

کتاب شہید کربلا اور یزید:

اسی سلسلہ میں مخدوم العلماء حضرت مولانا قاری محمد طیب [1] صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب بنام "شہید کربلا اور یزید" ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی تھی جس میں آپ نے عباسی نظریات کی تردید کرتے ہوئے مسلک اہل سنت والجماعت کی وضاحت کی تھی۔ جس کے جواب میں عباسی صاحب نے اپنی کتاب "خلافت معاویہ ویزید" کا دوسرا حصہ بنام "تحقیق مزید" شائع کیا اور یہاں تک لکھ دیا کہ "دارالعلوم سے کچھ اس قسم کی آوازیں سنائی دینے لگیں جو لکھنؤ کے "امام باڑہ" "غفراں مآب" کے کسی ذاکر کی زبان سے سُنی ہیں تو کیا جائے تعجب۔" (تحقیق مزید، ص ۳۲۸)

گویا کہ حسب بشارت نبوی جنت کے جوانوں کے سردار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی عظمت کا تحفظ کرنا اور جمہور اہل سنت والجماعت کے موافق یزید کو فاسق قرار دینا۔ شیعوں کے امام باڑہ کی آواز ہے۔ اس بنا پر تو سارے سلف وخلف اکابر اہل سنت (تمام اکابر دیوبند سمیت) امام باڑہ کے ذاکرین کی فہرست میں آجاتے ہیں۔ اور عباسی صاحب کی تحریک کا مقصد ہی یہی ہے۔ اور اسی ہم نوائی کی وجہ سے مولوی عظیم الدین مولف "حیات سیدنا یزید" نے سندیلوی صاحب کو بھی امام اہل سنت کا لقب عطا کر دیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

"امام اہل سنت صدر شعبہ دعوت وارشاد، رکن مجلس دعوت وتحقیق جامعہ علوم

---

[1] ملحوظ رہے کہ دارالعلوم دیوبند (ہندوستان) کا حالیہ اختلاف امور انتظامیہ سے متعلق ہے اور ان حضرات میں مسلکاً کوئی اختلاف نہیں ہے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب زید فیضہم اور حضرت مولانا سید اسعد صاحب مدنی دام مجدہم (خلف رشید شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ) دونوں اکابر دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ کے مسلک حق کے داعی اور امین ہیں۔ حق تعالیٰ اپنی نصرت خاصہ سے اس مرکز رشد وہدایت کو شرور وفتن سے محفوظ رکھیں۔ آمین بجاہ رحمت للعالمین ﷺ (خادم اہل سنت غفرلہ۔)

اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی مولانا محمد اسحٰق صدیقی مدظلہ العالی تحریر فرماتے ہیں۔" (امیر المومنین یزید رحمہ اللہ ارشادات ❶ اکابر کی روشنی میں، ص ۱۸۷)

اور تعجب ہے کہ عباسی گروہ کے یہ امام اہل سنت جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شعبہ دعوت وارشاد کے صدر بھی ہیں۔ حالانکہ جامعہ اسلامیہ کے سابق شیخ الحدیث مولانا علامہ محمد یوسف محدث بنوری رحمہ اللہ بھی یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو، معارف السنن جلد ششم، ص ۸)

عباسیت اور یزیدیت کے اثرات دیو بندی حلقوں میں سرایت کر رہے ہیں۔ بہت کم علماء ایسے رہ گئے ہیں جن کا مقصد تحفظ مسلک حق ہے۔ دینی مدارس میں بھی عقیدہ خلافت راشدہ زیر بحث نہیں آتا۔ اکابر محققین کی تحقیق پر اعتماد نہیں رہا۔ اور ہمارے مدارس کے بعض طلبہ بھی اہل زیغ والحاد کے لٹریچر سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ مقررین کی خوش الحانیاں بھی عموماً اپنے تشخص کو ابھارنے کے لیے ہوتی ہیں۔ علمائے دیوبند کو جو عروج حاصل تھا وہ مسلک حق کے تحفظ کی بنا پر تھا۔ اور اب جو تشتت اور تفرق کی وجہ سی تنزل آرہا ہے وہ مسلک حق کے عدم تحفظ کی وجہ سے ہے۔ اس وقت پاکستان کے اکابر علمائے دیوبند کے لیے یہ ایک بڑا چیلنج ہے۔ اگر ذاتیات اور پارٹی بازی یا مال وجاہ کے حصول کے پیش نظر اس میں مزید غفلت کارفرما ہوگئی تو پھر رہا سہا وقار بھی رخصت ہو جائے گا مروجہ سیاست نے بھی ہمیں سخت نقصان پہنچایا ہے۔ خدانخواستہ کہیں ایسا وقت نہ آجائے کہ

تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

راقم الحروف نے محض تحفظ مسلکِ حق کے لیے یہ کتاب لکھی ہے۔ میں نے یہ ملحوظ نہیں رکھا کہ سندیلوی صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو میں مدرس رہ چکے ہیں یا علامہ مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ کے جامعہ اسلامیہ میں شعبہ دعوت وارشاد کے صدر ہیں۔ میں نے بلا کسی حسد وتعصب کے سندیلوی نظریات کا رد کیا ہے۔ اور الحمد للہ میں

---

❶ ارشادات اکابر میں مولوی عظیم الدین صاحب نے ناصبیت کی تعریف میں جو تلبیس کی ہے اس کا جواب خارجی فتنہ حصہ دوم میں آگیا ہے۔ ۱۲

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ سیدنا محمد خاتم النبیین وعلی خلفاہ الراشدین المھدیین وعلی الہ واصحابہ احمعین۔

اما بعد!

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی صدر شعبہ دعوت وارشاد جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کا مؤلفہ ایک رسالہ (صفحات ۲۰) بنام۔ قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) کے اعتراضات کا ''جواب شافی'' بتاریخ ۱۷ ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ بذریعہ ڈاک موصول ہوا۔ جو خود مؤلف صاحب موصوف نے مجھے بھیجا ہے۔ اس میں زیر بحث مسائل کے علاوہ حسب شکایتیں بھی ہیں:

① کہ میں نے ان کو اپنا رسالہ ''دفاع صحابہ'' نہیں بھیجا جس میں ان پر اعتراضات کئے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:

''یہ رسالہ مجھے میرے ایک دوست نے دکھایا، قاضی صاحب نے مجھے نہیں بھیجا، حالانکہ اصولاً بھیجنا چاہیے تھا۔''

الجواب: ''دفاع صحابہ'' کے نام سے حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ کی کتاب ''مطرقۃ الکرامۃ'' کے ناشر نے میرا وہ مضمون علیحدہ کتابی صورت میں شائع کیا ہے جو میں نے بطور مقدمہ کتاب لکھا تھا۔ اور اس مضمون میں دفاع صحابہ کے پیشِ نظر شیعیت، خمینیت، مودودیت، خارجیت اور یزیدیت پر بحث کی گئی ہے۔ اور انہی مباحث کے ضمن میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی موصوف کے متعلق بھی کچھ لکھ دیا ہے جو یزید کے حامی ہیں۔ چونکہ اس رسالہ میں مستقلاً موصوف کے نظریات کا رد مقصود نہ تھا اس لیے اصولاً ان کو بھیجنا مجھ پر لازم نہیں تھا۔

② مولانا موصوف خطبہ مسنونہ کے بعد ''جواب شافی'' کے شروع میں ہی لکھتے ہیں

کہ میری کتاب ''اظہار حقیقت'' بجواب ''خلافت وملوکیت'' دو جلدوں میں کئی سال ہوئے شائع ہو چکی ہے جو بحمد اللہ بہت مفید ثابت ہوئی اور اہل علم کے حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھی گئی۔ چنانچہ محب محترم حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاستاذ المودودی'' میں ان کتابوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جو ''خلافت وملوکیت'' کے جواب اور رد میں لکھی گئی ہیں میری کتاب کے متعلق ''من احسن ما الف هو کتاب الشیخ الفاضل الصدیقی مولانا محمد اسحق السندیلوی حفظه الله'' لکھ کر اسے اس سلسلہ کی بہترین کتابوں میں شمار کیا ہے۔ موصوف کے علاوہ جن علماء نے اس کی تحسین وستائش فرمائی ان میں مولانا قاضی مظہر حسین صاحب (چکوال) بھی ہیں۔ موصوف اپنی کتاب ''بشارت الدارین بالصبر علی شہادت الحسین'' میں ص ۳۳۳ پر اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا محمد اسحٰق صاحب صدیقی موصوف نے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کی کتاب خلافت وملوکیت کے جواب میں ایک محققانہ کتاب بنام ''اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت'' لکھی ہے جو پاکستان میں دو جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اس کتاب کا ایک حصہ ''تجدید سبائیت'' کے نام سے ۱۹۶۵ء میں جمعیۃ العلماء اسلام کی طرف سے شائع کیا گیا تھا۔ مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت میں خلیفہ راشد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر جو مطاعن وارد کئے ہیں حضرت مولانا موصوف نے اظہار حقیقت میں علمی طور پر ان کا مکمل ابطال کر دیا ہے۔

اظہار حقیقت کے متعلق قاضی صاحب کی یہ رائے کئی سال ہوئے شائع ہو چکی ہے۔ جیسا کہ حوالہ مذکور سے ظاہر ہے۔ مگر معلوم نہیں کیا جدید محرک پیدا ہوا کہ موصوف کو میری کتاب میں خارجیت نظر آنے لگی۔ (جواب شافی، ص ۶)

مولانا سندیلوی سے تعارف:

مولانا محمد اسحاق صاحب سے غائبانہ تعارف اُس زمانہ میں ہوا جبکہ جمعیت علمائے

اسلام کے ہفت روزہ ترجمانِ اسلام لاہور میں ان کی کتاب تجدید سبائیت حصہ اوّل کا مضمون قسط وار شائع کیا گیا تھا۔ ان دنوں عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم اور عقیدہ خلافت راشدہ کے تحفظ کے لیے علمائے حق، مودودی صاحب کے افکار باطلہ کا پُر زور رد کر رہے تھے جس میں اکابر جمعیت علمائے اسلام پیش پیش تھے خصوصاً مجاہد ملت حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی رحمہ اللہ اس سلسلے میں ایک ننگی تلوار تھے۔ راقم الحروف (خادم اہل سنت) کی پہلی کتاب اس سلسلے میں بنام ''مودودی جماعت کے عقائد ونظریات پر ایک تنقیدی نظر'' محررہ ۲/مئی ۱۹۵۸ء اور پھر دوسری کتاب ''مودودی مذہب'' طبع اوّل بھی شائع ہو چکی تھی۔ اسی سلسلہ ''ردِ مودودیت'' میں مولانا موصوف کی کتاب ''تجدید سبائیت'' کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا اور ہمیں موصوف سے غائبانہ حسن ظن پیدا ہو گیا۔

اظہارِ حقیقت:

پاکستان میں تجدیدِ سبائیت کا حصہ دوم ابھی شائع نہیں ہوا تھا کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی موصوف پاکستان تشریف لے آئے۔ اور موصوف سے بذریعہ خط و کتابت میرا رابطہ قائم ہو گیا۔ چونکہ مولانا موصوف کے مضامین بھی مذہب اہل سنت والجماعت کی تائید اور عقائد شیعہ کی تردید پر مشتمل ہوتے تھے اور ہمارا مشن بھی یہی تھا اور ہے۔ اس لیے غائبانہ موصوف سے حسنِ عقیدت کی بناء پر میں نے بذریعہ خط مولانا کو تحریک خدام اہل سنت پاکستان کی سرپرستی قبول کرنے کی پیشکش کر دی۔ لیکن آپ نے اسے قبول کرنے میں اس وجہ سے معذرت کر دی کہ آپ کو اس وقت تک پاکستان کی شہریت حاصل نہیں ہوئی تھی۔ جب آپ نے پاکستان میں ''اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت جلد اوّل صفحات ۳۶۷ شائع کی تو میرے پاس بھی ایک نسخہ تقریباً دو سال [1] تک یہ مقدمہ چلتا رہا۔ آخر ۸/اکتوبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کی عدالت سے مرزا غلام احمد قادیانی کو

---

[1] مرزا قادیانی آنجہانی کے ان تمام مقدمات کی تفصیل سرکاری دستاویز پر مشتمل جناب والد صاحب مرحوم کی کتاب ''تازیانہ عبرت'' میں مذکور ہے۔

پانچ سو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید محض اور حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپیہ جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم سنایا گیا (اور مرزا قادیانی دجال آنجہانی نے حقیقۃ الوحی میں بھی کئی مقامات پر والد صاحب مرحوم کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا ہے:

کرم دین جہلمی کے مقدمہ فوجداری کے لیے گورداسپور گیا تو مجھے الہام ہوا۔

(حقیقۃ الوحی، ص ۱۱۸)

(۵) آفتاب ہدایت کے اس مقدمہ میں بندہ نے بعنوان:

"مرکز رشد وہدایت دار العلوم دیوبند کی طرف رجوع"۔

لکھا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ نے اس دور میں دیوبند کو علمی و روحانی فیوض کا سرچشمہ بنایا ہے۔ اکابر دیوبند جامع الظاہر والباطن تھے۔ تجدید واحیائے دین میں ان بزرگوں نے وہی فرائض انجام دیئے جو ہر زمانہ کے مجددین کا نصب العین رہا ہے...... علمائے دنیا نے ان بزرگوں پر کفر والحاد کے فتوے لگائے اور اتنا مکروہ پروپیگنڈا کیا کہ بہت سے نیک نیت لوگوں میں بھی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ علمائے دیوبند کی عبارتوں میں کتر بیونت کر کے قوم کے سامنے پیش کیا گیا۔ مصنفین کی مراد سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی۔ مولانا کرم الدین صاحب مرحوم بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے اور آپ کو اگرچہ حضرات دیوبند کے خلاف غلو [1] نہ تھا۔ لیکن ان کے احوال وکمالات سے ناواقفیت کی بناء پر ان کی صحیح عقیدت وعظمت حاصل نہ کر سکے۔ چونکہ زیادہ تر شیعیت ومرزائیت کے انسداد کی طرف توجہ رہتی تھی۔ اس لیے اکابر دیوبند کی تصانیف مبارک کو براہ راست مطالعہ کرنے اور ان کے پیش کردہ حقائق کو

---

[1] اکابر دیوبند پر والد صاحب مرحوم کے جس فتویٰ کی نقل سندیلوی صاحب نے پیش کی ہے وہ ۱۳۲۶ھ کا ہے۔ اس کے بعد بعض مواقع پر اکابر علمائے دیوبند سے ملاقات بھی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ تازیانۂ عبرت کی دوبارہ اشاعت کے بارے میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے کہ: ایک دفعہ انجمن شباب المسلمین بٹالہ میں جناب مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی بڑی سخت تاکید فرمائی کہ روئداد ضرور شائع ہونی چاہیے۔

سمجھنے کا بہت کم موقع مل سکا۔ ان حضرات کے متعلق آپ کے دل میں جو کچھ شبہات تھے، ان کا منشا زیادہ تر مخالفین ہی کی تصانیف تھیں۔

مناظرہ سلانوالی

غالباً ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے کہ سلانوالی ضلع سرگودھا میں علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے مابین آنحضرت ﷺ کے لیے علم غیب کلی ماکان ومایکون کے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا۔ جس میں مولانا مرحوم علمائے بریلی کی طرف سے صدر مقرر ہوئے تھے۔ اس مناظرہ سے واپس آکر آپ نے راقم الحروف سے دیوبندی مناظر مولانا منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان کی تہذیب ومتانت کی بہت تعریف فرمائی۔ اس کے علاوہ خدا جانے آپ نے اس مناظرہ سے کیا کیا اثرات لیے۔ اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بخوشی اجازت دیدی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ: میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت کے زیر سایہ تعلیم ہدیتاً بھیجا۔ جس کے سادہ ورق پر اپنے قلم سے موصوف نے یہ الفاظ لکھے تھے:

گرامی خدمت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب زیدت فیوضہم از محمد اسحٰق صدیقی عفلہ اللہ عنہ ۷ ربیع الثانی ۱۳۹۲ھ۔

ہم نے حسنِ ظن کی بناء پر مولانا موصوف کو تحریک خدامِ اہل سنت کی تیسری سالانہ سنی کانفرنس منعقدہ ۲۰/۲۱ محرم ۱۳۹۲ھ مطابق ۷/۸ مارچ ۱۹۷۲ء میں تشریف آوری کی بھی دعوت دی تھی جس کے جواب میں آپ نے اس میں شمولیت کے لیے تو معذرت کردی لیکن اپنا تحریری پیغام بعنوان ”ایک دل شکستہ کا پیام، اپنے سنی بھائیوں کے نام“ ہمیں بھیج دیا۔ جو ہم نے علیحدہ بھی چھپوا کر تقسیم کیا اور میری کتاب ”بشارت الدارین بجواب فلاح الکونین“ ص ۵۳۳ پر بھی وہ شائع کر دیا گیا بشارت الدارین صفحات ۶۱۷ بڑی تقطیع ردِ ماتم مرجّبہ کے سلسلہ میں ایک ضخیم کتاب ہے جو ایک شیعہ مصنف کی کتاب

فلاح الکونین کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں دیوبندی ہوں یا بریلوی ان علماء کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے ردِ شیعیت یا ردِ مودودیت میں کتابیں لکھی ہیں اسی سلسلہ میں بشارت الدارین ص ۵۳۳ کے حاشیہ پر مولانا محمد اسحٰق صاحب موصوف کی کتاب ''اظہار حقیقت'' کے متعلق بھی مذکورہ تعریفی الفاظ لکھے ہیں جن کی بناء پر موصوف نے مجھ پر اعتراض کیا ہے۔

حقیقت حال:

کتاب ''بشارت الدارین'' تکمیل پذیر ہونے والی تھی کہ ہمیں اطلاع ملی کہ اظہار حقیقت حصہ دوم بھی چھپ گئی ہے۔ اس کا انتظار بھی رہا۔ لیکن بشارت الدارین کی تکمیل تک کتاب نہ پہنچ سکی۔ اس لیے سابقہ حسنِ ظن کی وجہ سے ''بشارت الدارین'' میں بندہ نے اظہار حقیقت کے دونوں حصوں کی تعریف لکھ دی۔

(ب) ''اظہار حقیقت'' جلد ثانی کی طباعت میں زیادہ تاخیر ہوگئی تھی جیسا کہ مولانا موصوف نے خود ہی پیش لفظ میں اس کا ذکر کردیا ہے۔ ''اظہار حقیقت جلد اول کی اشاعت کے بعد اور جلد دوم کی اشاعت سے پہلے بعض احباب کے نام مولانا موصوف کے خطوط سے ان کے حامی یزید ہونے کا کچھ انکشاف ہوگیا تھا۔ اس لیے یہ احتمال تھا کہ حصہ ثانی میں آپ یزید کے متعلق بحث کریں گے لیکن جب دوسرے حصہ کے طبع ہونے پر کراچی کے بعض احباب کے ذریعہ معلوم ہوا کہ اس میں یزید کی بحث نہیں ہے تو میں نے اس گمان پر اس کی بھی تعریف لکھ دی کہ اس میں مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق رد ''خلافت وملوکیت'' میں دوسرے مضامین ہونگے۔ لیکن جب اظہار حقیقت جلد دوم کا مطالعہ کیا تو سابقہ حسنِ ظن زائل ہوگیا۔

مولانا بنوری رحمہ اللہ:

اظہار حقیقت کی تائید میں مولانا موصوف نے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب محدث بنوری رحمہ اللہ کے جو تعریفی الفاظ ان کی کتاب الاستاذ المودودی حصہ اوّل ص ۳۹ سے

نقل کیے ہیں۔ ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ بنوری رحمہ اللہ نے سابقہ حسنِ ظن کی بنا پر ایک سرسری نگاہ کے تحت اس کی تعریف کی ہے۔ اور پوری کتاب پڑھنے کا موقعہ نہیں ملا۔ اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ مولانا بنوری رحمہ اللہ نے کتاب کا نام بجائے اظہارِ حقیقت کے "حقیقت خلافت وملوکیت" لکھا ہے (حالانکہ یہ نام محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب کا ہے جو انہوں نے خلافت وملوکیت کے رد میں لکھی ہے) چنانچہ مولانا بنوری رحمہ اللہ کی جو عبارت سندیلوی صاحب نے لکھی ہے وہ حفظہ اللہ تک ہے حالانکہ اس کے بعد یہ الفاظ ہیں "باسم حقيقة الخلافة والملوكية" (یعنی مولانا سندیلوی نے جو کتاب بنام حقیقۃ الخلافۃ والملوکیۃ لکھی ہے) اگر علامہ بنوری اظہار حقیقت کا اچھی طرح مطالعہ کرتے تو نام میں یہ اشتباہ نہیں رہ سکتا تھا۔ اور مولانا سندیلوی نے بھی اس قرینہ کے پیشِ نظر مابعد کی عبارت ترک کر دی ہے۔ کیا سندیلوی صاحب کی یہی علمی دیانت ہے علاوہ ازیں علامہ بنوری محدث رحمہ اللہ تو یزید کے مخالف تھے۔ چنانچہ مسئلہ حیات النبی ﷺ پر حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب دام مجدھم شیخ الحدیث مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ کی ایک مدلل جامع کتاب "تسکین الصدور" طبع ثانی میں مولانا بنوری مرحوم کی جو تقریظ شامل ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے؟ ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہوسکی۔ کیا اس دور میں امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں۔ امام حسین کو باغی واجب القتل اور یزید بن معاویہ کو امیر المومنین خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا؟

علامہ بنوری معارف السنن شرح سنن ترمذی ج سادس ص ۱۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

ويزيد لا ريب في كونه فاسقا ولعلمآء السلف في يزيد وقتله الامام الحسين خلاف في اللعن والتوقف. قال ابن الصلاح في يزيد ثلاث فرق. فرقةٌ تحبه وفرقةٌ تسبه وتلعنه وفرقة متوسطة لا تتولاه ولا تلعنه وقال هذه الفرقة هي المصيبة۔

''اور یزید کے فاسق ہونے میں کوئی شک نہیں ہے اور اس کے امام حسین رضی اللہ عنہ
کو قتل کرنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض لعن کے قائل ہیں اور
بعض اس میں توقف کرتے ہیں، محدث ابن الصلاح فرماتے ہیں کہ یزید
کے بارے میں تین گروہ ہیں ایک گروہ اس سے محبت رکھتا ہے اور ایک فرقہ
اس کو سب اور لعنت کرتا ہے اور ایک گروہ متوسط (درمیانہ) ہے کہ نہ اس سے
محبت رکھتا ہے اور نہ اس پر لعنت کرتا ہے فرماتے ہیں کہ یہ گروہ صحیح رائے
رکھنے والا ہے۔''

اب تو مولانا سندیلوی کو ضد چھوڑ دینی چاہیے کیونکہ علامہ بنوری محدث نے تصریح فرما دی کہ یزید بے شک فاسق ہے۔ البتہ اس پر لعنت کرنے میں سلف صالحین میں اختلاف ہے اور صحیح موقف یہی ہے کہ یزید سے نہ محبت کی جائے نہ اس پر لعنت کی جائے اور یہی حضرات اکابر دیوبند کا مسلک ہے۔

مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ:

حضرت علامہ مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی مصنف اعلاء السنن وغیرہ شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار ضلع حیدر آباد رحمہ اللہ نے مولانا غلام اللہ خان صاحب مرحوم کی تفسیر جواہر القرآن کے ابتدائی حصہ کو دیکھ کر اس پر تقریظ لکھ دی تھی۔ لیکن جب حضرت مولانا مفتی عبد الشکور صاحب ترمذی دام مجدہم (ساہیوال ضلع سرگودھا) نے مولانا عثمانی کو جواہر القرآن کے بعض ان مقامات سے مطلع کیا جہاں جمہور اہل سنت کے خلاف لکھا گیا ہے تو مولانا عثمانی مرحوم نے یہ تحریر فرمایا کہ تفسیر جواہر القرآن مؤلفہ مولانا غلام اللہ خان صاحب کو احقر نے پہلے صرف ص ۲۸ تک دیکھا تھا (اور اس کا اظہار اصل تقریظ میں بھی کر دیا تھا، مرتب) اس لیے اس پر کچھ لکھ دیا تھا۔ اب اس تفسیر میں بعض مقامات پر مسلک اہل حق کے خلاف ہونے کا علم ہوا ہے اس لیے میری تقریظ کو پوری تفسیر کے متعلق نہ سمجھا جائے صرف ۲۸ صفحات کے متعلق ہی سمجھا جائے۔ والسلام۔

(ظفر احمد عفا عنہ ۲ محرم الحرام ۸۶ھ)

اس سے معلوم ہوا کہ حسنِ ظن کی بنا پر بعض اکابر علماء بھی کسی کتاب کی تعریف لکھ دیتے ہیں اور بعد میں اس کتاب کی غلطیوں سے مطلع ہوتے ہیں تو پھر تنقید واعتراض بھی کرتے ہیں لہٰذا بندہ راقم الحروف پر یہ اعتراض کہ پہلے "اظہار حقیقت" کی تعریف لکھی ہے اور اب تردید کر رہا ہے علمی طور پر غلط ہے۔

مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی:

عرض ناشر کے تحت لکھا ہے:

بڑے بڑے اہل علم نے اس کتاب کی تعریف کی مجاہد اسلام حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی نے ہی جمعیت علمائے اسلام کے "ترجمان اسلام" میں اسے قسط وار شائع کرنا شروع کیا تھا۔ قائد اسلام حضرت مولانا مفتی محمود فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں فخر ہے کہ اس کتاب کا پاکستان میں سب سے پہلے ہم نے تعارف کرایا۔ اور جب اس کتاب کی دوسری جلد چھپی اور ان کی خدمت میں پیش کی گئی تو اس کے مطالعہ کے بعد اپنے تاثرات یہ کہہ کر ظاہر فرمائے کہ قرنِ اوّل کی تاریخ کے الجھے ہوئے جنگل کو جس طرح مولانا نے صاف کیا ہے وہ ان کا زبردست علمی کارنامہ ہے۔ (جواب شافی ص ۳)

الجواب: ترجمان اسلام میں تو تجدید سبائیت حصہ اوّل قسط وار شائع کی گئی تھی۔ اور پھر اسی کو کتابی شکل میں تجدید سبائیت کے نام سے شائع کر دیا تھا۔ یہ چھوٹی تقطیع پر ایک رسالہ ہے جس میں مولانا سندیلوی کا مضمون از صفحہ ۱۰ تا ۶۵ ہے۔ اس کے علاوہ ناشر صاحب کی گذارش اور حضرت مولانا ہزاروی مرحوم اور ڈاکٹر احمد حسین صاحب کمال کے مضامین ہیں جو حصہ دوم کے عنوان کے تحت درج کیے گئے ہیں۔ اس کے بعد جو اظہار حقیقت حصہ اوّل شائع ہوئی ہے وہ بڑے سائز کے صفحات ۳۶۷ پر مشتمل ہے اور حصہ دوم ۴۸۰ صفحات کا ہے۔ مولانا ہزاروی رحمہ اللہ نے "اظہار حقیقت" حصہ اوّل و دوم کی تعریف کہاں لکھی ہے؟ حضرت مولانا ہزاروی اپنی عمر کے آخری سال میرے پاس چکوال تشریف لائے تھے۔ دورانِ گفتگو میں نے مولانا سندیلوی کے بعض خطوط کا حوالہ دے کر

ان کے حامی یزید ہونے کا ذکر کیا تو حیران رہ گئے اور فرمایا کہ میں ان کو خط لکھوں گا۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو موصوف کے خط کی فوٹو اسٹیٹ کاپی بھیج دوں گا۔ لیکن پھر نہ میں بھیج سکا اور نہ مولانا ہزاروی نے دوبارہ یاددہانی کرائی اور دارفانی سے دار باقی کی طرف انتقال فرما گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

ناشر صاحب نے اظہار حقیقت کی تائید میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحب مرحوم کے جو الفاظ لکھے ہیں اس کا ثبوت چاہیے۔ اور اگر مفتی صاحب مرحوم نے کچھ اس قسم کے الفاظ فرمائے ہیں تو وہ سابقہ حسنِ ظن کی بنا پر ہوگا۔ ورنہ حضرت مفتی صاحب مرحوم نہ حامی یزید تھے اور نہ ہی مشاجرات صحابہ کے بارے میں حضرات اکابر دیو بند سے اختلاف رکھتے تھے۔

علامہ سید سلیمان ندوی صاحب:

ناشر صاحب نے علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کے متعلق بھی یہ لکھا ہے کہ پاکستان بننے سے قبل یوپی مسلم لیگ نے پاکستان کے اسلامی دستور کا خاکہ مرتب کرنے کی ذمہ داری جن پانچ علماء کے سپرد کی تھی اس کمیٹی کے صدر علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے باقی حضرات کی مصروفیات یا بے توجہی کے پیشِ نظر جس جلیل القدر شخصیت کے سپرد یہ کام کیا وہ حضرت مولانا صدیقی کی ذات گرامی تھی۔

الجواب: اس سے یہ کیسے ثابت ہوگیا کہ یزید کے بارے میں اور مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں مولانا سندیلوی کے نظریات صحیح ہیں۔ حالانکہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ خود یزید کے مخالف ہیں چنانچہ علامہ مرحوم نے سیرت النبی جلد سوم ص ۷۰۹ پر بعنوان ''یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر'' یہ لکھا ہے کہ:

> امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا، اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی اِدبار و نکبت کی اولین شب ہے۔

فرمائیے! علامہ سید سلیمان ندوی جو مشہور مورخ اسلام اور محقق ہیں یزید کے بارے

میں ان کی تحقیق قابل اعتماد ہے یا مولانا سندیلوی کی جو علم و تحقیق میں ان سے فروتر ہیں۔

مولانا محمد کرم الدین کی شخصیت ❶:

مولانا محمد اسحق صاحب سندیلوی کی بحث تو مجھ سے تھی لیکن تعجب ہے کہ انہوں نے میرے والد ماجد ابو الفضل حضرت مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ مصنف ''آفتاب ہدایت'' کی شخصیت کو بھی زیر بحث لا کر ہدف تنقید بنایا ہے چنانچہ ''جواب الشافی'' کے صفحہ آخر پر نمبر ۶ کے تحت لکھتے ہیں:

قاضی صاحب کے والد محترم مولانا ابو الفضل کرم الدین صاحب مرحوم کا مندرجہ ذیل فتوی متعلق حضرات اکابر علمائے دیوبند ''الصوارم الہندیہ'' سے منقول ہے ملاحظہ ہو:

فتوی بھیں ضلع جہلم (۱۱۸) باسمہ سبحانہ، حسام الحرمین میں جو کچھ لکھا ہے عین حق ہے۔ دیوبندی جن کے سرگروہ خلیل احمد اور رشید احمد ہیں نجدی تبعین محمد بن عبدالوہاب نجدی سے بھی زیادہ خطرناک ہیں۔ کیونکہ نجدی تو پہلے ہی مسلمانان مقلدین سے الگ تھلگ ہوگئے۔ مسلمانوں کو ان کے عقائد خبیثہ سے آگاہی ہوگئی اور ان سے مجتنب ہوگئے لیکن دیوبندی حنفی وہابی نما۔ حنفی مسلمانوں سے شیر و شکر ہو کر گویا حلوے میں زہر ملا کر ان کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہم۔ (اس کے بعد ان حضرات پر کئی غلط الزام لگا کر لکھتے ہیں) ''اس لیے یہ خارج از اسلام اور کافر ہیں۔''

دستخط خاکسار ابو الفضل محمد کرم الدین عفا اللہ عنہ از بھیں تحصیل چکوال، ضلع جہلم حضرات اکابر علمائے دیوبند جن میں سے بعض بزرگوں کے اسمائے گرامی اُوپر مذکور ہیں۔ کسی بھی رائے

---

❶ مولانا کرم الدین دبیر رحمہ اللہ کی سوانح حیات احوالِ دبیر کے نام سے چھپ چکی ہے۔
''احوالِ دبیر رحمہ اللہ'' کے یکے بعد دیگرے دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ پہلا ایڈیشن ''گوشہ علم'' واپڈا ٹاؤن لاہور کی جانب سے محترم بھائی حافظ محمد زبیر نے طبع کروایا، اور اب دوسری مرتبہ ''قاضی کرم الدین دبیر اکیڈمی'' کی جانب سے حضرت دبیر رحمہ اللہ کے نبیرہ جناب حضرت قاضی ظہور الحسین اظہر مدظلہ نے زر کثیر صرف کر کے شائع کروائی ہے۔ (عبدالجبار سلفی)

سے اختلاف قاضی صاحب کے نزدیک بہت مذموم بلکہ شاید ناجائز اور معصیت ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ اپنے والد صاحب مرحوم کے متعلق موصوف کی کیا رائے ہے؟ (ص ۲۰)

الجواب ①: میرے والد صاحب مرحوم کے مندرجہ بالا فتویٰ کو یہاں نقل کرنا اصل زیر بحث مسائل میں مولانا سندیلوی کے عاجز اور بے بس ہونے کی دلیل ہے۔ اس سے تو ان کی انتہائی پست ذہنی ثابت ہوتی ہے۔ فرمایئے! مولانا محمد کرم الدین صاحب کے مندرجہ فتویٰ سے یہ کیونکر لازم آ گیا کہ یزید اور مشاجراتِ صحابہ کے سلسلے میں موصوف کے نظریات صحیح ہیں؟ اور پھر یہ فتویٰ میرا تو نہیں بلکہ میرے والد صاحب مرحوم کا ہے۔ مندرجہ فتویٰ نقل کرنے سے سندیلوی صاحب گویا کہ ناظرین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ مظہر حسین نے ان پر جو اعتراضات کیے ہیں ان کی کیا حیثیت ہے۔ یہ وہی تو ہے جس کے والد صاحب نے حضرات اکابر دیوبند پر کفر کا فتویٰ لگایا تھا۔

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

② میرے والد مرحوم آخری عمر میں اکابر دیوبند کے عقیدت مند ہو گئے تھے۔ چنانچہ میں نے آفتاب ہدایت رد رفض و بدعت طبع سوم کے مقدمہ میں بعنوان جناب مصنف کے مختصر حالات زندگی اس کا ذکر کر دیا ہے جس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں۔

مولانا ابو الفضل محمد کرم الدین صاحب مرحوم پنجاب کے مشہور فضلاء میں سے ہیں۔ موضع بھیں ایک غیر معروف بستی تھی جو آپ کا مولد و مسکن ہونے کی وجہ سے دور دور تک مشہور ہو گئی۔ آپ کی تاریخ ولادت محفوظ نہیں رہی لیکن اندازہ یہ ہے کہ آپ کی پیدائش ۱۸۵۷ء سے چار پانچ سال پہلے کی ہے۔ ابتدائی درسی کتب آپ نے اپنے وطن میں ہی پڑھیں اور امرتسر اور لاہور کے مختلف مدارس میں علوم وفنون کی تکمیل کی۔ عربی ادب کی بعض کتابیں آپ نے حضرت مولانا فیض الحسن ❶ صاحب رحمۃ اللہ علیہ پرنسپل اورینٹل کالج لاہور سے لاہور میں پڑھی ہیں۔ اس کے بعد فن حدیث کی تکمیل کے لیے

---

❶ آفتاب ہدایت کے مقدمہ میں مولانا فخر الحسن صاحب کا نام غلطی سے لکھا گیا۔ کیونکہ لاہور میں مولانا فیض الحسن صاحب پڑھاتے رہے ہیں نہ مولانا فخر الحسن۔

حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث رحمہ اللہ کی خدمت میں سہارنپور چلے گئے۔آپ کے ہمراہ آپ کے عمزاد بھائی حضرت مولانا محمد حسن صاحب فیضی مرحوم بھی تحصیل علم کے لیے گئے تھے لیکن دونوں بھائی بوجہ آب وہوا کی ناموافقت کے بیمار ہوگئے اور بہت قلیل مدت رہ کر دونوں واپس چلے آئے۔اور امرتسر میں بقیہ کتب ختم کیں۔مولانا فیضی مرحوم ادب عربی میں خاص مہارت رکھتے تھے۔عربی نظم لکھنے میں ممتاز تھے اور اکثر بے نقط قصائد عربی میں لکھا کرتے تھے۔مدرسہ نعمانیہ لاہور میں چند سال تدریس کرتے رہے۔مرزا غلام احمد قادیانی کے فتنہ کے استیصال میں آپ نے نمایاں خدمات انجام دی ہیں۔

③ ''قادیانی فتنہ'' کے تحت لکھا ہے کہ اردو، فارسی اور عربی نظم ونثر پر آپ (یعنی مولانا کرم الدین صاحب مرحوم) کو قدرت حاصل تھی۔مرزائی علماء آپ کے سامنے عاجز آگئے۔حتیٰ کہ خود متنبی قادیان مرزا غلام احمد مقابلہ کی تاب نہ لاکر گھبرا اٹھا۔مولانا مرحوم کے دلائل کا جواب تو بن نہ سکتا تھا۔اپنی خفت کو مٹانے کے لیے حسب عادت حکومت کی پناہ لی۔

④ مرزا غلام احمد حسب معمول مولانا مرحوم کے خلاف اپنی پیشگوئیاں شائع کرتے رہتے تھے۔حتیٰ کہ ۱۷؍جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں ایک مطبوعہ کتاب ''مواہب الرحمٰن'' تقسیم کی جس میں مولانا مرحوم کے متعلق سخت توہین آمیز کلمات استعمال کیے مثلاً لکھا کہ ''ومن آیاتی ما انبأنی العلیم الحکیم فی امر رجل لئیم وبھتانه العظیم'' (واز جملہ نشانہائے من اینست کہ خدا مرا در بارہ معاملہ شخص لئیم وبہتان بزرگ او خبر داد) اس میں یہ بھی لکھا ''فاذا اظھر قدر اللہ علی ید عدو مبین اسمه کرم الدین'' (پس ناگاہ ظاہر شد تقدیر خدائے تعالیٰ بردست دشمن صریح کہ نام او کرم الدین است)۔

چونکہ مرزائیوں کی طرف سے پہلے مقدمات کی ابتدا ہو چکی تھی اس لیے مولانا مرحوم نے بھی انتقاماً مرزا غلام احمد قادیانی اور حکیم فضل دین بھیروی کے خلاف استغاثہ دائر کر دیا۔

تقریباً دو سال [1] تک یہ مقدمہ چلتا رہا۔آخر ۸؍اکتوبر ۱۹۰۴ء کو گورداسپور کی

---

[1] مرزا قادیانی آنجہانی کے ان تمام مقدمات کی تفصیل سرکاری دستاویز پر مشتمل جناب والد صاحب مرحوم کی کتاب تازیانہ عبرت میں مذکور ہے۔

عدالت سے مرزا غلام احمد قادیانی کو پانچ سو روپیہ جرمانہ یا چھ ماہ قید محض اور حکیم فضل دین بھیروی کو دو سو روپیہ جرمانہ یا پانچ ماہ قید کا حکم سنایا گیا۔ اور مرزا قادیانی دجال آنجہانی نے حقیقۃ الوحی میں بھی کئی مقامات پر والد صاحب مرحوم کا ذکر کیا ہے چنانچہ لکھا ہے کرم دین جہلمی کے مقدمہ فوجداری کے لیے گورداسپور گیا تو مجھے الہام ہوا۔ الخ (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۸)

⑤ آفتاب ہدایت کے اس مقدمہ میں بندہ نے بعنوان ''مرکز رشد و ہدایت دارالعلوم دیوبند کی طرف رجوع'' لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دور میں دیوبند کو علمی و روحانی فیوض کا سرچشمہ بنایا ہے۔ اکابر دیوبند جامع الظاہر والباطن تھے۔ تجدید واحیائے دین میں ان بزرگوں نے وہی فرائض انجام دیئے جو ہر زمانہ کے مجددین کا نصب العین رہا ہے۔ علمائے دنیا نے ان بزرگوں پر کفر و الحاد کے فتوے لگائے اور اتنا مکروہ پروپیگنڈہ کیا کہ بہت سے نیک نیت لوگوں میں بھی غلط فہمیاں پھیل گئیں۔ علمائے دیوبند کی عبارتوں میں کتر بیونت کر کے قوم کے سامنے پیش کیا گیا۔ مصنفین کی مراد سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی۔ مولانا کرم الدین صاحب مرحوم بھی اس پروپیگنڈے سے متاثر ہوئے اور آپ کو اگرچہ حضرات دیوبند کے خلاف غلو نہ تھا [1] لیکن ان کے احوال و کمالات سے ناواقفیت کی بناء پر ان کی صحیح عقیدت و عظمت حاصل نہ کر سکے۔ چونکہ زیادہ تر شیعیت و مرزائیت کے انسداد کی طرف توجہ رہتی تھی اس لیے اکابر دیوبند کی تصانیف مبارکہ کو براہِ راست مطالعہ کرنے اور ان کے پیش کردہ حقائق کو سمجھنے کا بہت کم موقع مل سکا۔ ان حضرات کے متعلق آپ کے دل میں جو کچھ شبہات تھے ان کا منشا زیادہ تر مخالفین ہی کی تصانیف تھیں۔

---

[1] اکابر دیوبند پر والد صاحب مرحوم کے جس فتوی کی نقل سندیلوی صاحب نے پیش کی ہے وہ ۱۳۲۶ھ کا ہے۔ اس کے بعد بعض مواقع پر اکابر علمائے دیوبند سے ملاقات بھی ہوتی رہی ہے۔ چنانچہ تازیانہ عبرت کی دوبارہ اشاعت کے بارے میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ انجمن شباب المسلمین بٹالہ میں جناب مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب دیوبندی سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے بھی بڑی سخت تاکید فرمائی کہ روئداد ضرور شائع ہونی چاہیے۔

مناظرہ سلانوالی:

غالباً ۱۹۳۶ء کا واقعہ ہے کہ سلانوالی ضلع سرگودھا میں علمائے دیوبند اور علمائے بریلی کے مابین آنحضرت ﷺ کے لیے علم غیب کلی ماکان و مایکون کے موضوع پر ایک معرکۃ الآراء مناظرہ ہوا۔ جس میں مولانا مرحوم علمائے بریلی کی طرف سے صدر مقرر ہوئے تھے اس مناظرہ سے واپس آکر آپ نے راقم الحروف سے دیوبندی مناظر مولانا منظور صاحب نعمانی مدیر الفرقان کی تہذیب و متانت کی بہت تعریف فرمائی۔ اس کے علاوہ خدا جانے آپ نے اس مناظرہ سے کیا کیا اثرات لیے۔ اگلے سال رمضان ۱۳۵۶ھ میں احقر نے دارالعلوم دیوبند میں داخل ہونے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے بخوشی اجازت دیدی اور خود اعلیٰ حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کی خدمت میں اس مضمون کا عریضہ لکھا کہ میں اپنے فرزند کو دارالعلوم میں حضرت کے زیر سایہ تعلیم دلانا چاہتا ہوں۔ حضرت والا رحمہ اللہ نے سلہٹ آسام سے جواب تحریر فرمایا جس کا مضمون یہ تھا کہ آپ اپنے لڑکے کو ابتداء شوال میں دیوبند بھیج دیں۔ میں نے حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب کو اس کے متعلق لکھ دیا ہے وہ مہربانی فرمائیں گے۔ حضرت کے گرامی نامہ کو مولانا مرحوم نے اپنے لیے باعث افتخار جانا اور فرمایا کہ آج ہندوستان کی ایک بہت بڑی شخصیت کا خط آیا ہے۔ یہ الفاظ آپ نے بڑی عقیدت سے کہے تھے۔ شوال میں بندہ دارالعلوم میں داخل ہوگیا۔ شعبان ۱۳۵۸ھ میں جب وہاں سے فارغ ہو کر گھر آیا تو جناب والد مرحوم سے اکابر دیوبند کے حالات بیان کئے۔ حضرت مدنی مدظلہ کے بعض ارشادات سنائے جو میں نے قلمبند کر لئے تھے۔ تو آپ نے حضرت کے متعلق فرمایا کہ آپ ولی اللہ ہیں۔ قطب العارفین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ اور امام العالم حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ صاحب شیخ الہند کے حالات سن کر فرط عقیدت سے والد صاحب کی آنکھیں بعض وقت آنسوؤں سے تر ہو جاتی تھیں۔ تمام اکابر دیوبند سے مولانا مرحوم کو عقیدت کا تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ ایک دفعہ راولپنڈی کے کسی کتب خانہ میں آپ کو امام

الطریقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہٗ کی تفسیر بیان القرآن کے بعض مقامات سننے کا موقع ملا۔ راولپنڈی جیل میں عند الملاقات بندہ کے سامنے اس تفسیر کی بہت تعریف کی اور اس کی بعض خصوصیات بھی بیان کیں۔ ایک دفعہ آپ نے دیوبند سے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے چند مواعظ منگوائے اور مجھ کو جیل میں مطالعہ کے لیے بھیجے۔ غرضیکہ اکابر دیوبند کے متعلق جو پہلے شبہات تھے وہ زائل ہو گئے اور یہ حضرات اکابر کی ایک کرامت ہے۔

حضرت مولانا مدنی رحمہ اللہ سے بیعت:

مولانا مرحوم ابتدائی عمر میں، کتب درسیہ سے فارغ ہو کر پنجاب کے ایک شیخ [1] سے بیعت ہوئے تھے لیکن تھوڑے عرصے کے بعد وہ بزرگ انتقال فرما گئے۔ پھر آپ دوسرے مشاغل میں پڑ گئے اور باقاعدہ سلوک الی اللہ میں عملی قدم نہ اٹھا سکے۔ اب زندگی کی آخری منزل میں جب مصائب کا نزول ہوا اور منزل آخرت قریب نظر آئی تو کسی مرشد کامل سے استفاضہ ضروری سمجھا۔ اکابر دیوبند سے عقیدت تو پیدا ہو چکی تھی اس غرض کے لیے جامع علوم و معارف قدوۃ الواصلین شیخ العصر حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند کی خدمت اقدس میں بیعت کے لیے درخواست بھیجی۔ حضرت والا نے اپنے کرامت نامہ میں ارشاد فرمایا کہ تجدید بیعت کی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے سابق شیخ کے تلقین کردہ وظیفہ پر عمل کریں میں آپ کے لیے اور آپ کے عزیز کے لیے حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں اس کے بعد جناب والد صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جب سے بیعت کا تعلق اختیار کیا ہے حضرت مولانا مدنی سے غائبانہ مجھ کو فیض حاصل ہوتا ہے اس کے بعد جلد ہی مولانا مرحوم انتقال فرما گئے۔

(منقول از مقدمہ آفتاب ہدایت طبع سوم از خادم اہل سنت غفرلہ محررہ ۳ر دسمبر ۱۹۵۰ء مطابق ۲۲ر صفر ۱۳۷۰ھ)

---

[1] یہ خواجہ محمد الدین سیالوی رحمہ اللہ تھے جو کہ خواجہ شمس الدین سیالوی رحمہ اللہ کے بیٹے تھے، تفصیل "احوال دیر رحمہ اللہ" میں ملاحظہ ہو (عبد الجبار سلفی)

بندہ خادم اہل سنت کو ایک مقامی قتل کے حادثہ میں مع اپنے تین رفقاء کے ۱۹۴۱ء میں بیس سال قید بامشقت کی سزا ہوئی تھی۔ تقریباً ساڑھے سات برس قید و بند میں گزار کر بندہ ۱۹۴۹ء میں سنٹرل جیل لاہور سے رہا ہوا تھا۔ اسی دوران میرے برادر بزرگ جناب غازی مولوی منظور حسین صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۴۲ء میں داغ مفارقت دیا۔ والدہ مرحومہ نے انتقال فرمایا اور حضرت والد صاحب مرحوم نے ۱۷ر جولائی ۱۹۴۶ء مطابق ۱۸ر شعبان ۱۳۶۵ھ میں وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت شیخ الادب سے خط و کتابت:

بندہ ۵۸، ۱۳۵۷ھ دو سال دارالعلوم دیوبند میں زیر تعلیم رہا ہے۔ دوسرے سال دورۂ حدیث شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی شیخ الحدیث قدس سرہٗ سے پڑھا تھا۔ پہلے سال مشکوٰۃ شریف اور مختصر المعانی حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ سے اور دیوان متنبی شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھی تھیں۔ اس تلمذ کی وجہ سے دورانِ اسارت (جیل) بھی حضرت شیخ الادب اپنے شفقت ناموں سے مشرف فرماتے رہے ہیں۔ جیل میں ہی شیخ الادب کی وساطت سے بذریعہ عریضہ حضرت مرشدنا المدنی رحمہ اللہ سے بیعت ہوا تھا۔ رہائی کے بعد بھی اپنے موضع بھیں کے پتہ پر حضرت شیخ الادب کے گرامی ناموں سے مشرف ہوتا رہا ہوں شیخ الادب کے قریباً تیس خطوط بندہ کے پاس محفوظ ہیں۔ شروع شروع میں ہائی کورٹ کی اپیل نامنظور ہونے اور برادر بزرگ جناب مولوی منظور حسین صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ وفات کی خبر ملنے پر حضرت شیخ الادب نے والد صاحب کو جو مکتوب گرامی ارسال کیا تھا وہ درج ذیل ہے:

میرے محترم زیدت معالیکم، السلام علیکم! میں منتظر تھا کہ جناب کا والا نامہ عزیزم قاضی مظہر حسین سلمہٗ کی رہائی کی خبر سنا دے گا لیکن مقدرات الٰہیہ کو کوئی طاقت روک نہیں سکتی ہے، اس میں شک نہیں کہ جگر پاروں کے یہ

صدمے دردناک صدمات ہیں لیکن مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں کہ قضاء و قدر کے احکام کے بعد صبر سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے (آمین) اور عزیزم قاضی مظہر حسین سلمہٗ کو نجات عطا فرمائے (آمین)۔ دعا گو محمد اعزاز علی غفرلہ دیوبند ۳۰/ جمادی الثانیہ ۱۳۶۱ھ چارشنبہ۔

رہائی کے بعد حضرت شیخ الادب نے بندہ کے نام حسب ذیل گرامی نامہ ارسال فرمایا:
عزیز مکرم زیدت معالیکم پس از سلام مسنون۔ آپ کو آپ کی رہائی کی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس رہائی کو آپ کے لیے مفید اور ذریعہ آخرت بنادے (آمین)۔ میں آپ کا خادم اور دعا گو ہوں۔ حضرت مولانا (یعنی حضرت مدنی) آج تیسرا دن ہے کہ دہلی تشریف لے گئے ہیں وہاں سے بذریعہ ہوائی جہاز بمبئی پہنچ گئے ہونگے۔ غالباً سات روز میں واپسی ہوگی۔ میں آپ کا خادم اور دعا گو ہوں اور حسن خاتمہ کی دعا کا متمنی ہوں۔

(محمد اعزاز علی غفرلہ دیوبند ۱۴/ رجب ۱۳۶۸ھ)

مندرجہ والا ناموں سے ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت شیخ الادب جیسے مایہ ناز دیوبندی استاذ اور بزرگ کو حضرت والد صاحب مرحوم اور بندہ سے کتنا تعلق تھا۔

مولانا محمد منظور نعمانی:

گزشتہ صفحات میں سلانوالی ضلع سرگودھا کے دیوبندی بریلوی مناظرے کا مختصر حال عرض کردیا ہے اس مناظرہ میں علمائے دیوبند کی طرف سے حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی مدیر ماہنامہ الفرقان لکھنو دام فیضہم مناظر اور حضرت مولانا عبدالحنان صاحب ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ صدر تھے۔ اور علماء بریلی کی طرف سے میرے والد صاحب مرحوم صدر اور مولوی حشمت علی خان صاحب مناظر تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل اور حضرت مدنی قدس سرہٗ کی یہ کرامت ہے کہ حضرت مولانا کرم الدین رحمہ اللہ صاحب آخری عمر میں حضرت مدنی رحمہ اللہ وغیرہ اکابر دیوبند کے ساتھ وابستہ ہوگئے۔ واللہ یختص برحمتہ من یشآء۔

گزشتہ سال اپنے جماعتی کارکن حافظ عبدالوحید صاحب حنفی نے حضرت مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کی خدمت میں ازخود جناب والد صاحب مرحوم کے کچھ حالات لکھے تھے (جس کی اطلاع حافظ صاحب نے مجھے بعد میں دی) اس پر خود حضرت مولانا نعمانی موصوف نے جو بندہ خادم اہل سنت کو گرامی نامہ لکھا اس کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:

پاکستان کے بعض دینی رسائل میں جناب کا اسم گرامی تو بار بار دیکھا اور آپ کی ایک کتاب ''مودودی مذہب'' کے حوالے نظر سے گذرتے رہے لیکن یہ بات ابھی چند ہفتے پہلے پاکستان کے ایک مخلص کے عنایت نامہ سے معلوم ہوئی کہ آپ مولانا محمد کرم الدین صاحب دبیر رحمہ اللہ کے صاحبزادے ہیں (جو سلانوالی ضلع سرگودھا کے مناظرہ (۱۹۳۶ء) میں ایک فریق کی طرف سے تھے) میں مولانا مرحوم سے واقف نہیں تھا۔ یاد آتا ہے کہ مرزا غلام احمد قادیانی کے بعض خطوط میں مولانا کا ذکر ہے اور مولانا مرحوم کی مرزا سے خط و کتابت بھی ہوئی ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کوئی دوسرے بزرگ ہوں اور مولانا مرحوم کے ہمنام رہے ہوں۔ جن مخلص دوست نے مجھے یہ لکھا تھا کہ سلانوالی کے مناظرہ میں راقم سطور (محمد منظور نعمانی) کے بارے میں مولانا مرحوم نے اچھی رائے قائم کی تھی اور اس کے بعد ہی انہوں نے جناب کو تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجنے کا فیصلہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت مدنی رحمہ اللہ سے تلمذ اور پھر بیعت اور پھر اجازت کا شرف بھی عطا فرمایا'' فھنیا لکم ثم ھنیا لکم ''میں چاہتا ہوں اور میری یہ درخواست ہے کہ اگر یہ واقعہ ہے تو اس کی تفصیل جناب خود اپنے قلم سے تحریر فرما دیں مجھے اس کی ضرورت ہے۔ مکرر یہ کہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں اور خود جناب کے بارے میں جو کچھ میں نے دریافت کیا ہے اس کے جواب کا میں منتظر رہوں گا۔ خدا کرے کہ آپ جلدی ہی اس کو میرے لیے قلمبند فرما دیں۔ واجر کم علی اللہ۔

نوٹ: حضرت مولانا نعمانی موصوف کا یہ مکتوب گرامی ۲۸ را پریل ۱۹۸۱ء کا لکھا ہوا ہے۔

مولانا نعمانی کے حکم کے تحت بندہ نے مطلوبہ حالات پر مشتمل اپنا عریضہ گزشتہ سال

حج بیت اللہ کے لئے جانے سے پہلے ۲ر ذیقعدہ ۱۴۰۱ھ کو ارسال کر دیا تھا۔ جس کا جواب حضرت مولانا موصوف نے مؤرخہ ۳ر محرم الحرام ۱۴۰۲ھ ارسال فرمایا جو مجھے حج بیت اللہ اور زیارت روضہ رسول اللہ ﷺ کے مبارک سفر سے واپسی پر موصول ہوا مکتوب کے بعض مندرجات حسب ذیل ہیں:

جناب کی تفصیلی سرگزشت معلوم کر کے دل میں محبت وعظمت پیدا ہوئی اور حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں جو تحریر فرمایا ہے اس سے ان کی شخصیت کے بارے میں صحیح معلومات حاصل ہوئے۔ جزاکم اللہ تعالیٰ...... جناب کے اس گرامی نامہ کا حق تھا کہ میں بھی اس طرح تفصیل سے کچھ عرض کرتا اور اسی فرصت کے انتظار میں اتنا طویل عرصہ گزر گیا۔ مکرر عرض کرتا ہوں کہ عنایت نامہ کے لیے بھی دل سے شکر گزار ہوں اور کتابوں کے لیے بھی...... والسلام علیکم ورحمۃ اللہ...... محمد منظور نعمانی۔

جیل سے رہائی کے بعد آفتاب ہدایت رد رفض وبدعت کے مقدمہ میں حضرت والد صاحب مرحوم کے مختصر حالات زندگی بندہ نے ۲۲ر صفر ۱۳۷۰ھ مطابق ۳ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو تحریر کیے تھے۔ آفتاب ہدایت معہ مقدمہ تیس سال سے زائد عرصہ تک شائع ہوتی رہی ہے۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ مولانا محمد اسحاق صاحب سندیلوی یا ان کے حواریوں میں سے کسی کو اس طویل عرصہ میں علم نہیں ہوسکا۔ بہر حال مولانا سندیلوی نے تو اپنے رسالہ "جواب شافی" میں میرے والد صاحب مرحوم کے اکابر علماء دیوبند کے خلاف مندرجہ فتویٰ کسی اور نیت سے نقل کیا ہے لیکن اس میں یہ پہلو خیر کا نکل آیا کہ جو احباب حضرت والد مرحوم کے آخری دور کے حالات سے واقف نہ تھے وہ بندہ کی پیش کردہ تحریر سے واقف ہو جائیں گے۔ اور مخالفین کے پروپیگنڈے کا انسداد ہو جائے گا۔

خطوط مولانا سندیلوی بنام خادم اہل سنت:

پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی کے ساتھ ایک عرصہ حسن عقیدت کا تعلق رہا ہے اور موصوف کو بھی میرے ساتھ حسن ظن تھا۔ چنانچہ ان

کے خطوط کے بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:

① ۲۸رشوال ۱۳۹۲ھ کے خط میں لکھتے ہیں: اسلام اس وقت جس مصیبت میں گھرا ہوا ہے اور آئندہ جن خطرات کا اسے سامنا ہے۔ان کا احساس رکھنے والے چند گنے چنے لوگ ہیں۔ان میں ایک نمایاں ہستی آنجناب کی ہے۔

② مکتوب محررہ ۲۲؍ربیع الاوّل ۱۳۹۳ھ مطابق ۲۶؍اپریل ۱۹۷۴ء میں فرماتے ہیں: یہ جو کچھ عرض کیا ہے میرا خیال ہے۔آنجناب خود صاحب بصیرت ہیں اور اپنے طریق کار کے متعلق مجھ سے بہتر فیصلہ فرما سکتے ہیں۔ جناب سے ملاقات کا مشتاق ہوں...... حاضر ہونے کی کوشش کروں گا۔اب تک حاضر ہو چکتا مگر حالات نے اجازت نہ دی۔ آئندہ کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔

③ میرے ایک رسالہ ''ہم ماتم کیوں نہیں کرتے'' کے جواب میں شیعوں کی طرف سے ایک کتاب ''فلاح الکونین'' شائع ہوئی تھی۔جس کے جواب میں ایک ضخیم کتاب ''بشارت الدارین'' بندہ نے تصنیف کی ہے۔مولانا سندیلوی موصوف سے میں نے ''فلاح الکونین'' کا جواب لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تو آپ نے اپنے مکتوب محررہ ۱۸؍محرم ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۲؍فروری ۱۹۷۴ء میں تحریر فرمایا کہ میری گزارش کا مقصد یہی تھا کہ آپ کا مخاطب ایسا ہی شخص ہونا چاہیے جو ان کے یہاں علم اور مقتدا ہونے کے لحاظ سے وہی حیثیت رکھتا ہو جو آنجناب کی اہل سنت میں ہے۔

④ میری ایک کتاب بانی جماعت اسلامی مودودی صاحب کے نام ''کھلی چھٹی'' جب مولانا موصوف کی خدمت میں پہنچی تو آپ نے حافظ عبدالوحید صاحب حنفی (دفتر تحریک خدام اہل سنت چکوال) کے نام اپنے عنایت نامہ محررہ ۲۵؍دسمبر ۱۹۷۶ء میں یہ تحریر فرمایا کہ:

کتابچہ ''مودودی کے نام کھلی چٹھی'' موصول ہوا۔ ماشاء اللہ خوب ہے۔مودودی صاحب کے متعلق میری رائے تو ۶؍۷ سال سے یہی ہے کہ یہ بباطن شیعہ ہیں اظہار سنت محض تقیہ ہے جس کا مقصد اہل سنت کو فریب میں مبتلا کر کے گمراہ کرنا ہے۔حضرت قاضی

صاحب کی کتاب مذکور نے مودودی صاحب کی کتاب تقیہ میں کچھ اور سوراخ کر دیئے اور بصیرت رکھنے والوں کو ان کا چہرہ صاف دکھائی دینے لگا۔

مولانا سندیلوی نے میری جس کتاب "کھلی چٹھی" کے بارے میں مندرجہ تعریفی الفاظ لکھے ہیں اسی کتاب میں مودودی صاحب سے میں نے یہ بھی سوال کیا ہے کہ: کیا محمود احمد عباسی مصنف خلافت معاویہ و یزید کی پارٹی کے افراد اپنے مسلک پر قائم رہ کر آپ کی جماعت اسلامی کے رکن بن سکتے ہیں جن کا نظریہ یہ ہے کہ یزید برحق خلیفہ تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اس کے خلاف خروج ناجائز تھا۔ (ص ۵۰)

یہاں میں نے محمود احمد صاحب عباسی اور ان کی پارٹی کا عقیدہ لکھ دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ کیا مولانا سندیلوی کا بھی حسین رضی اللہ عنہ و یزید کے بارے میں یہی عقیدہ ہے یا کچھ اختلاف ہے؟ اگر اختلاف نہیں ہے تو سوال یہ ہے کہ میری تحریر سے تو یہ لازم آتا ہے کہ اس عقیدہ کو میں غلط سمجھتا ہوں تو پھر آپ نے میری "کھلی چٹھی" کی ان الفاظ سے کس وجہ سے تحسین کی ہے کہ "ماشاء اللہ خوب ہے" اور اگر عباسی صاحب کے مندرجہ نظریہ سے آپ کو اختلاف ہے تو اس اختلاف کی نوعیت بھی بیان فرمائیں؟

مولانا سندیلوی اور مولوی عظیم الدین:

مولانا سندیلوی بعنوان عجیب کاروائی لکھتے ہیں کہ:

"میرے اوپر اعتراضات کا سلسلہ زیر نظر کتابچہ کے ص ۳۷ سے شروع اور ۳۹ پر ختم ہوتا ہے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب قاضی صاحب کے پیش نظر میری کتاب سے زیادہ میری شخصیت کو مجروح کرنا ہے اس کے لیے انہوں نے جو کاروائی کی ہے وہ عجیب بھی ہے اور افسوسناک بھی۔ انہوں نے کتاب کے ص ۲۴ پر "پاکستان میں خارجیت" کا عنوان قائم کیا۔ اور اس کے ماتحت محمود احمد صاحب عباسی اور ان کے بعض متبعین کے جن میں ایک مولوی عظیم الدین صاحب ہیں۔ اقوال نقل کیے ہیں۔ اس کے بعد تحریر فرمایا:

"جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے ایک استاذ مولانا محمد اسحاق صاحب

سندیلوی صدیقی ہیں جو غالباً استاذ ہیں مولوی عظیم الدین صاحب کے"۔

قاضی صاحب نے مولوی صاحب موصوف کے اقوال وافکار کی نسبت میری طرف کرنے کے لیے یہ غلط بیانی کی کہ میں ان کا استاذ ہوں حالانکہ میں ۱۹۷۰ء میں پاکستان آیا ہوں اس سے پہلے میں لکھنو (بھارت میں رہا) مولوی عظیم الدین صاحب اس سے پہلے ہی مدرسہ سے فارغ ہو چکے تھے انہوں نے ایک سطر بھی مجھ سے نہیں پڑھی۔ قاضی صاحب نے "غالباً" کی آڑ میں یہ غلط بیانی دراصل اس لیے کی کہ ایک اور غلط بیانی کر سکیں۔

چنانچہ مولوی صاحب موصوف اور بعض دوسرے اشخاص کا نام لکھ کر قاضی صاحب فرماتے ہیں: اور مولانا محمد اسحٰق موصوف تقریباً بات انہی کی کرتے ہیں لیکن لہجہ کچھ نرم اختیار کرتے ہیں۔ پھر ص ۳۸ پر اپنی تدبیر کی تکمیل کے لیے لکھتے ہیں "یہاں اس خارجی فتنہ کے متعلق تفصیل کی گنجائش نہیں" اس ہیر پھیر سے قاضی صاحب کا مقصد قاری کے ذہن کو غلط راستہ پر ڈالنا ہے وہ مجھ پر خارجیت کا غلط الزام لگانا چاہتے ہیں مگر ثبوت سے تہی دست ہیں۔ نیز خود بھی اس الزام کو غلط سمجھتے ہیں اس لیے صاف صاف لکھنے کی جرأت نہیں کرتے بلکہ قاری کو چکر دے کر اس منزل تک لے جانا چاہتے ہیں ان کا مقصد یہ ہے کہ الزام لگانے کی نسبت بھی ان کی طرف نہ ہو اور ان کا مضمون پڑھنے والا خود ہی یہ الزام لگا دے گویا "رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی" ان کی ہوشیاری کی داد تو مودودی صاحب کا جانشین ہی دے سکتا ہے اہل حق کے نزدیک یہ مغالطہ انگیز طریقہ کسی طرح مناسب اور اہل علم کے شایان شان نہیں۔ اگر ان کا مقصد قاری کو غلط تاثر دینا نہ ہوتا تو سیدھا راستہ اختیار کرتے اور میرے اوپر جو اعتراضات انہیں کرنے تھے وہ علیحدہ کسی مناسب اور مستقل عنوان کے ماتحت لکھتے۔ قاضی صاحب کا فقرہ "تقریباً بات انہیں کی کرتے ہیں" ایک معمے سے کم نہیں۔ الخ (جواب شافی، ص ۷)

الجواب:

① مولانا سندیلوی کے الفاظ: جناب قاضی صاحب کے پیش نظر میری کتاب سے

زیادہ میری شخصیت کو مجروح کرنا ہے۔ سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے پیش نظر مسلکی وقار سے زیادہ اپنے شخصی وقار کو بچانا ہے۔ لیکن میری گزارش یہ ہے کہ آپ شخصی وقار کو اس وقت نظر انداز کرتے ہوئے مسلک اہل سنت والجماعت کو بچانے کی صحیح کوشش فرمائیں جس پر چاروں طرف سے حملے ہو رہے ہیں۔

④ استادی شاگردی کے بارے میں اگر میں نے دانستہ غلط بیانی سے کام لینا ہوتا تو میں اپنی تحریر میں ''غالباً'' کا لفظ کیوں استعمال کرتا۔ میں نے یہ قیاساً سمجھا تھا کیونکہ مولوی عظیم الدین صاحب کی کتاب ''حیات سیدنا یزید'' کے سرورق پر یہ لکھا ہوا ہے۔ مولف ابوالحسین محمد عظیم الدین صدیقی فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی نمبر ۵۔ اور اسی جامعۃ الاسلامیہ کے استاذ آپ بھی ہیں۔ اور یزید کو آپ بھی صالح اور عادل مانتے ہیں اور مولوی عظیم الدین صاحب کا مشن بھی یہی ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے مولوی عظیم الدین صاحب کے کتابچہ ''حادثہ کربلا'' پر حسب ذیل الفاظ میں تقریظ بھی لکھی ہے۔

مولانا ابوالحسین محمد عظیم الدین صاحب کا رسالہ ''حادثہ کربلا'' میں نے دیکھا۔ ماشاء اللہ بہت مفید اور نافع ہے۔ اہل سنت کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے تاکہ سبائی دروغ بافیوں نے جو طلسم تیار کیا ہے وہ شکست ہو اور ان کی آنکھیں کھلیں۔ فقط احقر محمد اسحٰق صدیقی عفا اللہ عنہ ۲۶ رصفر ۱۳۹۵ھ۔ ۹ / مارچ ۱۹۷۵ء۔

اس رسالہ میں مولوی عظیم الدین صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام پر بجائے (رضی اللہ عنہ) کے (رحمہ اللہ) کی نشانی لکھی ہے کیونکہ وہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو صحابی نہیں تسلیم کرتے۔ اس کے (ص ٦) پر لکھتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد میں حالات نے اسلامی غزوات وفتوحات کی بجائے خانہ جنگی اور طوائف الملوکی کا رخ اختیار کر لیا۔ چنانچہ جمل، صفین اور نہروان نامی تین خطرناک اور اہل اسلام کے لیے تباہ کن جنگیں ہوئیں جن میں ایک لاکھ کے قریب مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں قتل ہو گئے بالآخر حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے ہی گروہ کے عبدالرحمن بن ملجم نامی برادر کشی سے تنگ آئے ہوئے ایک شخص کے قاتلانہ حملہ سے شہید ہو گئے''۔

اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور شخصیت کو مجروح کرنے کی کوشش کی گئی ہے اگرچہ جنگ جمل وصفین کی نوعیت تو اور ہے لیکن جنگ نہروان تو خارجیوں کے خلاف لڑی گئی تھی جس میں تمام صحابہ کرام حضرت علی رضی اللہ عنہ سے متفق تھے۔ علاوہ ازیں حضرت علی المرتضیٰ کا قاتل ابن ملجم خارجی تھا جس کو مولوی عظیم الدین صاحب نے برادر کشی سے تنگ آیا ہوا ایک شخص ظاہر کیا ہے۔

سبائی گروہ کے متعلق لکھتے ہیں: جن کی عیارانہ فریب کاری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مدینۃ الرسول چھڑوایا۔ جن کی اسلام دشمن پالیسیوں نے جمل وصفین ونہروان جیسی مسلمان کش جنگیں برپا کرائیں اور جن کی بدفطرتی و بدقماشی سے آخر کار جناب سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بھولے بھالے اور قابل احترام صحابی کو اپنی انتقامی ہوس کا نشانہ بنایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے ''بھولے بھالے'' کے الفاظ لکھے گئے ہیں۔ کیا سندیلوی صاحب نہیں جانتے کہ آج کل عام محاورہ میں بھولا بھالا کس کو کہا جاتا ہے؟ حضرت علی المرتضیٰ تو قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھے خلیفہ راشد ہیں۔ کیا اللہ تعالیٰ نے ایک بھولے بھالے صحابی کو ہی خلیفہ راشد بنانا تھا۔ اور کیا آپ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھولا بھالا قرار دینا برداشت کرسکتے ہیں؟

اس رسالہ کے (ص ۱۵) پر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عمرو بن سعد شمر ذی الجوشن وغیرہ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی حفاظت کرنے والے تھے۔ اور آپ کو قتل کرنے والے وہ کوفی نہیں ہیں جو سرکاری لشکر میں تھے۔ بلکہ آپ کو ان سائٹھ کوفیوں نے شہید کیا ہے جو آپ کے قافلہ میں شریک تھے''۔

انا للہ وانا الیہ راجعون یہ کتنا بڑا جھوٹا افسانہ ہے جو محض اس لیے بنایا گیا ہے کہ یزید پر اس پہلو سے بھی کوئی الزام نہ عائد ہوسکے کہ یزیدی لشکر کے حملہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ شہید ہوئے ہیں۔

اور اس کتابچہ کی تائید مولانا سندیلوی کر رہے ہیں جن کے نام کے ساتھ امام اہل سنت، مفکر اسلام اور سابق شیخ الحدیث و مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو لکھا جاتا ہے۔ حالانکہ علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یزید کے خلاف لکھا ہے چنانچہ ان کی ایک عبارت سیرت النبی کے حوالہ سے گزشتہ صفحات میں پیش کر چکا ہوں۔

عباسی کی تحقیق:

محمود احمد صاحب عباسی جو اس دور میں تحریک یزیدیت کے بانی ہیں۔ ان کا بیان بھی مولوی عظیم الدین صاحب کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں:

برادران مسلم اور ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا فوجی دستہ کے سپاہیوں پر عاقبت نا اندیشانہ اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ حزن انگیز یکایک اور غیر متوقع پیش آ کر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم، ص ۲۵۰)

اس سے معلوم ہوا کہ ساٹھ پینسٹھ کوفیوں کا حملہ حسینی قافلہ پر نہیں ہوا۔ بلکہ انہوں نے فریق مخالف یعنی یزیدی لشکر پر حملہ کیا تھا۔

زیر بحث رسالہ: ''حادثہ کربلا'' کے مصنف مولوی عظیم الدین صاحب نے اپنی کتاب بنام ''حیات سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ'' لکھی ہے جس پر میں نے اپنے رسالہ ''دفاع صحابہ'' میں سخت تنقید کی ہے۔ اس رسالہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصنف موصوف نے خلیفہ راشد نہیں قرار دیا۔ لیکن اس کے ص ۳ پر محمد انیس صاحب کی جو نظم درج کی گئی ہے اس میں یزید کی خلافت کو خلافت راشدہ کہا گیا ہے۔ چنانچہ پہلا شعر یہ ہے:

ہر آن رہبر تھی ہدایت یزید کی
کیوں راشدہ نہ ہوگی خلافت یزید کی

اس قسم کے کتابچوں سے میں نے یہ قیاس کیا تھا کہ چونکہ مولانا سندیلوی بھی یزید کو صالح اور عادل خلیفہ مانتے ہیں اس لیے مولوی عظیم الدین صاحب کو بھی غالباً انہی سے یہ فیض ملا ہوگا۔ لیکن مولانا سندیلوی کے بیان سے معلوم ہوا کہ مولوی عظیم الدین صاحب

ان کے آنے سے پہلے ہی جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن سے فارغ التحصیل ہو چکے تھے۔ لہٰذا بندہ اس غلطی پر معذرت خواہ ہے لیکن یزیدیت کے مسئلہ پر نظریاتی طور پر تو مولوی عظیم الدین صاحب کو مولانا سندیلوی کا شاگرد کہا جاسکتا ہے۔ البتہ یہ جدا امر ہے کہ شاگرد استاذ سے بھی بڑھ جائے۔

محمود احمد عباسی کے تلامذہ:

اس حقیقت سے تو انکار نہیں ہوسکتا کہ پاک و ہند میں تحریک یزیدیت کے بانی اور قافلہ سالار محمود احمد صاحب عباسی مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' ہیں۔ عباسی صاحب سے سب سے زیادہ فیض پانے والے شاگرد کراچی کے عزیر احمد صاحب صدیقی ہیں۔ ان کی تصانیف مکتبہ جاء الحق کراچی سے شائع ہوتی ہیں۔ ان کے ایک رسالہ'' قرآن اور مسلمان'' (ص ۱۵) ''شکرانہ توفیق'' کے تحت لکھا ہے کہ:

اللہ عزوجل کا لاکھ لاکھ احسان ہے جس نے پاکستان میں علامہ محمود احمد عباسی کو ۸۰،۷۰ سال کی عمر میں تاریخ اسلام کے چہرے سے گندگی کا گرد و غبار دُور کرنے اور معصیت کے داغ دھبے دور کرنے کی توفیق بخشی۔ موصوف نے پندرہ سال کے عرصے میں نہ صرف خلافت معاویہ و یزید۔ تحقیق مزید۔ حقیقت سید و سادات۔ حقیقت خلافت و ملوکیت۔ مقتل حسین اور ام ہانی جیسی ایمان افروز تخلیقات پیش کیں بلکہ اپنے شاگردوں کا بڑا حلقہ تیار کر دیا جس نے تحقیق و تردید سبائیت و باطنیت کو اپنا مقصد زندگی بنالیا۔ جن میں حسب ذیل قابل ذکر ہیں ① عزیر احمد صدیقی ② محمد سلطان نظامی لاہور ③ ابو یزید بٹ لاہور تالیفات رشید بن رشید وغیرہ ④ حکیم فیض عالم صدیقی جہلم ⑤ ایم جے آغا مؤلف ''خدا پرستی سے انسان پرستی'' تک وغیرہ ⑥ مولوی محمد اسحٰق صدیقی ندوی کراچی مؤلف اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت ۲ جلد، اسلامی ذہن وغیرہ ⑦ ثناء الحق صدیقی کراچی ⑧ مولوی عظیم الدین صدیقی، تالیفات علی مرتضیٰ، حادثہ کربلا، امیر المومنین یزید وغیرہ۔

جب کراچی سے شائع شدہ کتابوں میں محمود احمد صاحب کے تلامذہ میں مولانا محمد

اسحٰق سندیلوی مؤلف اظہار حقیقت کا نام بھی پایا جاتا ہے تو پھر ہم اگر یہ سمجھیں کہ مولانا بھی اس گروہ کے ایک فرد ہیں تو مولانا کو زیادہ چیں بجبیں نہیں ہونا چاہیے۔

کیا پاکستان میں خارجیت وناصبیت کا وجود ہے؟

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی موصوف اپنی کتاب ''اظہار حقیقت'' جلد اوّل ص۲۰ پر لکھتے ہیں: اگر اس سے مراد نواصب وخوارج ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان وہندوستان میں نہیں ہے نہ آج تک ان ملکوں میں ایسی کتاب کا نام سنا گیا ہے جس میں ناصبیت وخارجیت کی ترجمانی کی گئی ہو۔

اور یہی محقق سندیلوی اپنے تحقیق نامہ محررہ یکم رجب ۱۳۹۵ھ ۱۲/جولائی ۱۹۷۵ء بنام حافظ عبدالوحید صاحب حنفی (چکوال) فرماتے ہیں:

مزید یہ کہ عباسی تحریک نامی کسی چیز کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں۔ سرپرستی کا کیا سوال؟ جو قابل اعتراض چیزیں ان کے یہاں پائی جاتی ہیں وہ ان کے ذاتی خیالات تھے جن کا تعدیہ قلیل بمنزلہ معدوم ہوا۔ اور ان کے انتقال کے بعد تو وہ کالمعدوم بھی معدوم ہوگیا۔ بعض ایسے لوگ بھی موجود ہیں جن کے یہاں اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض افکار پائے جاتے ہیں مگر وہ خودرو ہیں عباسی صاحب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے۔

مولانا سندیلوی کی غلط بیانیاں:

زیر بحث موضوع سے واقفیت رکھنے والے علماء اور تعلیم یافتہ افراد عموماً جانتے ہیں کہ عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کا لٹریچر ملک بھر میں پھیل رہا ہے۔ عزیر احمد صاحب صدیقی کے رسالہ ''قرآن اور اسلام'' کی عبارت بھی اوپر نقل کردی ہے جس میں مولانا محمد اسحٰق صاحب صدیقی سمیت پارٹی کے مصنفین اور ان کی تصانیف کے نام لکھے ہیں۔ عباسی لٹریچر میں ناصبیت بھی ہے اور خارجیت بھی۔ بلکہ بعض کتابوں پر تو واضح طور پر ناصبی سلسلہ اشاعت لکھا ہوا ہے اور عزیر احمد صدیقی کی کتاب ''سبائی سبز باغ'' صفحات ۲۹۶ کے ٹائیٹل پر یہ الفاظ لکھے ہیں:

''ناصبی بھائیوں اور ٹھیٹ مسلمانوں کے مطالعہ کے لیے''

اور ص ۳ پر فہرست سے پہلے بعنوان طبع ثانی کی ضرورت لکھا ہے کہ ناصبی بھائیوں کے بے حد اصرار پر مجھے اس کتاب پر نظر ثانی کرنی پڑی۔ اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۶۵ء میں اور دوسرا ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا ہے لیکن محقق مولانا سندیلوی صاحب فرمارہے ہیں کہ ''پاک و ہند میں ناصبیت کا وجود ہی نہیں'' ناظرین خود ہی فیصلہ فرمائیں کہ مولانا سندیلوی جھوٹ بول رہے ہیں۔ تقیہ کر رہے ہیں یا ناواقف ہیں؟ اگر جھوٹ اور تقیہ پر عمل فرماہیں تو انہی میں سے ہیں اور اگر فی الواقع کراچی میں رہتے ہوئے کراچی کے ناصبی لٹریچر اور اس کے مصنفین سے ناواقف ہیں تو پھر ایسے بھولے بھالے اور غافل عالم دین کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ صدیوں پہلے کے واقعات پر تبصرہ کریں۔ جو شخص کراچی کے حالات نہیں جانتا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے واقعات سے کیونکر واقف ہوسکتا ہے؟ عبرت، عبرت۔ علاوہ ازیں ہم پوچھتے ہیں کہ وہ خود رو مصنفین کون ہیں جن کے یہاں اس سے بھی زیادہ قابل اعتراض افکار پائے جاتے ہیں لیکن ان کا عباسی صاحب سے بھی تعلق نہیں ہے؟

کیا مولانا سندیلوی ایسے خودرو افراد کو بھی ناصبی یا خارجی قرار نہیں دیتے جن کے افکار زیادہ قابل اعتراض ہیں۔ اگر جواب نفی میں ہے تو فرمائیے انہیں کس فرقہ میں شمار کریں گے اور اگر جواب اثبات میں ہے تو نواصب اور خوارج کا وجود ثابت ہوگیا۔

مولانا سندیلوی نے عبداللہ بن سبا کے متعلق لکھا ہے کہ: یہ ایک یہودی تھا جس کے سینہ میں اسلام کی دشمنی اور عداوت کے شعلے بھڑک رہے تھے از راہ نفاق اس نے مسلمان ہونے کا اظہار کیا اور مسلمان بن کر مذہب شیعہ کی بنیاد ڈالی جس کی خشت اول صحابہ کرام سے دشمنی اور عداوت تھی۔ مسلمانوں کو دینی و دنیوی نقصان پہنچانے کے لیے اسے بھی وہی تدبیریں پسند آئیں جو اس کے پیشرو عبداللہ بن اُبی ابن سلول اور اس کی پارٹی نے ایجاد کی تھیں۔ ان میں سب سے زیادہ موثر صحابہ کرام کی تذلیل و تنقیص نظر آئی۔ اس نے اس پر سب سے زیادہ زور دیا اور اس بنیاد پر ایک پورے مذہب سبائیت کی عمارت تیار کر دی۔

سبائیت شیعیت کی صورت میں نمایاں ہوئی لیکن فتنہ انگیزی کی ضرورت پڑنے پر اس نے خارجیت کا لباس بھی پہن لیا۔ موقع آیا تو اعتزال کی عبا میں رفض کو پنہاں کیا کبھی باطنیت کا خرقہ پہن کر خانقاہوں کے ذریعہ ظلمت وضلال پھیلانے کی کوشش کی۔ ابن سبا کے بعد مختلف ادوار میں اس پارٹی میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہے جو اپنے ماحول کے لحاظ سے اس فتنہ کی تجدید وتقویت کرتے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ فتنہ آج تک باقی ہے...... موجودہ دور میں بھی ایسے اشخاص موجود ہیں جنہیں فتنہ سبائیت کا مجدد کہا جاسکتا ہے۔ مشہور ملحد ڈاکٹر طٰہٰ حسین اور فجر الاسلام کے مصنف ڈاکٹر احمد امین اور سید قطب کے نام اس سلسلہ میں قابل ذکر ہیں۔ جنہوں نے جدید اسلوب اختیار کر کے عربی زبان میں سبائیت کی خوب خوب وکالت کی ہے۔ اردو میں لکھنے والوں میں بھی اس قسم کے مصنفین موجود ہیں جن میں نمایاں اور مشہور شخصیت مولوی سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی امیر جماعت اسلامی پاکستان کی ہے۔ موصوف کے متعلق اہل بصیرت تو بہت دن سے سمجھ گئے تھے کہ سبائیت کے جراثیم کی خاصی تعداد موصوف کے دل ودماغ پر قابض ومتصرف ہے اور انہیں عظمت صحابہ سے بالکل خالی کر چکی ہے لیکن موصوف کی تازہ تالیف ''خلافت وملوکیت'' نے تو نقاب تقیہ کو بالکل ہی پارہ پارہ کر کے موصوف کی سبائیت کو الم نشرح کر دیا ہے۔ بلکہ کتاب میں جس خوبصورتی اور سلیقہ کے ساتھ سبائیت کے تلخ زہر کو شیریں بنا کر واقفوں کے حلق سے اتارنے کی کوشش کی گئی ہے اس کی داد نہ دینا ناانصافی ہوگی اور اسے دیکھ کر اس کا قائل ہونا پڑتا ہے کہ موصوف بلاشبہ سبائیت کے مجدد کے مرتبہ پر فائز ہیں۔

(اظہار حقیقت جلد اول ص ۱۳ تا ۱۵)

یہاں ''اظہار حقیقت'' سے جو ضروری اقتباسات درج کئے گئے ہیں یہی الفاظ مولانا سندیلوی کے رسالہ ''تجدید سبائیت'' (۱۶ تا ۱۸) میں ہیں۔ سبائیت کے متعلق مولانا موصوف کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے کہ خارجیت بھی سبائیت ہی کا ایک روپ ہے اور دونوں کا مقصد صحابہ کرام کی تذلیل وتنقیص ہی ہے۔ اور سبائیت کا فتنہ آج تک باقی ہے۔ علاوہ ازیں اظہار حقیقت جلد دوم ۲۵۸ پر بھی موصوف نے یہ فرمایا ہے کہ ''گروہ خوارج

میں بھی سبائیہ ہی کی ایک شاخ ہے دوسری شاخ کا نام شیعہ ہے۔ ابتداءً سب کا لقب شیعانِ علی رضی اللہ عنہ تھا ان کا جو گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ہوگیا اس کا نام خوارج پڑ گیا۔ دونوں کی اصل ایک ہی ہے اور بقول کسے دونوں ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔"

جب مولانا موصوف یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ شیعیت اور خارجیت، سبائیت ہی کی دو شاخیں ہیں اور سبائیت کا فتنہ آج تک باقی ہے تو پھر وہ پاکستان اور ہندوستان میں ناصبیت اور خارجیت کے وجود کی نفی کس بنا پر کر رہے ہیں؟ حالانکہ سبائیت ہر روپ میں جلوہ گر ہوتی ہے خواہ خلفائے ثلثہ کی تذلیل وتنقیص کا مشن ظاہر کریں اور خواہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین وتذلیل کا۔

ناصبی اور خارجی:

ناصبی اور خارجی دو علمی اصطلاحیں ہیں۔ عموماً ناصبی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، امام حسین رضی اللہ عنہ، امام حسن اور حضرت فاطمۃ الزہراء یعنی اہل بیت کی توہین کرتے ہیں اور خارجی ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کے علاوہ حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہم کی بھی تکفیر کرتے ہیں۔ لیکن سبائیت چونکہ مختلف روپ اختیار کرتی رہتی ہے اس لیے دور حاضر میں انہوں نے از روئے تقیہ اپنا نظریہ کچھ تبدیل کرلیا ہے یہ لوگ بظاہر حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تو پرزور تائید کرتے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بھی بظاہر تکفیر نہیں کرتے لیکن ان کی شخصیت اور خلافت کو مختلف طریقوں سے مجروح کرکے سبائیت کے مشن کی ہی تکمیل کرتے ہیں اور اب تو شیعہ بھی عموماً حالات زمانہ کے تحت حضرات خلفائے ثلثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان ذوالنورین کو بظاہر کافر نہیں قرار دیتے۔ حالانکہ شیعہ عقیدہ امامت کی بنا پر العیاذ باللہ ہر وہ شخص کافر قرار پاتا ہے جو حضرت علی المرتضیٰ کو پہلا امام اور خلیفہ نہیں مانتا کیونکہ ان کے نزدیک منصب امامت منصب نبوت سے افضل ہے اور ائمہ اثناعشر بذریعہ وحی منصوص امام ہیں۔ ان حالات میں شیعہ صرف

اس شخص کو نہیں کہا جائے گا جو حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت راشدہ کا انکار اور ان حضرات کی تکفیر کرتا ہے۔ بلکہ ہر وہ شخص شیعہ قرار دیا جائے گا جو ان حضرات اور دیگر صحابہ کرام اور امہات المومنین کی توہین وتحقیر کرتا ہے اور اسی بنا پر مولانا سندیلوی نے ابوالاعلیٰ مودودی کو شیعہ اور مجدد سبائیت قرار دیا ہے حالانکہ وہ خلفائے ثلثہ کو خلفائے راشدین تسلیم کرتے ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت فاروق اعظم کو بظاہر انہوں نے اپنی تنقید کا نشانہ بھی نہیں بنایا بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے بھی مدحیہ کلمات استعمال کئے ہیں۔ تو جس اصول کی بنا پر مولانا سندیلوی کے نزدیک مودودی صاحب یا سید قطب مصری وغیرہ شیعہ اور سبائی ایجنٹ ہیں اسی بنا پر ان لوگوں کو خارجی کہنا صحیح ہے جو تکفیر تو نہیں کرتے لیکن حضرت علی المرتضٰی اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کی توہین وتحقیر کرتے ہیں خواہ وہ محمود احمد صاحب عباسی ہوں یا مولوی عظیم الدین اور حکیم فیض عالم صاحب جہلمی وغیرہ۔

حضرت مجدد الف ثانی کے نزدیک خارجی کون ہیں:

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

عدم محبت اہل بیت خروج است وتبری از اصحاب رفض ومحبت اہل بیت باتعظیم وتوقیر جمیع اصحاب کرام تسنن (مکتوبات امام ربانی جلد دوم)

ترجمہ: (اہل بیت کی محبت کا نہ ہونا خارجیت ہے اور اصحاب سے بیزاری اور مخالفت رفض وشیعیت، اور محبت اہل بیت باوجود تمام اصحاب کی تعظیم وتوقیر سنیت ہے)

نیز فرماتے ہیں: پس محبت حضرت امیر شرط تسنن آمد وآنکہ ایں محبت ندارد از اہل سنت خارج گشت وخارجی نام یافت (مکتوبات جلد دوم)

ترجمہ: ''اہل سنت ہونے کے لیے حضرت امیر یعنی حضرت علی المرتضٰی کی محبت شرط ہے اور جو شخص یہ محبت نہیں رکھتا وہ اصل سنت سے خارج ہو گیا اور خارجی نام پایا۔''

کیا محمود احمد عباسی خارجی ہیں:

① عباسی صاحب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: دشمنان دین اور کفار سے تیغ آزمائی کرنے کے بجائے طلب وحصول خلافت کی غرض سے تلوار اٹھائی گئی تھی۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

مقاتلات وی ❶ (علی رضی اللہ عنہ) برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام۔

(ازالۃ الخفاء ج۱، ص۲۷۷، سطر ۲۰)

ترجمہ: ''علی رضی اللہ عنہ کی لڑائیاں (مقاتلات) تو (بعد شہادت عثمان) اپنی خلافت کی طلب وحصول کے لیے تھیں نہ باغراض اسلام۔ شاہ صاحب کے اس خیال کی تائید ایک آزاد نگار مستشرق کے بیان سے ہوتی ہے۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ بعنوان ''خلافت'' میں یہ لکھتے ہوئے کہ: بلوائیوں کے جم غفیر نے (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کو زمام خلافت ہاتھ میں لے لینے کے لیے بلایا اور طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کو ان کی بیعت کے لیے مجبور کیا...... کہا ہے کہ حقیقت نفس الامر یہ ہے کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو (خلیفہ شہید کی) جانشینی کا استحقاق واقعتاً حاصل نہ تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی واضح ہے کہ تقدس و پارسائی کا جذبہ تو ان کے (طلب خلافت میں) کارفرما نہ تھا بلکہ حصول اقتدار اور حبّ جاہ کی ترغیب تھی۔ اس لیے معاملہ فہم لوگوں نے اگرچہ وہ (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے طرز حکمرانی کی مذمت کرتے تھے علی رضی اللہ عنہ کو ان کا جانشین تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، گیارہواں ایڈیشن ج ۵، ص۲۰)

تبصرہ:

① عباسی صاحب نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت: مقاتلات وی برائے طلب خلافت بود نہ بجہت اسلام (ازالۃ الخفاء مترجم حصہ دوم فصل ہفتم ص ۳۹۸)

---

❶ عباسی صاحب نے یہی عبارت ومقاتلات وے الخ تحقیق مزید ص ۱۱۷ ص ۱۵۸ پر بھی پیش کی ہے۔

کا مطلب غلط بیان کر کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تنقیص و تحقیر کی ہے۔ حالانکہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کفار اور مرتدین سے جنگ نہیں کی جو کفر و اسلام کی بنا پر ہوتی ہے بلکہ آپ کی جنگ اہل اسلام سے ہوئی تھی جس کا مقصد اپنی خلافت کا دفاع و استحکام تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کا مقصد صرف اپنی خلافت کا استحکام تھا نہ کہ اسلام کیونکہ آپ کی خلافت دین اسلام کی ہی خلافتِ راشدہ تھی، نہ کہ خلاف اسلام۔ اور حضرت شاہ صاحب یہاں شیعہ عقیدہ امامت کا ابطال کرتے ہوئے حضرات خلفائے ثلٰثہ کی خلافت کو بعض آیاتِ قرآنیہ سے ثابت کر رہے ہیں جن میں یہ آیت دعوت اعراب بھی ہے۔

قُلْ للمخلفين من الاعراب ستدعون الى قومٍ اولى باسٍ شديد تقاتلونهم او يسلمون فان تطيعوا يؤتكم الله اجرًا حسنًا وان تتولوا كما توليتم من قبل يعذبكم عذابا اليمًا.

"آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے کہہ دیجیے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں (سے لڑنے) کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع (اسلام) ہو جائیں، سو اگر تم اطاعت کرو گے تو تم کو اللہ تعالیٰ نیک عوض (یعنی جنت) دے گا اور اگر تم (اس وقت بھی) روگردانی کرو گے جیسا کہ اس سے قبل روگردانی کر چکے ہو تو وہ دردناک عذاب کی سزا دے گا۔" [الفتح:١٦]

یہ اعراب (دیہاتیوں) کو دعوت دینے والے کون ہونگے جن کے متعلق ان آیات میں پیشگوئی فرمائی گئی ہے؟ اس کی مراد کی تعیین کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "اور دعوت ان احتمالات سے باہر نہیں کہ یہ داعی (یعنی جہاد کے لیے بلانے والے) یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے یا خلفائے ثلٰثہ یا حضرت مرتضیٰ یا بنی امیہ یا بنی عباس اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً داعی نہیں تھے...... (کیونکہ) آپ نے اعراب میں سے کسی کو دعوت نہیں دی۔ اور نہ وہ داعی حضرت مرتضیٰ تھے کیونکہ آپ کے مقاتلات طلب خلافت کے

لیے ہوئے جہت اسلام سے نہیں اور تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْيُسْلِمُوْنَ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قتال کفار کے ساتھ اسلام کی طرف دعوت کے لیے ہوگا اور بنوامیہ اور بنوعباس نے اَعراب حجاز کو کفار سے قتال کے لیے کبھی دعوت نہیں دی یہ بات تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے اور صدیق اکبر کی دعوت اہل شام وعراق سے قتال کے لیے تھی اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی دعوت بھی عراق اور شام اور مصر سے قتال کے لیے تھی اور ذی النورین کی دعوت اہل خراسان وافریقہ ومغرب سے قتال کے لیے واقع ہوئی جیسا کہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے تو ان کی دعوت کی تکمیل کرنا واجب تھا اور یہ صفت خلیفہ برحق کی ہے اور جب ان کی حقیقت روم وعجم سے جہاد کے لیے دعوت دینے میں ظاہر ہوگئی تو ان کے تمام احکام واجب الامتثال ہونگے۔ (ایضاً ازالۃ الخفاء ص ۳۹۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی اس پیشگوئی کا مصداق صرف خلفائے ثلثہ ہیں کیونکہ انہوں نے ہی شام وعراق اور مصر وغیرہ کے سخت جنگجو کفار سے قتال کرنے کے لیے اعراب (دیہاتیوں) کو دعوت دی ہے۔ یہ دعوت دینے والے نہ حضرت علی المرتضیٰ ہوسکتے ہیں نہ بنی امیہ اور نہ ہی بنی عباس بلکہ یہ دعوت دینے والے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہیں ہیں کیونکہ یہ واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے ہیں۔

② ہم پوچھتے ہیں کہ اس آیت کا مصداق نہ ہونے کی وجہ سے اگر یہ لازم آتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسلام کے لیے نہ تھی تو پھر عباسی صاحب اور ان کے گروہ کو یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ بنی امیہ اور بنی عباس کی خلافتیں بھی اسلام کے لیے نہ تھیں کیونکہ وہ بھی اس پیشگوئی کا مصداق نہیں ہیں۔

③ حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو راشدہ قرار دیتے ہیں اسی لیے ان حضرات کو باغی قرار دیتے ہیں جنہوں نے حضرت مرتضیٰ سے جنگ کی تھی چنانچہ اس کے بعد آیت قتال مرتدین کا مصداق بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اور یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں ظاہر نہیں ہوئی کیونکہ اسود عنسی نے خروج نہیں کیا تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف لشکر روانہ نہیں کیا تھا اور نہ حضرت

مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں، کیونکہ ان کو قتال کا اتفاق باغیوں اور خارجیوں کے ساتھ ہوا ہے نہ کہ مرتدین کے ساتھ۔ اور خلفائے بنی عباس و بنی امیہ نے بھی مرتدین کی کسی جماعت سے بطریق فوج کشی قتال نہیں کیا اور فحوائے آیت سے لوگوں کا جمع ہونا اور قتال کا قائم ہونا مفہوم ہو رہا ہے تو متعین ہو گیا کہ جن لوگوں کا وصف اس آیت میں مذکور ہے وہ صدیق اور فاروق اور ان کے لشکر تھے۔ الخ (ایضاً فصل ہفتم ص ۳۹۹) یہاں حضرت شاہ صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت علی المرتضٰی نے اپنے دورِ خلافت میں جو جنگیں کی ہیں وہ باغیوں اور خارجیوں کے مقابلہ میں تھیں۔ لیکن یہاں یہ ملحوظ رہے کہ چونکہ حضرت علی المرتضٰی سے جنگ کرنے والے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ اصحاب کرام تھے اور ان کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اس لیے ان کو صورتاً باغی کہا جائے گا نہ کہ حقیقتاً۔ اور خطائے اجتہادی کی بحث ان شاء اللہ تعالیٰ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے نظریات کی بحث میں آئے گی۔ یہاں اس امر کی ضرورت نہیں۔ بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ عباسی صاحب نے محض حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مجروح کرنے کے لیے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت کا مفہوم غلط پیش کیا ہے جو ان کی صریح علمی خیانت ہے نہ کہ تحقیق و ریسرچ۔

عباسی کا محدث دہلوی رحمہ اللہ پر اتہام:

عباسی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ حضرت علی کو مستحق خلافت جانتے ہیں مگر ساتھ یہ کہتے ہیں کہ خلافت ان کی عملاً و فعلاً قائم نہیں ہوئی۔ دوسری جگہ کہتے ہیں کہ:

انعقاد بیعت برائے او وجوب انعقاد رعیت فی حکم اللہ بہ نسبت او متمکن نہ شد در خلافت و در اقطار ارض حکم او نافذ نہ گشت و تمامہ مسلمین تحت حکم او سر فرود نیاوردند جہاد در زمان وی رضی اللہ عنہ بالکلیہ منقطع شد و افتراق کلمہ مسلمین بظہور پیوست و اختلاف ایشاں رخت بعدم کشید (جلد اول ص ۱۲۲) (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۶ طبع چہارم)

یہاں بھی عباسی صاحب نے اپنی فنکاری سے کام لے کر خود ساختہ نظریہ کو حضرت شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا ہے کہ حضرت علی کی خلافت قائم نہیں ہوئی اور علمی خیانت یہ کی ہے کہ مندرجہ عبارت کا ابتدائی حصہ نہیں لکھا جس سے اصل مطلب ثابت ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ حصہ عبارت کا یہ ہے حضرت مرتضی رضی اللہ عنہ باوجود رسوخ قدم در سوابق اسلامیہ و وفور اوصاف خلافت خاصہ و انعقاد بیعت برائے او و وجوب انقیاد رعیت فی حکم اللہ بہ نسبت او۔ متمکن نشد در خلافت۔

اس عبارت کا ترجمہ امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ نے یہ لکھا کہ حضرت مرتضی باوجود سوابق اسلامیہ میں راسخ القدم ہونے اور باوصف کثرت اوصاف خلافت خاصہ کے (ان کی ذات میں پائے جانے کے) اور باوجود اس کے کہ ان کے لیے بیعت کا انعقاد ہوا اور رعیت کا احکام الٰہی میں ان کے لیے مطیع ہونا ثابت ہوگیا۔ خلافت میں متمکن نہ ہوئے اور اطراف ملک میں ان کا حکم نافذ نہ ہوا اور تمام مسلمانوں نے ان کے حکم کے آگے سر نہ جھکایا اور جہاد ان کے زمانے میں بالکل بند ہوگیا اور مسلمانوں کی یکجہتی میں فرق آگیا اور ان کا باہمی اتفاق معدوم ہوگیا اور لوگوں نے بڑی بڑی لڑائیاں ان کے ساتھ کیں اور ان کے ہاتھ کو ملک میں تصرف کرنے سے کوتاہ کر دیا۔ ہر روز ان کی سلطنت کا دائرہ خصوصاً واقعہ تحکیم کے بعد تنگ ہوتا گیا یہاں تک کہ آخر میں سوا کوفہ اور اس کے مضافات کے ان کے لیے صاف نہ رہا۔ ہر چند ان خرابیوں نے آنجناب رضی اللہ عنہ کے صفات کاملہ نفسانیہ میں کوئی خلل نہیں پیدا کیا مگر مقاصد خلافت جیسا کہ چاہیے حاصل نہ ہوئے اور حضرت مرتضی کے بعد جب (حضرت) معاویہ بن سفیان متمکن ہوئے اور لوگوں کا اتفاق ان (کی خلافت) پر حاصل ہوگیا اور مسلمانوں کی جماعت سے باہمی نااتفاقیاں اٹھ گئیں (تو گو ان کو خلافت میں تمکین حاصل ہوگئی مگر ان کی خلافت خلافتِ خاصہ نہ تھی کیونکہ) وہ سوابق اسلامیہ نہ رکھتے تھے اور خلافت خاصہ کے لوازم ان میں نہ پائے جاتے تھے۔ اس کے بعد تو اور بادشاہ مرکز حق سے بہت دور رہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے۔ الغرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو خلافت خاصہ منتظمہ کے ختم ہونے کی خبر

دی تھی وہ اس طرح ظاہر ہوئی۔ (ازالۃ الخفاء مترجم حصہ اوّل فصل پنجم ص ۴۷۹،۴۸۰)

عباسی صاحب نے تو حضرت شاہ صاحب کی طرف یہ بات منسوب کی ہے کہ حضرت علی کی خلافت قائم ہی نہیں ہوئی۔ لیکن شاہ صاحب نے تصریح فرمادی ہے کہ ''ان کے لیے بیعت کا انعقاد ہوا، اور رعیت کا احکام الٰہی میں ان کے لیے مطیع ہونا ثابت ہوگیا۔'' یعنی ان کی بیعت منعقد (قائم ہونے کی وجہ سے) رعیت پر ان کی اطاعت لازم ہوگئی تھی۔ البتہ ان کی خلافت متمکن اور منتظم نہ ہوسکی اور عالم اسباب میں ان کی خلافت کے منتظم نہ ہوسکنے کا سبب یہ بیان فرماتے ہیں کہ تمام مسلمانوں نے ان کے حکم کے آگے سر نہ جھکایا۔ اور لوگوں نے بڑی بڑی لڑائیاں ان کے ساتھ کیں۔'' اس سے واضح ہوتا ہے کہ باوجود ان کی اطاعت لازم ہونے کے ایک گروہ نے ان کی اطاعت نہ کی اور ان کے ساتھ بڑی بڑی لڑائیاں کیں۔ تو قصوروار تو وہی ہیں جنہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کی اطاعت نہ کی اور ان کے ساتھ لڑتے رہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق وضاحت کی ہے کہ آپ سابق اسلامیہ ہجرت وغیرہ کے فضائل نہیں رکھتے تھے اور ان میں خلافت خاصہ کے لوازم نہیں پائے جاتے تھے۔ لیکن عباسی صاحب نے یہ عبارت درج نہیں کی جس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر افضلیت ثابت ہوتی ہے البتہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلافت میں تمکین حاصل ہوگئی تھی۔ کیونکہ سب کا آپ کی خلافت پر اتفاق ہوگیا تھا۔

مقام غور:

یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی لیے متمکن ہوگئی تھی کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے آپ سے صلح کرکے اپنی خلافت بھی ان کے حوالے کردی تھی۔ اسی طرح اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کرکے اطاعت کرلیتے تو کیا اس متحدہ طاقت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تمکین نہ حاصل ہوجاتی؟ اس بناء پر اہل سنت والجماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے میں حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا پر مانتے ہیں۔ لیکن یہ خطا چونکہ اجتہادی ہے اس لیے قابل مواخذہ و ملامت نہیں۔ بہر حال عباسی صاحب کا یہ کہنا بالکل غلط اور اتہام ہے کہ:

شاہ ولی اللہ نے تو جزم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رُو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمان کی شہادت کے بعد رشد خلافت کیا خلافت خاصہ وعلیٰ منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمان سے جو فتنہ پیدا ہوا اور امت میں خون کی ندیاں بہہ گئیں اس زمانہ کو زمانہ شر کہا ہے اور اس سے ماقبل کو زمان خیر پھر جس سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا استقرار خلافت ہو گیا اور امت نے اس کو عام الجماعۃ کا نام دیا زمانہ خیر کی برکات پھر عود کر آئیں۔ (ص ۴۵)

عباسی تلبیس کا جواب:

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت خاصہ کی نفی نہیں کرتے بلکہ ان کی خلافت خاصہ کو تسلیم کرتے ہوئے خاصہ منتظمہ کی نفی کرتے ہیں اور ان کی خلافت راشدہ کا انعقاد صحیح مانتے ہیں جیسا کہ مذکورہ عبارت سے واضح ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں ایک دوسرے مقام پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منتظم نہ ہونے کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

ایں نکتہ دقیقہ را بر غیر محل آں فرو دیناری غرض من آں نیست کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ بنو دیا در حکم شرع خلافت او منعقد نگشت یا سعی او در حروبے کہ پیش آمد للہ فی اللہ نہ بود اعوذ باللہ من جمیع ما کرہ اللہ بلکہ مقصود من انیست کہ فضیلت جارحہ فیض الٰہی بودن ظاہر نشد دریں مقاتلات والا خیریت واصلاح خلق فوج فوج ظہور می نمود و ایں دقیقہ کہ زبانِ فقہاء و متکلمین از تقریر آں کوتاہ است اثباتاً ونفیاً ازاں گفتگو ندارند وفقہاء صحابہ ببرکت صحبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایں نکتہ را شناختہ اند و در احادیثِ صحیحہ باں نکتہ اشارہ رفتہ۔"

(ترجمہ) اور اس دقیق نکتہ کو غیر محل پر چسپاں نہ کر لینا۔ میری غرض یہ نہیں کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ نہیں تھے یا حکم شریعت میں ان کی خلافت منعقد نہیں ہوئی یا جو لڑائیاں ان کو پیش

آئیں ان میں ان کی سعی للہ فی اللہ نہیں تھی۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی تمام چیزوں سے جو اللہ کو ناپسند ہوں۔ بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ ان جنگوں میں فیض الٰہی کا جارحہ بننے کی فضیلت ان میں ظاہر نہیں ہوئی وگرنہ آپ کا خیر ہونا (مسلم ہے) اور اصلاح خلق بہت فراوانی کے ساتھ واضح ہوتی رہی ہے۔ اور اس باریک نکتہ میں فقہاء اور متکلمین کی زبانیں اس کی تقریر سے کوتاہ ہیں۔ اثبات کے یا نفی کے طور پر کسی نے کلام نہیں کیا۔ ہاں فقہاء صحابہ رضی اللہ عنہم نے آنحضرت ﷺ کی صحبت کی برکت سے اس نکتہ کو پہچانا ہے اور احادیث صحیحہ میں اس نکتہ کی طرف اشارات کئے گئے ہیں۔

(ازالۃ الخفاء جلد دوم مترجم فصل ہشتم، ص ۵۷۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی خلافت نبوت ہے:

حضرت شاہ صاحب نے مستدرکِ حاکم سے بروایت حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث پیش کی ہے جس میں ایک خواب کا ذکر ہے۔ اس کے آخر میں ہے:

فتغير وجه رسول ﷺ ثم قال خلافة النبوة ثلثون عاماً ثم يكون مُلك قال سعيد بن جمهان فقال لى سفينة امسك ستى ابى بكر و عشرا عمرؓ وثنتى عشرة عثمانؓ و ستا علیؓ۔

"اس خواب کو سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا پھر فرمایا کہ خلافت نبوت تیس برس رہے گی پھر بادشاہت ہو جائے گی، سعید بن جمہان کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت دو برس لو اور دس برس حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور بارہ برس حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت اور چھ برس حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت (یہ سب تیس برس ہوئے)۔" (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل ص ۳۴۳)

نوٹ: خلفائے اربعہ کی مدت خلافت کی گنتی میں یہاں کسور کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ بہر حال اس سے ثابت ہوا کہ حسب ارشاد نبوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی حضرت شاہ صاحب خلافت نبوت قرار دیتے ہیں۔

خلافتِ خاصہ منتظمہ وغیر منتظمہ:

حضرت شاہ صاحب حضرت سفینہ کی تیس سالہ خلافت والی حدیث اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت کہ اسلام کی چکی پینتیس (۳۵) سال چلے گی، میں تطبیق دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

وتناقض درمیان ایں دو حدیث نیست زیرا کہ چوں حضرت مرتضٰی رضی اللہ عنہ را با خلفاء عد کنند نظر بقوت سوابق اسلامیہ او وافضل ناس بودن او در زمان خلافت خود مدت خلافت ثلثین شود واگر عد نہ کنند نظر بآنکہ خلافت ایشاں انتظام نیافت بموت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت خاصہ منقطع گشت واکثر احادیث بہمیں مضمون وارد شدہ (ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تناقض معلوم ہوتا ہے کہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ سے مدت خلافت تیس سال ظاہر ہوتی ہے اور حدیث ابن مسعود سے پچیس سال معلوم ہوتی ہے مگر) درحقیقت کوئی تناقض نہیں ہے کیونکہ اگر مرتضٰی کو (ان کی اسلامی خدمات کی قوت کی بنا پر نظر کر کے) خلفاء میں شمار کریں تو خلافت کی مدت (موافق حدیث سفینہ کے) تیس سال ہوتی ہے اور اگر اس بات پر نظر کر کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نے نظام (کامل) نہ پایا ان کو خلفاء میں شامل نہ کریں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی موت سے خلافت خاصہ منقطع ہوگئی (اور موافق حدیث ابن مسعود کے خلافت کی مدت پچیس سال ہوتی ہے) اور اکثر حدیثیں اسی مضمون کی وارد ہوئی ہیں۔" (ازالۃ الخفاء جلد اوّل مترجم فصل سوم ص ۱۱۴)

نیز حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

باقی ماند آنکہ در حدیث ابی بکرہ ثقفی وارد شد الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ۔ حقیقت معنی آں نیز باید دانست کہ خلافت خاصہ منتظمہ مرکب است از دو وصف...... وصف اوّل وجود خلیفہ خاص ووصف ثانی نفاذ تصرف واجتماع کلمہ مسلمین واتفاق مجموعے حاصل می شود بنفی یکے ازیں دو وصف وبنفی ہر دو معاً وحکمت الٰہی مقتضی تدریج است بین کل ضدین پس در حالت اولٰی ایں مجموعے مفقود شد بفقد وصف اجتماع کلمۃ مسلمین وعدم انتظام ملک پس

حضرت مرتضیٰ بصفات کاملہ خلافت خاصہ اتصاف داشتند وخلافت ایشاں شرعاً منعقد شد لیکن فرقت مسلمین پدیدار گشت وتصرف ایشاں در اطراف ارض نفاذ نیافت۔ الخ

ترجمہ: باقی رہا یہ کہ ابوبکرہ ثقفی کی حدیث میں ہے کہ (حضرت نے فرمایا) خلافت میرے بعد تیس برس رہے گی (اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ خلافت خاصہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے ختم نہیں ہوئی بلکہ حضرت مرتضیٰ کا زمانہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ ان کا زمانہ لیے بغیر تیس برس پورے نہیں ہوتے لہٰذا) اس حدیث کے معنی کی تحقیق بھی سمجھ لو (اصل یہ ہے) کہ خلافت خاصہ دو وصف سے مرکب ہے۔ پہلا وصف خلیفہ خاص کا موجود ہونا۔ دوسرا وصف اس کے تصرف (یعنی احکام کا) جاری ہونا اور سب مسلمانوں کا اس پر متفق ہو جانا۔ گو اس مجموعہ کا انتفاء ان دو وصفوں میں سے کسی ایک کی نفی سے بھی ہو سکتا ہے اور دونوں کی نفی سے بھی مگر حکمت الٰہی چونکہ دو ضدوں کے درمیان میں تدریج چاہتی ہے۔ لہٰذا (خلفائے ثلٰثہ کے بعد) اوّل اوّل اس مجموعہ (یعنی خلافت خاصہ) کا انتفاء صرف ایک وصف کے نفی یعنی مسلمانوں کے باہمی اتفاق اور انتظام سلطنت کے ٹھیک نہ رہنے سے ہوا۔ چنانچہ حضرت مرتضیٰ خلافت خاصہ کے اوصاف کاملہ سے موصوف تھے اور ان کی خلافت شرعاً منعقد بھی ہوئی (لہٰذا خلافت خاصہ کا ایک جزو تو پایا گیا) لیکن (دوسرا جزو نہیں پایا گیا یعنی) مسلمانوں میں باہمی اختلاف پیدا ہو گیا اور ان کا تصرف اطراف ملک میں نافذ نہ ہوا (لیکن بوجہ اس کے کہ خلافت خاصہ کا ایک وصف منتفی ہو چکا تھا احادیث سابقہ کا ایک مضمون صحیح ہوا کہ خلافت خاصہ بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نہ رہی اور بوجہ اس کے کہ خلافت خاصہ کا ایک وصف باقی تھا اس حدیث کا یہ مضمون بھی صحیح ہوا کہ خلافت خاصہ حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک باقی تھی انہی دونوں وصفوں کے مجموعہ کا نام خلافت خاصہ ہے)۔ الخ (ازالۃ الخفاء مترجم حصہ اوّل فصل پنجم،ص ۵۵۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت آیت استخلاف کا مصداق ہے:

سورۃ النور رکوع ۷ کی آیت استخلاف میں جو وعدہ اللہ تعالیٰ نے نزول آیت کے

وقت حاضرین صحابہ سے بالفاظ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ کیا ہے اس کی تفسیر میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے تیس سالہ خلافت والی حدیث پیش کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

در حدیث آمدہ است الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ۔ واللہ اعلم۔ (حدیث میں آیا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی)۔ (ترجمہ فارسی حضرت شاہ ولی اللہ)۔

بہر حال مندرجہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلافت نبوت و رحمت، خلافت نبوت، اور خلافت خاصہ غیر منتظمہ اور آیت استخلاف کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ اور محمود احمد صاحب عباسی کا یہ لکھنا بالکل افترا ہے کہ شاہ ولی اللہ نے تو جزم کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رشد خلافت کیا خلافت خاصہ و علی منہاج النبوۃ کا زمانہ ہی ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ (ص ۲۵)

دیگر مفسرین اہل سنت کی تائید:

① امام فخر الدین رازی سورۃ النور کی آیت استخلاف کی تفسیر میں فرماتے ہیں: دلت الاية على امامة الائمة الاربعة (یہ آیت چاروں اماموں کی امامت یعنی خلافت پر دلالت کرتی ہے)۔

② امام قرطبی رحمۃ اللہ علیہ آیت استخلاف کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

قال الضحاك فی كتاب النقاش هذه الأية تتضمن خلافة ابی بكر و عمر و عثمان و علی لانهم اهل الايمان وعملوا الصلحت وقد قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم الخلافة بعدی ثلثون والی هذا القول ذهب ابن العربی فی احكامه واختاره۔ الخ

''کتاب النقاش میں ضحاک فرماتے ہیں کہ یہ آیت ابوبکر، عمر، عثمان اور

علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو شامل ہے کیونکہ وہ ایمان اور عمل صالح والے ہیں اور تحقیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور (قاضی) ابوبکر بن عربی نے احکام القرآن میں یہی قول اختیار کیا ہے۔"

③ قاضی ابوبکر رحمہ اللہ بن عربی کے جس قول کا حوالہ امام قرطبی نے دیا ہے وہ یہ ہے:

قال علماء نا هذه الآية وعد حق وقول صدق يدل ذلك على صحة امامة الخلفاء الاربعة لانه لايتقدمهم احدٌ فی الفضيلة الی يومنا هذا۔ فاولئك مقطوع بامامتهم متفق عليهم وصدق وعد الله فيهم وكانوا على الدين الذی ارتضی لهم واستقر الامر لهم۔

(احکام القرآن جلد ثالث ص ۱۳۸۰)

"ہمارے علماء نے فرمایا ہے کہ یہ آیت وعدۂ حق اور سچا قول ہے جو خلفائے اربعہ کی امامت (خلافت) کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے کیونکہ آج تک ان چار خلفاء سے فضیلت میں کوئی بھی آگے نہیں ہے، پس ان کی امامت قطعی ہے جس پر سب کا اتفاق ہے، ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ثابت ہوا ہے، وہ اس دین پر قائم رہے ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پسند فرمایا ہے اور ان کے لیے امر خلافت ثابت ہوگیا۔"

اس کے بعد قاضی ابوبکر بن عربی موصوف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وطالبه الاجل حتى غلبه فانقطعت الخلافة وصارت الدنيا ملكا تارة لمن غلب واخرى لمن خلب حتى انتهى الوعد الصادق ابتداؤہ وانتهاؤہ۔ اما الابتداء فهذه الآية واما الانتهاء فبحديث سفينة قال سعيد بن جمهان عن سفينة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خلافة النبوة ثلثون سنة ثم يوتی

اللہ الملک من یشاء۔

"اور آپ کو موت نے طلب کرلیا اور وہ آپ پر غالب ہوگئی، پس خلافت منقطع ہوگئی اور اس کے بعد دنیا میں بادشاہت آگئی کبھی اس شخص کے لیے جس نے طاقت سے غلبہ پالیا اور کبھی اس کے لیے جس نے فریب سے کام لیا، حتیٰ کہ خلافت کی ابتدا اور انتہا کا وعدہ سچا ہوگیا پس خلافت کی ابتداء تو اس آیت (استخلاف) سے ہوئی اور اس کی انتہا حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے ثابت ہوئی کہ حضرت سعید بن جمہان حضرت سفینہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خلافت نبوت تیس سال ہوگی پھر اللہ جس کو چاہے گا بادشاہت دے گا۔"

حضرت ابن عربی رضی اللہ عنہ نے آیت اور حدیث سے چاروں خلفاء کی خلافت نبوت کو واضح طور پر ثابت کردیا ہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ وہی امام قاضی ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی متوفی ۵۴۳ھ ہیں جنکی کتاب العواصم والقواصم کی عبارتیں عباسی صاحب اور مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی اپنے نظریہ یزیدیت کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مذکورہ تین تفسیروں کی عبارتیں تو یہاں بطور نمونہ پیش کردی ہیں ورنہ عموماً اہل سنت مفسرین آیت استخلاف (اور آیت تمکین سے خلفائے اربعہ کی خلافت راشدہ موعودہ ثابت کرتے ہیں۔ اب اس کے باوجود بھی محمود احمد صاحب عباسی یا ان کے تلامذہ (مصنفین) حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو اپنی تنقید وجرح کا نشانہ بنائیں تو اس کی بنیاد محض ان کی خارجیت ہے۔

مختلف احادیث خلافت کی تطبیق:

جن احادیث میں بارہ خلفاء کی پیشگوئی ہے وہ آیت استخلاف اور تیس سالہ خلافت والی حدیث سے معارض نہیں ہیں کیونکہ مذکورہ آیت وحدیث سے مراد صرف چار خلفائے راشدین ہیں جو مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔ ان کے علاوہ اور کوئی خلیفہ مہاجرین اوّلین میں سے نہیں ہے۔ اور جو شارحین حدیث نے لکھا ہے کہ تیس سالہ مدت خلافت میں

امام حسن رضی اللہ عنہ کی مدت خلافت بھی شامل ہے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت بطور تتمہ خلافت راشدہ کے ہے نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ثلثون سنۃ میں کسور کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ علاوہ ازیں محدثین نے فرمایا ہے کہ تیس سالہ خلافت سے مراد وہ خلافت ہے جو دور رسالت کے بعد متصلا ہوگی۔

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید کی تحقیق:

محقق ومجاہد جلیل حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

امامت تامہ کو خلافت راشدہ، خلافت علیٰ منہاج النبوۃ اور خلافت رحمت بھی کہتے ہیں۔ پس خلافت راشدہ کی دو قسمیں ہوئیں۔ ایک خلافت منتظمہ جیسا کہ خلافت خلفائے ثلثہ۔ دوسری خلافت غیر منتظمہ جیسا کہ خلافت علی المرتضٰی۔ پس خلافت غیر منتظمہ میں امر خلافت کا انتشار باوجود خلیفہ راشد ہونے کے ہدایت رسول کے اظہار کی قلت کے سبب ہوتا ہے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام۔ پس جس طرح ظہور ہدایت کی تقلیل حضرت نوح علیہ السلام کے دامن پاک کو غبار آلود نہیں کر سکتی اسی طرح انتظام خلافت کا انجام نہ پانا کسی وجہ سے خلیفہ راشد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے نقص کا باعث نہیں بن سکتا۔ پس خلافت غیر منتظم کو اگر خلیفہ راشد کی موجودگی میں دیکھ لیں تو ہمیں کہنا پڑے گا کہ خلافت راشدہ ثابت ہے اور اگر عدم انتظام وتفرقہ اہل اسلام کے اعتبار سے دیکھیں گے تو کہیں گے کہ متحقق نہیں ہے پس جو کہ حدیث شریف الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ (میرے بعد خلافت تیس برس تک رہے گی۔) آیا ہے وہ اوّل الذکر خلافت کے بارہ میں ہے اور بعض وہ احادیث جو ذوالنورین کی خلافت کے اختتام پر دلالت کرتی ہیں وہ موخر الذکر کے اعتبار سے ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر ثقفی رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے عرض کیا کہ میں نے خواب میں آسمان سے ایک ترازو اترا ہوا دیکھا ہے جس میں آپ کو اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تولا تو آپ بھاری ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ کو تولا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ وزنی ہوئے۔ پھر عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ تلے تو

عمر رضی اللہ عنہ بھاری ہوئے۔ پھر ترازو اٹھالی گئی۔ اس سے رسول خدا ﷺ کو ناخوشی ہوئی۔ پھر فرمایا یہ خلافت نبوت [1] ہے پھر دے گا اللہ تعالیٰ ملک جس کو چاہے گا۔

---

[1] یہی میزان والی حدیث حضرت شاہ صاحب دہلوی نے ازالۃ الخفاء جلد اوّل میں مستدرک حاکم سے بروایت حضرت سفینہ درج کی ہے جس کا آخری حصہ گزشتہ صفحات میں پیش کیا گیا جس میں یہ الفاظ ہیں۔"ثم قال خلافۃ النبوۃ ثلثون عاماً ثم یکون ملك" پھر فرمایا کہ خلافت نبوت تیس سال رہے گی پھر بادشاہی ہوگی الخ۔ نیز فصل سوم ص ۱۰۸ مترجم میں بھی یہی حدیث منقول ہے۔
اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اس حدیث میں خلافت نبوت سے شیخین رضی اللہ عنہما کی خلافت مراد لیتے ہیں چنانچہ فرمایا: وعجب کہ آں مرد برکشیدہ عثمانؓ وعلیؓ راندید رضی اللہ عنہما و گویا آن بجہت آں بود کہ اختلاف در تفاضل ایں دو خلافت است میان سلف چنانکہ در کتب کلامیہ مذکور است (ترجمہ) اور تعجب ہے کہ اس مرد نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کا آپس میں تولا جانا نہ دیکھا اور یہ گویا اس پہلو سے تھا کہ ان دونوں کی باہمی فضیلت میں سلف میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ چنانچہ علم کلام کی کتابوں میں مذکور ہے۔" اس کے بعد حضرت شیخ دہلوی فقال خلافت نبوت کے تحت لکھتے ہیں: یعنی خلافت ابوبکر و عمر خلافت نبوت است کہ دروی اصلاً شائبہ ملک و خلاف نیست ثم یؤتی اللہ الملک من یشاء۔ پس تر دہد خدا تعالیٰ ملک راہر کرامی خواہد۔ تفسیر و تاویل کرد آنحضرت بہ برداشتن میزان کہ زمن خلافت خالص منتہی می شود با بوبکر و عمر کہ اتفاق می باشد براں و بعد از وی شوب از ملک می شود وخلافے و بے انتظامی رامی یابد واما بعد از خلافت اربعہ خود ملکے می شود عضوض یعنی گزندہ چنانچہ در حدیث آمدہ است وفہم ایں معنی نہ از رفع میزان بجہت آں کردند کہ موازنہ رعایت کردہ می شود در اشیائے متقاربہ و در چیز ہائے کہ نزدیک یکدیگر اند و چوں متباعد و متبائن شدند موازنہ معنی ندارد پس برداشتہ شد و بر طرف کردہ شد موازنہ پس ایں رویا دلالت کرد بر انحطاط امر خلافت بعد از ابوبکر و عمر۔ ایں چنیں تفسیر کردہ اند شارحان ایں حدیث را۔" (اشعۃ اللمعات جلد چہارم کتاب الفتن ص ۲۵۴)
اس کا ترجمہ مظاہر حق شرح مشکوٰۃ تتمہ جلد چہارم میں حضرت مولانا قطب الدین محدث نے یہ لکھا ہے۔ (ف) اور اس شخص نے جو تُلنا حضرت علیؓ اور حضرت عثمان کا نہ دیکھا گویا اس میں اشارہ ہے اس کی طرف کہ ان دونوں صاحبوں کے تفاضل میں اختلاف ہے سلف میں جیسے کہ کتب کلامیہ میں مذکور ہے (ف) پس غمگین ہوئے آنحضرت ﷺ سبب اس خواب دیکھنے اس شخص کے (ف) یعنی بہ سبب اس کے کہ معلوم کیا آنحضرت نے کہ تعبیر اس کی یہ ہے کہ بعد (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

اس کے بعد ایک اور خواب بیان کرنے کے بعد حضرت شاہ شہید رحمۃ اللہ علیہ خلافت کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

گزشتہ سے پیوستہ) خلافت حضرت عمرؓ کے ظہور فتنوں کا ہوگا اور رتبے امور کے پست ہو جائیں گے۔ (ف) پس فرمایا آنحضرت نے کہ یہ جو تو نے دیکھا خلافت نبوت ہے یعنی ان دونوں صاحبوں کی خلافت خلافت نبوت ہے۔ کہ اس میں اصلاً امیزش بادشاہت اور خلاف نہ ہوگا۔ پھر دے گا اللہ تعالیٰ ملک جس کو چاہے گا۔ نقل کی یہ ترمذی اور ابوداؤد نے۔ (ف) تعبیر دی آنحضرتؐ نے اٹھ جانے ترازو کی یہ کہ زمانہ خلافت کا خالص اور منتہی ہوگا ابوبکرؓ اور عمرؓ پر کہ اتفاق ہوگا اس پر اور بعد اس کے آمیزش بادشاہت کی ہوگی اور کچھ خلافت اور بے انتظامی راہ پاوے گی اور بعد از خلافت چاروں کے بادشاہت ہوگی گزندہ جیسے کہ حدیث میں آیا ہے اور سمجھنا اس تعبیر کا اٹھ جانے میزان کے سے۔ اس سبب سے کہا کہ آپس میں تولنا رعایت کیا جاتا ہے ان چیزوں میں کہ آپس میں نزدیک ایک دوسرے کے ہیں اور جب آپس میں بعید اور متباین ہوئیں تو آپس میں تولنا کچھ معنی نہیں رکھتا۔ پس اٹھایا گیا اور برطرف کیا گیا آپس میں تولنا۔ پس یہ خواب دلالت کرتا ہے اوپر انحطاط امر خلافت کے بعد از ابوبکرؓ عمرؓ کے اور معنی غالب آنے پر ایک کے دوسرے پر میزان میں یہ ہیں کہ راجح افضل ہے مرجوح سے۔" علاوہ ازیں علامہ علی قاری حنفی محدثؒ نے بھی مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں خلافت نبوۃ سے شیخین حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کی خلافت ہی مراد لی ہے (مرقاۃ جلد ۱۱) اور حدیث میں خلافت سے حضرات شیخین کی خلافت مراد ہونے کا یہ بھی قرینہ ہے کہ یہ حدیث باب مناقب ابی بکر و عمر کے تحت مذکور ہے نہ کہ مناقب ثلثہ کے بارے میں (ب) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت عثمان ذی النورین کے دور خلافت میں بادشاہت کی آمیزش سے مراد وہ ملوکیت نہیں ہے جس کا پرچار ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت و ملوکیت میں کیا۔ بلکہ اس سے مراد بعض امور میں عزیمت کو ترک کر کے رخصت پر عمل کرنا ہے جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی فرمایا ہے اور اس وجہ سے حضرت عثمان کے خلیفہ راشد ہونے اور آپ کی خلافت کے خلافت راشدہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت بھی بالیقین خلافت راشدہ ہی ہے اور آپ کے زمانہ میں جو انتشار ہوا ہے اس کے ذمہ دار آپ نہیں بلکہ دوسرا اسبائی تخریبی گروہ ہے اور جن صحابہ کرام نے آپ سے اختلاف کیا وہ نیک نیتی پر مبنی تھا۔

پس خلافت منتظمہ بھی دو قسم پر منقسم ہوئی محفوظ مثل خلافت شیخین اور مفتونہ مثل خلافت ذی النورین رضی اللہ عنہ۔ پس خلافت محفوظ تمام بنی نوع انسان بلکہ تمام جہان کے حق میں اور نعمت عظمیٰ اور غنیمت کبریٰ ہے۔ پس خلافتِ راشدہ اس صورت میں وجود خلیفہ راشد کے اعتبار سے بھی۔ ظاہراً انتظام اہل امت وملت کے اعتبار سے بھی اور تمام اہل زمانہ کی رضامندی، یقین اور اطمینان کے باعث بھی ہر طرح متحقق ہے لیکن خلافت مفتونہ اگرچہ خلیفہ راشد کے وجود کے اعتبار سے انتظام ظاہری کے لحاظ سے موجود ہے لیکن باعتبار عدم اطمینان قلبی حکماً مفقود ہے۔ اسی بنا پر بعض احادیث میں اتمام خلافت کے بارہ میں ایک اشارہ حضرت فاروق کی طرف ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وبینا انا نائم الحدیث ''سوتے ہوئے میں نے دیکھا کہ ایک کنوئیں میں ڈول پڑا ہے اسے میں نے کھینچا جب تک اللہ نے چاہا پھر مجھ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لیا۔ پس اس نے ۔ یا دو ڈول کھینچے اور اس کے کھینچنے میں ضعف تھا اللہ اس کے حال پر رحم کرے۔ پھر اس سے عمر رضی اللہ عنہ نے لے لیا اور اس کے ہاتھ میں بھلا معلوم ہوتا تھا۔ میں نے کوئی ایسا شخص نہیں دیکھا جو اس سے اچھا کھینچ سکے۔ سیر کر دیا اس نے لوگوں کو اور وہ خوب خوش ہوئے۔ اور ڈول کھینچنے والی یہی حدیث حضرت شاہ صاحب نے نقل کی ہے۔

(ملاحظہ ہو، ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول فصل سوم، ص ۱۰۷)

شیخین اور حضرت ذوالنورین کی خلافتوں کا فرق:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

واگر بچشم تامل درنگری ہر جا ذکر خلافت خاصہ منتظمہ بالفعل مذکور شد ذکر ہر سہ بزرگ یکجا آمدہ وخلافت خاصہ باخداخلت در امور عظام بحضور آنحضرت وبعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جا کہ مذکور است ذکر شیخین است لاغیر۔ الخ

''اور اگر تم سے دیکھو تو جہاں کہیں خلافت خاصہ منتظمہ بالفعل کا ذکر ہے وہاں تینوں بزرگوں کا ذکر ایک ساتھ ہے اور جہاں کہیں خلافت خاصہ کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا آپ کے پیچھے مہمات میں مداخلت کے ساتھ

ہے وہاں صرف شیخین کا ذکر ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت سے وہ تینوں قرن جن کی خیریت کی شہادت (احادیث میں) دی گئی ہے ختم ہو گئے۔ تیسرا فرق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا جو قریب بارہ سال کے رہا ہے حضرت ذوالنورین کی روش میں بہ نسبت شیخین کی روش کے کچھ فرق تھا کیونکہ حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کبھی عزیمت سے رخصت کی طرف اتر آیا کرتے تھے اوران کے حکام بھی شیخین کے حکام کے مثل نہ تھے اور رعیت بھی ان کی ویسی مطیع نہ تھی جیسی حضرت صدیق اور حضرت فاروق کی مطیع تھی گو ویسی خشونت بھی (رعیت کی طرف سے) ظاہر نہیں ہوئی تھی اور (مخالفت کی کیفیت) دل وزبان سے ہاتھ اور ہتھیار کی طرف منتقل نہ ہوئی تھی مگر بعد پورے ہو جانے اس قرن کے، ان باتوں میں سوا مکابرہ کے کوئی نزاع نہیں کرسکتا۔" (ازالۃ الخفاء، جلد اوّل مترجم فصل پنجم، ص ۵۸۶)

اس میں حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ یا ان کی خلافت راشدہ کی تنقیص مقصود نہیں ہے صرف حضرت صدیق اکبر و حضرت فاروق اعظم کی خلافتوں اور حضرت عثمان کے دور خلافت کا باہمی فرق بتایا ہے۔ اور چونکہ حضرت ذوالنورین کی خلافت کے آخری دور میں سبائیوں کی طرف سے فتنہ بپا کیا گیا تھا اس لیے حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمہ اللہ نے حضرت ذوالنورین کی خلافت راشدہ کو خلافت مفتونہ قرار دیا ہے۔

حضرت صدیق کی وفات پر خلافت نبوت کا خاتمہ:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آپ کے مخصوص فضائل کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

الیوم انقطعت خلافة النبوة

"آج خلافت نبوت کا خاتمہ ہو گیا۔"

(ازالۃ الخفا مترجم جلد اوّل فصل چہارم، ص ۲۶۵)

کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی

خلافت نبوت نہیں ہے۔ تو پھر جہاں حضرت شاہ صاحب نے یہ لکھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ختم ہو جائے گی۔ جس کی طرف احادیث میں اشارہ پایا جاتا ہے تو اس سے عباسی صاحب یہ کیونکر نتیجہ نکالتے ہیں کہ شہادت حضرت ذوالنورین کے بعد بالکلیہ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ ختم ہوگئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت زمان شر ہے نہ کہ زمان خیر۔

زمانہ خیر و شر کی پیشگوئی:

محمود احمد صاحب عباسی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کو مجروح کرنے کے لیے لکھتے ہیں کہ:

شاہ ولی اللہ نے تو جزم کے ساتھ آنحضرت ﷺ کے متعدد ارشادات کی رو سے ثابت کیا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد رشد خلافت کیا خلافت خاصہ و علی منہاج النبوۃ کا زمانہ ختم ہو کر زمانہ شر شروع ہو گیا تھا۔ قتل عثمان سے جو فتنہ پیدا ہوا اور امت میں خون کی ندیاں بہہ گئیں اس زمانہ کو زمانہ شر کہا ہے اور اس سے ماقبل کو زمان خیر پھر جس سال سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا استقرار خلافت ہو گیا اور امت نے اس کو عام الجماعۃ کا نام دیا زمانہ خیر کی برکات پھر عود کر آئیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

بنقل متواتر کہ در شرعیات نقلے معتمد تر ازاں یافتہ نمی شود بہ ثبوت پیوستہ کہ آنحضرت ﷺ فتنہ را کہ نزدیک مقتل حضرت عثمان پیدا شد مقطع اشارہ ساختہ اند۔ الخ

(خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم ص ۲۶)

عباسی صاحب نے مندرجہ فارسی عبارت کا ترجمہ نہیں لکھا۔ لہٰذا یہاں امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے۔

"نقل متواتر سے کہ جس سے زیادہ معتبر شرعیات میں کوئی نقل نہیں ہے یہ امر ثابت ہو چکا ہے کہ جو فتنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے قریب پیدا ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے اس کی جانب اشارہ کیا اور ایسی (واضح) تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا جس سے زیادہ

تفصیل دوسرے احکام شرعیہ میں نہیں پائی جاتی اور آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کو زمانہ خیر اور زمانہ شر کے درمیان میں حدِ فاصل قرار دیا ہے اور فرمایا کہ بعد شہادت حضرت عثمان کے خلافت بر طریق نبوت نہ رہے گی (دریں وقت خلافت علی منہاج النبوۃ منقطع شود) اور کاٹنے والی کے لفظ سے واقعات حرب وقتال کا پیش آنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے (کہ پہلی خلافتیں بر طریق نبوت تھیں اور فتنہ سے محفوظ تھیں) اکثر احادیث میں خلفائے ثلٰثہ کو ایک ہی حکم میں جمع کیا ہے۔ یہ تینوں بزرگوار کسی نہ کسی مرتبہ میں (یعنی خلافت کے بر طریق نبوت ہونے اور فتنہ سے محفوظ رہنے میں) باہم برابر ہیں اور (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) بعضے حدیثوں میں (صاف صاف) ایسے الفاظ فرما دیئے جن سے (بعد شہادت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) خلافت بر منہاج نبوت کا ختم ہو جانا مفہوم ہوتا ہے۔ الخ

(ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل فصل پنجم، ص ۵۵۲)

حضرت شاہ صاحب کی مندرجہ عبارت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضرت علی کی خلافت کسی پہلو سے بھی علی منہاج النبوۃ اور خیر و رحمت نہیں تھی بلکہ یہ مطلب ہے کہ جس طرح پہلی تینوں خلافتیں اس قسم کے فتنوں سے محفوظ تھیں اور خاص کر شیخین کی خلافتیں۔ اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں تھی۔ اگر یہ مطلب نہ لیا جائے تو پھر دوسری احادیث سے تعارض لازم آتا ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی خلافت رحمت قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در احادیث مستفیضہ خبر دادند کہ بعد وفات وے صلی اللہ علیہ وسلم خلافت نبوت و خلافت رحمت خواہد بود و بعد ازاں ملک عضوض و آنچہ متصل وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واقع شد خلافت خلفائے اربعہ بود پس خلافت ایشاں خلافت نبوت و رحمت باشد۔
>
> ''اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیثِ مستفیضہ میں اس بات کی خبر دی کہ آپ کی وفات کے بعد خلافت و نبوت و خلافت رحمت ہوگی اور اس کے بعد ملک

عضوض (مارکاٹ کی بادشاہت) اور جو آنحضرت ﷺ کی وفات کے متصل واقع ہوگی وہ خلفائے اربعہ کی خلافت تھی تو ان کی خلافت خلافت نبوت و رحمت ہوئی۔" (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم فصل ہفتم، ص۴۰۲)

یہاں حضرت محدث دہلوی رحمہ اللہ حدیث نبوی کے تحت چاروں خلفاء کی خلافت کو خلافت نبوت و رحمت ثابت کر رہے ہیں تو اس کے بعد کوئی اہل فہم وانصاف آدمی یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی کی خلافت کا زمانہ زمانہ شر ہے۔ العیاذ باللہ۔

اور حضرت شاہ صاحب نے شر کا مفہوم بھی اس عبارت میں واضح کر دیا ہے جو عباسی صاحب نے پیش کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دمعنی لفظ عضوض دلالت می کند بر حروب و مقاتلات و یکے بر دیگرے و منازعت یکے با دیگرے در ملک۔

"کاٹنے والی کے لفظ سے واقعات حرب وقتال کا پیش آنا اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا اور سلطنت کے لیے ایک کا دوسرے کے ساتھ جھگڑنا بخوبی معلوم ہوتا ہے۔"

اب مقام غور ہے کہ جب حسب آیت استخلاف اور حسب حدیث خلافتِ نبوت و رحمت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ثابت ہوتے ہیں اور ان کی خلافت بھی خلافت نبوت و رحمت ثابت ہوتی ہے تو پھر ان جھگڑوں میں خلیفہ راشد قصوروار ہونگے یا مخالفین۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے بعد میں ان فتنوں کی تفصیل بیان فرمائی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ حدیث نقل فرمائی ہے:

ومعاویہؓ را فرمود ان ملکت فاحسن و فرمود کیف بك لو قد قمصك اللہ قمیصًا یعنی الخلافۃ قالت ام حبیبۃؓ او ان اللہ مُقمصٌ أخِي قال نعم ولکن فیه هنات هنات وهنات واین کلمہ اشارہ است بانکہ خلافت او منعقد خواہد شد بجہت تسلط نہ حسب بیعت و سیرت او موافق سیرت شیخین نباشد وآں خلافت بعد بغی بر امام وقت باشد ولہذا سہ بار لفظ

حسنات فرمود و نیز با معاویہؓ فرمود ان ولیت امراً فاتق اللہ واعدل واٰں
اشارہ بامارت شام وخلافت است جمیعاً۔
" اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تو بادشاہ ہو جائے تو نیک کام کرنا اور فرمایا
کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اگر اللہ نے تجھے قمیص پہنائی، اس سے آپ
خلافت مراد لے رہے تھے تو (ام حبیبہ ام المومنین) نے کہا کہ کیا اللہ میرے
بھائی کو قمیص پہنانے والا ہے، فرمایا کہ ہاں اور لیکن اس میں فسادات ہونگے
اور فسادات اور فسادات، اور اس کلمہ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ان کی
خلافت تسلط کے ذریعہ سے منعقد ہوگی بیعت کے ذریعہ سے نہ ہوگی اور ان
کی سیرت شیخین کی سیرت کے موافق نہ ہوگی اور وہ خلافت امام وقت سے
بغاوت کے بعد منعقد ہوگی، اسی لیے آپ نے تین مرتبہ لفظ حسنات
(فسادات) فرمایا اور نیز معاویہؓ سے فرمایا، اگر تو والی امر بن جائے تو اللہ سے
ڈر اور انصاف کر اور یہ اشارہ امارت شام اور خلافت دونوں کی طرف
ہے۔" (ازالۃ الخفاء، جلد دوم، فصل ہفتم، ص ۳۷۱، ص ۳۷۲)

اس میں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث کی روشنی میں وضاحت کردی ہے کہ
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت امام وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بغاوت کے بعد
بیعت کے ذریعہ سے نہیں بلکہ تسلط کے ذریعہ ہوگی۔

ہمارا سوال:

اگر عباسی صاحب حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق قبول کرتے ہیں تو حضرت
معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی آپ کی مندرجہ تحقیق قبول کرلینی چاہیے۔ لیکن ان کا مقصد تو
حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو مجروح کرنا ہے خواہ اس سلسلہ میں علمی خیانت کا
ارتکاب بھی کرنا پڑے۔

مندرجہ عبارت میں حضرت محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جو بغاوت کا لفظ استعمال کیا ہے
تو اس سے مراد صورتاً بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے البتہ آپ

سے اس اجتہاد میں خطا ہوگئی۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مخطی معذور بود۔ (ازالۃ الخفاء فارسی جلد دوم، ص ۲۸۰)

"یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور اس خطا میں معذور تھے۔"

حضرت فاروق کا وجود فتنوں کے درمیان حائل تھا:

حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے فتنوں کے بارے میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی یہ روایت نقل کی ہے:

فقد اخرج البخاری عن شقیق قال سمعت حذیفۃؓ یقول بینما نحن جلوس عند عمر رضی اللّٰہ عنہ از قال ایکم یحفظ قول النبی ﷺ فی الفتنۃ قال قلت فتنۃ الرجل فی اھلہ ومالہ وولدہ وجارہ ویکفرھا الصلوۃ والصدقۃ والامر بالمعروف والنھی عن المنکر قال لیس عن ھذا اسئلک ولکن التی تموج کموج البحر قال لیس علیک منھا بأس یا امیر المومنین ان بینک وبینھا باباً مُغلقاً قال عمرا یکسر الباب ام یفتح قال لابل یکسر قال عمرؓ اذاً لا یُغلق ابداً قلت اجل قلنا لِحُذَیفۃ اکان عمر یعلم الباب قال نعم کما اعلم انّ دون غدٍ اللیلۃ۔

"امام بخاری رحمہ اللہ نے شقیق سے روایت کی ہے وہ کہتے تھے میں نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ کہتے تھے کہ ایک مرتبہ ہم لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے کہ آپ نے فرمایا فتنہ کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی حدیث تم میں سے کس کو یاد ہے حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ وہ فتنہ جو انسان کو اس کے اہل اور اس کے مال اور اس کی اولاد اور اس کے ہمسایہ کے متعلق لاحق ہو اس کا کفارہ (تو) نماز اور صدقہ اور امر معروف اور نہی منکر سے (ہو جاتا) ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم سے اس فتنہ کو نہیں پوچھتا بلکہ اس فتنہ

کے متعلق دریافت کرتا ہوں جو دریا کی لہروں کی طرح پھیل جائے گا، میں نے کہا اے امیر المومنین آپ کو اس فتنہ سے کچھ خوف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ آپ کے اور اس فتنہ کے درمیان ایک مقفل دروازہ (حائل) ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ وہ دروازہ توڑا جائے گا یا کھولا جائے گا، میں نے کہا (کھولا نہیں جائے گا) بلکہ توڑا جائے گا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (جب ٹوٹ گیا) تو پھر کبھی بند نہ ہوگا، میں نے کہا ہاں (بیشک ایسا ہی ہے) شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازہ کو جانتے تھے (کہ کون ہے) کہا، ہاں، وہ (اس دروازہ کو) اس طرح (یقین کے ساتھ) جانتے تھے جس طرح میں یقیناً جانتا ہوں کہ کل دن کے بعد رات ہوگی، اور یہ (کہنا میرا) اس لیے ہے کہ میں نے جو بات ان سے کی وہ پیچیدہ نہ تھی (بلکہ بالکل واضح تھی) پھر ہماری جرأت نہ ہوئی کہ حضرت حذیفہ سے پوچھیں کہ دروازہ سے کیا مراد ہے لہٰذا ہم نے مسروق سے کہا کہ تم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کرو، انہوں نے ان سے پوچھا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ دروازہ خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔"

(ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل فصل چہارم، ص ۲۴۲)

اسی حدیث کی تشریح میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

وتحقیق دریں حدیث آنست کہ معنی ان بینك وبینها بابا مغلقاً۔ مرادش آنست کہ وجود عمر رضی اللہ عنہ حائل است درمیان فتنہ ودرمیان مردم۔ الخ

"اور اس حدیث کی تحقیق یہ ہے کہ ان بینك وبینها باباً مغلقاً سے یہ مراد ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا وجود فتنہ اور لوگوں کے درمیان حائل ہے۔"

(ازالۃ الخفاء، فارسی جلد دوم، ص ۲۴۹)

مطلب واضح ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بعد فتنہ پیدا ہوگا، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت میں بھی فتنہ پیدا ہوا جس کے نتیجہ میں آپ مدینہ منورہ میں شہید کر دیئے گئے۔ لیکن اس فتنہ کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مطعون نہیں کیا جا سکتا۔ اسی

طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جو فتنہ پیدا ہوا اس کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ملعون نہیں کیا جا سکتا۔

قبل ازیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے متعلق حضرت شاہ صاحب کی یہ عبارت پیش کی جا چکی ہے کہ:

غرض من آں نیست کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ نبود (میری غرض یہ نہیں ہے کہ حضرت مرتضیٰ خلیفہ نہیں تھے یا حکم شریعت میں ان کی خلافت منعقد نہیں ہوئی یا جو لڑائیاں ان کو پیش آئیں ان میں ان کی سعی للہ فی اللہ نہیں تھی۔ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں ایسی تمام چیزوں سے جو اللہ کو ناپسند ہوں، بلکہ میرا مقصود یہ ہے کہ ان جنگوں میں فیض الٰہی کا جارحہ بننے کی فضیلت ان میں ظاہر نہیں ہوئی ورنہ آپ کا خیر ہونا (مسلم ہے) اور اصلاح خلق بہت فراوانی کے ساتھ واضح ہوتی رہی ہے۔ (ازالۃ الخفاء، جلد دوم مترجم، ص ۵۷۵)

تنقیص علی گنتی میں عباسی صاحب کی غلط بیانی:

حضرت شاہ صاحب کی تصنیف ازالۃ الخفاء کے متعلق عباسی صاحب لکھتے ہیں:

ایسے پُر خطر اور نازک حالات میں انہوں نے اپنی عالی ہمتی سے اثبات خلافت خلفائے راشدین میں یہ نادر کتاب دو حصوں میں تالیف کی جن کا مجموعی حجم بڑی تقطیع کے چھ سو بیس صفحات ہے۔ ان میں سے پانسو اسی یعنی تقریباً چورانوے فیصد خلفائے ثلاثہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہم کی روشن ترین عظیم خدمات دینیہ و ملیہ اور ان کی کامیاب خلافتوں کے حالات و اثبات میں ہیں۔ ان تینوں خلافتوں کو وہ خلافتِ خاصہ و راشدہ و منہاج النبوۃ سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ ان مبارک ایام میں امت مسلمہ ائتلاف و اخوت و اتحاد کی برکات سے متمتع رہی۔

ان پانسو اسی (۵۸۰) صفحات کے بعد کتاب کے آخری صرف بتیس صفحوں میں جن کا اوسط خلفائے ثلاثہ کے حالات کے مقابلہ میں محض چھ فیصد آتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مآثر بیان کئے ہیں۔ ان کے ایام میں دین و ملت کا کوئی تعمیری کام نہ ہوا۔ (تحقیق مزید، ص ۹۲)

الجواب ①: عباسی صاحب نے ازالۃ الخفاء میں فارسی تقطیع کلاں کے جس نسخہ کا حوالہ دیا ہے اس سائز کا پاکستان میں سہیل اکیڈمی لاہور نے ۱۹۷۶ء میں شائع کیا ہے۔ اس کی دو جلدیں ہیں۔ دوسری جلد ص ۱۴۲ تک تین جلدیں متن باترجمہ چھپ چکی ہیں باقیہ حصہ کا ترجمہ غالباً شائع نہیں ہوا۔

(ج ۲) متن فارسی (ص ۷) تک خلافت راشدہ کی بحث مفصل بیان کی گئی ہے۔ جس میں شیعہ عقیدہ امامت کی تردید میں خلفائے ثلاثہ کی خلافت راشدہ کے متعلق زیادہ بحث کی ہے لیکن ضمناً اس میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی ہیں اور آپ کی خلافت کے خلافت خاصہ ہونے کی بحث بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد (ص ۷) سے چاروں خلفائے راشدین کے جدا جدا مآثر جمیلہ بیان کیے گئے ہیں چنانچہ:

① ...... صفحہ ۷ پر عنوان ہے: مآثر جمیلہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، ص ۴۲ کے نصف تک حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مآثر جمیلہ ۳۵ صفحات میں ہیں۔

② ...... صفحہ ۴۲ پر عنوان ہے: مآثر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ یہ مآثر فاروقی ص ۲۲۰ تک ۱۷۸ صفحات میں ہیں۔

③ ...... صفحہ ۲۲۰ پر مآثر امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا عنوان ہے۔ مآثر عثمانی ص ۲۵۱ تک ۳۱ صفحات میں ہیں۔

④ ...... ص ۲۵۱ پر عنوان ہے: مآثر امیر المومنین امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ مآثر حضرت علی رضی اللہ عنہ کتاب کے آخر ص ۲۸۴ تک ۳۳ صفحات میں ہیں۔

ان میں سب سے زیادہ حضرت فاروق اعظم کے مآثر کا بیان ہے جو ۱۷۸ صفحات میں ہیں اور حضرت صدیق اکبر کے ۳۵ صفحات میں ہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے نزدیک حضرت فاروق اعظم کی خلافت راشدہ کا مقام حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت سے بڑا ہے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مآثر ۳۳ صفحات میں ہیں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ۳۱ صفحات میں تو کیا یہ کہا جائے گا کہ حضرت شاہ صاحب کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ صفحات کی زیادتی تو تعظیم و

تنقیص کا معیار ہی نہیں۔ پھر یہاں عباسی صاحب کی مہارت تو یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مآثر کے صفحات کی گنتی غلط انداز میں پیش کر کے ناظرین کو یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے ہاں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ علاوہ اس کے حضرت شاہ صاحب پر بھی چوٹ کرتے ہوئے محقق عباسی فرماتے ہیں:

ایسی صورت میں خانہ جنگیوں کے اندوہناک حالات بیان کرنے کے بجائے انہوں نے بتیس صفحات کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی وضعی حدیثوں اور روایات ہی سے پُر کر دینا تلافی مافات متصور کیا۔ (ایضاً ص ۹۳)

حضرت شاہ صاحب نے ۳۳ صفحات میں حضرت علی المرتضیٰ کے جو فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں عباسی صاحب یہ بھی برداشت نہیں کر سکے۔ علاوہ ازیں عباسی صاحب نے خلافت معاویہ و یزید۔ تحقیق مزید اور حقیقت خلافت ملوکیت وغیرہ کتابوں میں کتنے ہی اوراق سیاہ کئے ہیں جن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی واضح تنقیص و توہین پائی جاتی ہے اور بھی کئی مقامات میں غلط بیانیوں سے کام لیا گیا ہے جن کی نشاندہی ان شاء اللہ تعالیٰ بعد میں حسب موقع کی جائے گی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی توہین صریح:

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج پر بحث کرتے ہوئے عباسی صاحب لکھتے ہیں:

آزاد اور بے لاگ مؤرخین نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اقدام خروج کے سلسلے میں اس بات کو بیان کیا ہے۔ مشہور مورخ دوزی کا ایک فقرہ اس بارے میں قابل لحاظ ہے وہ لکھتا ہے: اخلاف (یعنی آنے والی نسلوں کا عموماً یہ شعار رہا ہے کہ وہ ناکام مدعیوں کی ناکامی پر جذبات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات انصاف، قومی امن اور ایسی خانہ جنگی کے ہولناک خطروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو ابتدا میں نہ روک دی گئی ہو۔ یہی کیفیت اخلاف کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ہے جو ان کو ایک ظالمانہ جرم کا کشتہ خیال کرتے

ہیں۔ ایرانی شدید تعصب نے اس تصویر میں خد و خال بھرے اور (حضرت حسین رضی اللہ عنہ) کو بجائے ایک معمولی قسمت آزما کے جو ایک انوکھی لغزش و خطائے ذہنی اور قریب قریب غیر معمولی حب جاہ کے کارن ہلاکت کی جانب تیز گامی سے رواں دواں ہو۔ ولی اللہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ان کے ہم عصروں میں اکثر و بیشتر انہیں ایک دوسری نظر سے دیکھتے تھے وہ انہیں عہد شکنی اور بغاوت کا قصوروار سمجھتے تھے اس لیے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی زندگی میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی اور اپنے حق اور دعویٰ خلافت کو ثابت نہ کر سکے تھے۔ (ص ۷۴ تاریخ مسلمانان اسپین مؤلفہ رین ہاوٹ دوزی، مترجمہ فرانسس گریفن اسٹوکس مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء)، (خلافت معاویہ و یزید، ص ۱۲۹)

یہاں اس سے بحث نہیں کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی ولی عہدی کی بیعت کی تھی یا نہیں۔ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ ایک غیر مسلم دوزی کا حوالہ جو عباسی صاحب نے پیش کیا ہے اس میں اس نے امام موصوف کے متعلق غیر معمولی حُب جاہ والا۔ عہد شکن اور بغاوت کا قصوروار قرار دیا ہے۔ اس میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صریح توہین پائی جاتی ہے یا نہیں۔ یہ عباسی صاحب کی حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کی دلیل ہے یا بغض و عناد کی؟

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت کے بارے میں عباسی تضاد بیانی:

عباسی صاحب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالسلام دیوبند زید مجدہم کی کتاب ''شہید کربلا اور یزید'' کے ایک اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: جس کسی نے بھی ہماری کتاب کا مطالعہ کیا ہوگا وہ اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی صحابیت سے کہیں بھی انکار نہیں کیا گیا۔ رضی اللہ عنہ کی علامت ہر جگہ ان کے نام کے ساتھ لکھی ہے اور ان کی طہارت طینت کے بارے میں یہ فقرات بھی کتاب کے ص ۱۷۸ پر تحریر ہیں: بہرحال حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی طہارت طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کر لیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی یہ سعادت کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج علی الجماعۃ کے شر سے محفوظ رکھا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ

جماعت کے فیصلہ کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کر دیا'' عمر کا ذکر تو ضمناً آ گیا تھا۔ اس ذکر سے نفی صحابیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔'' (خلافت معاویہ و یزید ص ۲۴ طبع چہارم)

یہ بحث تو ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اپنے موقف پر قائم رہے یا نہ۔ یہاں صرف یہ دکھانا ہے کہ مندرجہ عبارت میں تو عباسی صاحب صاف طور پر فرما رہے ہیں کہ حضرت حسین کی صحابیت کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کے نام کے ساتھ ہر جگہ رضی اللہ عنہ کی بھی علامت لکھی ہے۔ لیکن اسی صفحہ پر چند سطروں کے بعد ہی عباسی صاحب لکھتے ہیں:

> پس ان تصریحات سے جب حضرت حسین ؓ کا وفات نبویؐ کے وقت چار پانچ سال کا ہونا ثابت ہے تو صحابیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا چہ جائیکہ صحابی جلیل ہونے کا۔ (ایضاً، ص ۲۴)

کیا ان الفاظ سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے صحابی ہونے کی نفی نہیں ثابت ہوتی؟ اس کو تقیہ کہیں یا جھوٹ؟ (ب) ص ۲۴۰ پر لکھا ہے: عہد رسالت میں تو حسین ایسے طفل صغیر تھے کہ ان کی صحابیت کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

حضرت حسن و حسین صحابی نہیں (مولوی عظیم الدین):

عباسی صاحب کے تلمیذ خاص لکھتے ہیں:

تاریخی حقائق کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ کی وفات ۱۲ ربیع الاوّل ۱۱ھ کے موقعہ پر حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی عمر اس قدر کم ہے کہ انہیں صحبت نبوی سے فیض یاب ہونے کا موقعہ نہ مل سکا۔ بایں طور یہ دونوں نواسے رسول کریم ﷺ کے گود کھلائے تو کہے جا سکتے ہیں۔ صحابی نہیں لیکن ہمارے یہاں قدیم زمانہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی فاطمی اولاد کے بعض سلسلوں کو عقیدہ و عقیدت کی خود ساختہ بھول بھلیوں میں کچھ اس طرح مانا جاتا ہے کہ فضائل و مناقب کے عنوان سے جمع کردہ مفتریات و مکذوبات کے ڈھیر کی چھان پھٹک سے عہدہ برآ ہونا اس قدر دشوار ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے اساطین علم و کمال

بھی سبائی اور عجمی بولی بولنے پر مجبور دکھائی دیتے ہیں (۱۵ر محرم ۹۵ھ) حق تحقیق (ص ۴۳) مکتوب بنام قاری محمد صدیق صاحب کشمیری۔

خارجیت کا طوفان مولوی عظیم الدین صاحب:

عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مخالفت میں جو بنیادیں رکھی تھیں ان کے تلامذہ اور معتقدین انہی بنیادوں پر خارجیت کی تعمیر کر رہے ہیں بطور نمونہ حسب ذیل عبارات ملاحظہ فرمائیں:

① مولوی عظیم الدین اپنے مکتوب بنام شوکت علی عثمانی صاحب لکھتے ہیں مختصراً یہ کہ اس طرح یہ تحریک اپنے ابتدائی مراحل طے کر کے سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دردناک شہادت تک پہنچی۔ خلافت راشدہ کے پورے دور میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی سیاسی پارٹی کی حیثیت حزب اختلاف کی سی رہی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: لیکن یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ خلیفہ وقت کے خلاف اٹھنے والے انقلابی افراد پر جتنا اثر و نفوذ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حاصل تھا وہ کسی دوسرے کو نہ تھا۔ حتیٰ کہ معتقدین عین ہنگامہ و شورش کے دنوں میں بھی آپ کی بات مانتے رہے۔ اس لیے تاریخ کا طالب علم جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس خاموشی اور عدم توجہی سے متعلق تاریخی بیانات پر غور کرتا ہے جو انہوں نے عہد عثمانی کے اخیر ایام میں اختیار کی تو پھر وہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ آخر اس خاموشی، عدم تعاون اور خاطر خواہ سعی نہ کرنے کی کیا وجہ تھی۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ نے معمولی سی ابتدائی کوشش کو ادائیگی فریضہ کے لیے کافی سمجھ کر اس لیے سکوت و گوشہ نشینی اختیار کر لی ہو کہ بہر حال حکومت کے برخلاف اٹھائی جانے والی ہر تحریک نتیجے کے اعتبار سے ناامیدی و یاس کی اس طویل ترین شب کے اختتام کا پیغام دے رہی تھی جس کی طولانی وسعتوں میں آپ نے اب سے تقریباً بارہ برس پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت شیعہ مورخ علامہ طبری کے مطابق یہ کہتے ہوئے سفر شروع کیا تھا کہ: یہ خلافت ہمارا حق ہے اگر تم

اسے دو گے تو ہم قبول کریں گے اگر نہ دو گے تو ہم اونٹوں کی پشت پر سوار ہو کر چلے جائیں گے خواہ ہماری شب اوّل کتنی ہی طویل ہو۔ (حق تحقیق ص ۶۰)

"تبصرہ"

یہ لوگ ویسے تو طبری کو شیعہ کہتے ہیں اور اس کی روایات کو مکذوبات کا ڈھیر بتاتے ہیں لیکن جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف کوئی بات پیش کرنی ہوتی ہے تو پھر طبری کی مکذوبہ روایت تقدس وصداقت کا جامہ پہن لیتی ہے اندازہ لگائیں کہ خلافت راشدہ کے دور میں اگر حزب اقتدار اور حزب اختلاف کا تصور تسلیم کیا جائے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حکومت کا تختہ الٹنے والوں میں شریک بلکہ لیڈر قرار دیا جائے تو پھر سبائی شیعی نظریہ اور سبائی خارجی نظریہ میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ عباسی صاحب نے جو یہ لکھا تھا کہ: حضرت علی کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی کہ ان کے عزیز قریب ان کا مدینہ میں رہنا اس نازک وقت میں مناسب نہ سمجھتے تھے۔ مگر اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کا کہ وہ قتل کی سازش میں شریک تھے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ (تحقیق مزید ص ۸۴) اس نظریہ کی تفصیل وتشریح مولوی عظیم الدین صاحب کر رہے ہیں۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ شیعوں کا جو یہ عقیدہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی حق تھا اور وہ خلیفہ بلافصل تھے۔ عباسی پارٹی نے اس کی تائید کر دی البتہ اتنا فرق ہے کہ شیعہ اس نظریہ باطلہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت ومنقبت پر مبنی قرار دیتے ہیں اور عباسی پارٹی والے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خود غرضی اور منفعت پر۔

(۲) یہی مولوی عظیم الدین اپنے مکتوب بنام شوکت علی خان صاحب لکھتے ہیں کہ:

اصولی طور پر یہ بات ذہن نشین رہنی چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ عہد رسالت ہی سے بوجوہ اپنے آپ کو خلافت ونیابت رسول کا اوروں سے زیادہ حق دار سمجھتے تھے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں انھیں کسی انتظامی ذمہ داری کا اہل نہ سمجھتے ہوئے کوئی منصب عطا نہ کیا۔ صرف دو بار ذیلی ونچی قسم کی ڈیوٹی ذمہ لگائی یمن کی مہم سے خمس کی وصولی اور غزوہ

تبوک کے موقعہ پر اپنے اہل وعیال کی دیکھ بھال لیکن ان ہر دو موقعوں پر آپ نے جو رول ادا کیا وہ کتب احادیث و تاریخ کے اوراق میں دیکھا جا سکتا ہے۔ اسی بنا پر عہد رسالت کے بعد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی انہیں کسی کلیدی اور قومی و ملی اہمیت کے منصب کا اہل نہ سمجھا۔ یہاں تک کہ امام اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات، امام دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور امام سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب باندازِ دیگر آپ برسرِ اقتدار لائے گئے تو دنیا نے دیکھ لیا کہ ذاتی و شخصی اور انفرادی قسم کے فضائل کے باوجود آپ اسلام اور مسلمان قوم کے کامیاب نگہبان ثابت نہ ہو سکے۔ مظلوم خلیفہ کی تڑپتی لاش پر قائم کردہ حکمرانی قبول کرنے سے لے کر جمل و صفین اور نہروان میں ایک لاکھ کے لگ بھگ مسلمانوں کے کشت وخون تک تمام ہی واقعات اس حقیقت کا منہ بولتا تاریخی ثبوت ہیں۔ روایت سازی اور تاریخ نویسی کے دور میں اس ناکامی اور کمزوری کو روایات کی بھرمار سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی۔ (حق تحقیق ص ۴۵ شائع کردہ مجلس حضرت عثمان غنی کورنگی نمبر ۶ کراچی نمبر ۳۱)

مولوی عظیم الدین اس جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کو حکومت و خلافت کے لیے (العیاذ باللہ) نااہل ثابت کر رہے ہیں۔ جو سوائے غزوہ تبوک کے تمام غزوات میں شریک رہے ہیں جو اصحاب بدر میں سے ہیں۔ جو اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں۔ جن پر علام الغیوب نے اپنے راضی ہونے کا اعلان کیا ہے۔ جو سورۂ فتح رکوع آخر کی آیت ﴿**محمد رسول الله والذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم ترهم ركعا سجدا يبتغون فضلا من الله ورضوانا سيماهم في وجوههم من اثر السجود**﴾ ”محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں بہتر ہیں اور آپس میں مہربان ہیں، اے مخاطب تو ان کو دیکھے گا کہ کبھی رکوع کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں ان کے آثار بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں۔“ (حضرت تھانوی)

جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو خداوند عالم کی طرف سے بہ نشان نام جنت کی بشارت دی گئی ہے۔ مولوی عظیم الدین کے نزدیک روایات تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کی وضعی اور من گھڑت ہیں۔ لیکن کیا مندرجہ آیات قرآنی بھی ان کے نزدیک العیاذ

باللہ ملذوبہ ہیں۔ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ ان آیات کا مصداق نہیں ہیں۔ پھر ان کو خودغرض اور طالب جاہ واقتدار وغیرہ قرار دینا کیسا ایمان ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حکمرانی اور خلافت کی اہلیت نہ رکھتے تھے تو اس معاندانہ نظریہ کی جڑ تو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس وقت کاٹ دی تھی جب شوریٰ کے لیے چھ اصحاب مبشرہ کے نام پیش فرمائے تھے جن میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور حضرت عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی الہامی نگاہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ منصب خلافت راشدہ پر فائز ہونے کے اہل تھے۔ معلوم ہوا کہ مولوی عظیم الدین وغیرہ کا اعتراض صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ہی نہیں بلکہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی ہے کہ انہوں نے اس نااہل کا نام منصب خلافت راشدہ کے لیے کیوں پیش کیا تھا؟ کیا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اس انتخاب نے علی رضی اللہ عنہ دشمنی کی اس ساری بنیادوں کو اکھاڑ کر ھباء منثورا نہیں بنا دیا؟

بحق یزید قرآن کی معنوی تحریف:

قرآن وحدیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے مطابق چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور جنت کے جوانوں کے سردار حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف تو عباسی تحریک کے علمبردار نہایت بیباکی سے تنقید وجرح کرتے رہتے ہیں لیکن وہ یزید جو جمہور اہل سنت والجماعت کے نزدیک فاسق ہے اس کی مدح سرائی میں یہاں تک پرواز کر جاتے ہیں کہ مولوی عظیم الدین صاحب نے اس کے طریق انتخاب کو گویا معنوی تحریف کر کے انبیائے کرام علیہم السلام کے انتخاب کے مطابق قرار دیا ہے۔ میں نے ”دفاع صحابہ“ میں اس پر کچھ تبصرہ کر دیا ہے۔

عباسی صاحب آغا خان کی مدح میں:

ناظرین حیران ہوں گے کہ عباسی صاحب جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے خلاف ردسبائیت کی آڑ میں مستقل تحریک چلانے والے ہیں۔ سر آغا خان

کے مداح ہیں چنانچہ تاریخ کی جدید ترتیب و تدوین کی ضرورت کے تحت لکھتے ہیں کہ (اس کا احساس) نہ صرف فن تاریخ کے تقاضے کے لحاظ سے بلکہ مصالح ملیہ کے اعتبار سے بعض زعمائے ملت کو ہوتا رہا۔ قیام پاکستان کے بعد سے ہز ہائی نس سر آغا خان (سر سلطان محمد بالقابہ) نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس شدید ضرورت پر پاکستانی مفکرین و مورخین کو بار بار متوجہ کیا تھا۔ ہز ہائی نس سر آغا خان نے اپنی ایک تحریر میں فرمایا تھا:

> دنیائے اسلام کی صدیوں کی تباہی اور بربادی کے بعد پاکستان بحیثیت سب سے پہلی عظیم ترین اسلامی مملکت کے عالم وجود میں آیا ہے۔ اس لیے یہ موزوں ترین وقت ہے کہ اسلامی تاریخ کے اس عظیم الشان دور یعنی بنی امیہ کے درخشاں دور صد سالہ کی سچی تاریخ لکھی جائے اور پاکستانی پبلک کے سامنے پیش کی جائے جن کو اپنے ماضی کے سچے اور بے لاگ تناظر و تبصرے کی شدید حاجت ہے۔ (خلافت معاویہ و یزید طبع چہارم، ص ۴۸)

آغا خان نے ایک تقریر کراچی میں فروری ۱۹۵۰ء میں کی تھی اس کے اقتباسات درج کرتے ہوئے عباسی صاحب نے ان کے یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں کہ: پہلی صدی ہجری میں سیاسی قیادت متفقہ طور پر سے بنو امیہ کی قیادت یا بالفاظ دیگر اموی خلافت تھی۔ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے عباسی صاحب لکھتے ہیں:

ان الفاظ کی اہمیت اور قدر و قیمت بدرجہا بڑھ جاتی ہے جب اس کا لحاظ کیا جائے کہ یہ ارشادات اس طبقے کے روحانی پیشوا اور امام حاضر کے ہیں جس کے یہاں امامت اصول دین میں ہے مگر اس کے باوجود وہ عالم اسلامی کے اتحاد کے اس درجہ ساعی رہے کہ ترکی زعمائے وقت اگر ان کی تجویز دربارہ احیائے خلافت مان لیتے تو شاید اسرائیل کے ناسور کی عفونت نہ پھیلتی۔ مسلمانان ہند کی نشاۃ ثانیہ کی تحریک سے جس کی داغ بیل سر سید علیہ الرحمۃ کے مبارک ہاتھوں سے پڑی تھی اور بالآخر پاکستان کی تشکیل پر منتج ہوئی ہز ہائی نس عملاً وابستہ رہے اور اہم خدمات انجام دیں۔ (ایضاً ص ۵۰)

اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص دور بنی امیہ کی تعریف کر دے تو وہ قابل صد ستائش ہے اور امت مسلمہ کا لیڈر اور قائد بن سکتا ہے خواہ اس کا عقیدہ امامت قرآن مجید

کے بیان کردہ عقیدہ خلافت (راشدہ) کے خلاف ہی ہو۔ فرمایئے! آغا خانی عقیدہ امامت کے باوجود بھی عباسی تحریک کا ان سے اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا کالا ضرور ہے۔

ستم ظریفی:

اسی سلسلہ میں عباسی صاحب فرماتے ہیں:

اس خصوص میں بھی محترم امام شیعہ اسماعلیہ کی زریں مثال شمع ہدایت ہے جنہوں نے واشگاف الفاظ میں صاف کہہ دیا کہ خلیفہ سوم کی شہادت کے وقت تک کامل اتحاد رہا کوئی اختلاف نہ تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلٰثہ سے پورا تعاون کرتے رہے خلافت کا کوئی سوال نہ اٹھایا۔ جب انہوں نے ہی نہ اٹھایا تو ہم بھی کیوں اٹھائیں جب وہ ان کا احترام کرتے تھے تو ہم کیوں نہ کریں۔ اے کاش امت کا ہر طبقہ اختلاف عقائد کے باوصف اسی رواداری پر عمل پیرا ہو تو چمن اسلام پاکستان میں بھی اتحاد بین المسلمین سے وہ ہی کیفیت ہو کہ:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

(ایضاً، ص ۵۱)

معلوم نہیں عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کو اس بات کا احساس ہوا ہے یا نہیں کہ امام شیعہ سر آغا خاں کے مندرجہ الفاظ سے (کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلفائے ثلٰثہ سے پورا پورا تعاون کرتے رہے) خود عباسی صاحب کی اس تحقیق کی واضح تردید ہو جاتی ہے کہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مخالفت اس قدر نمایاں تھی (تحقیق مزید ص ۸۴)

نیز اس سے مولوی عظیم الدین صاحب کے اس نظریہ کی بھی تردید ہو جاتی ہے کہ:

خلافت راشدہ کے پورے دور میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی سیاسی پارٹی کی حیثیت حزب اختلاف کی سی رہی۔ (حق تحقیق ص ۶۰)

حالات کے تحت اس تضاد بیانی یا بالفاظ دیگر اس تقیہ بازی کے پیش نظر عباسی تحریک

کی گہرائی کا کچھ نہ کچھ اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فیلڈ مارشل ایوب خان اور عباسی

"اسوۂ عثمانی" کے تحت عباسی صاحب حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے صبر و استقامت اور سبائی بلوائیوں سے مقابلہ نہ کرنے پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں رقم طراز ہیں:

امت مسلمہ اس ذبیحہ عظیم و اسوۂ عثمانی سے سبق حاصل کرتی تو طلب خلافت کی خونریزوں سے اسلامی سیاست کے خدوخال اس درجہ مسخ نہ ہوتے جن کا قدرے اندازہ مسلسل مورخوں کے حالات سے ہوگا جو آئندہ صفحات میں ملاحظہ ہوں۔ اسلامی تاریخ میں شاید یہی ایک قابل تقلید مثال مفادات امت کے پیش نظر بغیر خونریزی کے سیاسی انقلاب پیدا کرنے کی ہے جو فیلڈ مارشل محمد ایوب خان اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں عمل میں آیا اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان حضرات کو کہ اس طرح اسوۂ عثمانی پر عمل تو ہو سکا۔ (تحقیق مزید، ص ۱۷۶)

اندازہ فرمائیں اس ریسرچ کا کہ اسلامی تاریخ میں اسوۂ عثمانی پر عمل کرنے والا سوائے جنرل ایوب خان کے عباسی صاحب کی نگاہ میں اور کوئی نہیں ہے۔ اہل پاکستان تو سب کچھ جانتے ہیں۔ سب کو معلوم ہے کہ جنرل ایوب خان مرحوم نے اقتدار جنرل یحییٰ خان کے حوالے کر دیا تھا جس کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان ہم سے نکل گیا اور عباسی صاحب اس سے بے خبر نہیں تھے لیکن فیلڈ مارشل صاحب کو راضی کرنا تھا اس لیے اس قسم کی چاپلوسی کا اظہار کر دیا۔ لیکن یہاں بھی ان الفاظ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر چوٹ کر گئے کہ:

> طلب خلافت کی خونریزیوں سے اسلامی سیاست کے خدوخال اس درجہ مسخ نہ ہوتے۔

عباسی صاحب صدر ایوب سے تو بصدق دل راضی ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے راضی نہیں جن سے بیعت رضوان میں رب العلمین راضی ہو گیا۔ عباسی صاحب کی اس قسم کی تحریرات پڑھنے کے بعد بہت زیادہ تعجب ہوتا ہے۔ ان علماء اور ان تعلیم یافتہ

حضرات پر جو محمود احمد عباسی صاحب کی تحقیق وریسرچ پر سر دھننے والے ہیں۔ واللہ الہادی

آیت بیعت رضوان کی تفسیر

علاوہ ازیں عباسی صاحب نے بیعت رضوان کی جو تفسیر کی ہے وہ تحریف ہے نہ کہ تفسیر (ملاحظہ ہو تحقیق مزید ص ۸۳) اور ان کے پیروکار مصنفین اور مقررین بھی یہی تفسیر پیش کر رہے ہیں۔ اس پر بحث ان شاء اللہ تعالیٰ کتاب کی دوسری جلد میں آئے گی۔

عزیر احمد صدیقی:

عباسی صاحب کے خصوصی تلامذہ میں سے ایک عزیر احمد صدیقی صاحب بھی ہیں۔ یہ دوسرے تلامذہ کی نسبت زیادہ صاف گو ہیں۔ کئی کتابچوں کے مصنف ہیں۔ اور عباسی تحریک کو پوری بے باکی سے آگے بڑھا رہے ہیں بطور نمونہ ان کی بعض تحریریں حسب ذیل ہیں:

① عزیر احمد اپنی کتاب: ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا (ص ۹۵) پر صحیح بخاری کی بعض روایات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہ کتاب قرآن کے بعد سب سے زیادہ سچی کتاب کہلاتی ہے کیونکہ یہ قرآن کی ناسخ ہے۔ مسلمان حدیث کو قرآن پر جو ترجیح دیتے ہیں اس لیے دیتے ہیں کہ اس میں مزیدار باتیں ہیں جو قرآن میں نہیں ہیں۔

② اپنی کتاب ''انمٹ باتیں'' ص ٦ پر لکھتے ہیں: ''ہماری تاریخ ہماری فقہ ہماری روایات یعنی حدیثیں اور تفسیریں سب مجوسیوں نے تیار کی ہیں''۔ اس کتاب کے ٹائٹل پر لکھا ہے: ناصبی سلسلۂ اشاعت نمبر ۱۲۔

③ ''تبرکات بخاری'' کے تحت لکھتے ہیں: اب دیکھئے بخاری صاحب نے اپنے مجوسی معاشرے کی حرام کاری عیاشی اور بدکاری کو کس خوبی سے مشرف بہ اسلام فرمایا ہے۔ (ایضاً ص ۱۰۴)

④ پس ختم نبوت کا نعرہ لگانا اپنی شیعیت کا اعتراف کرنا ہے اسی لیے ہم کہتے ہیں ہمارا اسولوی شیعیت کی پیداوار ہے (اسلام کہاں ہے)۔'' (حاشیہ، ص ۱۴۔۱۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف:

⑤ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلاف لکھتے ہیں کہ:

میں نے حضرت علی کا یہ کلام پڑھا کہ: **کلیث غاباتٍ کریہ المنظرۃ** تو استاد مرحوم علامہ محمود احمد عباسی کے پاس گیا اور پوچھا کیا واقعی حضرت علی رضی اللہ عنہ اتنے بدشکل تھے کہ خود فرماتے ہیں: ''میں جنگلی شیر کی طرح مکروہ صورت ہوں۔'' موصوف نے فرمایا نہیں یہ شریف رضی کی پرکاری ہے۔ حضرت علی کو شعر و شاعری سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ وہ کوزہ پشت وخمیدہ ساق تھے ان کے ہاتھ گھٹنوں سے نیچے تک لٹکتے تھے جس سے ان کو ذوالیدین کہا جاتا تھا مگر وہ بدصورت نہ تھے۔ (دیباچہ مکاتب علی رضی اللہ عنہ ومعاویہ رضی اللہ عنہ ص ۱۲)

یہ شعر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہے یا نہیں مگر عباسی صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کبڑا اور لنگڑا کہہ ہی دیا۔ تاکہ ان کی شجاعت کی نفی کی جاسکے۔

⑥ جنگ خیبر کے متعلق لکھتے ہیں: یہاں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اسلامی فوج کا علم دیا گیا۔ وہ اپنی جسمانی معذوری کی وجہ سے علم برداری کے سوا کچھ کر بھی کہاں پاتے۔

(ناصبی سلسلہ اشاعت ۱۱، اہل بیت رسول یا پنجتن، ص ۴۲)

⑦ اسی کتاب کے (ص ۳۵) پر جنگ بدر کے سلسلہ میں لکھتے ہیں: چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ابوجہل کی تلوار اور زرہ ملی جو بعد کو ذوالفقار مشہور ہوئی۔ یہ تیغ نہیں بلکہ تیغہ تھا جو ہڈیاں توڑنے کے کام آتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں اسلامی علم سنبھالا''۔

بغض علی رضی اللہ عنہ کا حال دیکھیے۔ ذوالفقار کو تیغ (تلوار) کے بجائے تیغہ بنا دیا۔ تاکہ کسی پہلو سے بھی حضرت مرتضیٰ کی کوئی فضیلت ثابت نہ ہوسکے۔

⑧ کتاب شمائل علی رضی اللہ عنہ'' مولفہ نذیر احمد شاکر کے مقدمہ میں عزیر صاحب موصوف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق لکھتے ہیں...... وہ کسی مشرکانہ خفیہ تحریک میں کیسے شامل ہوسکتے تھے خواہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معرفت ہی اسلام میں لائی جارہی ہو۔ بدقسمتی سے حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک کمزور اور معذور فرد ہوتے ہوئے بھی محض اپنے پروہتی ورثے کی بنیاد پر

اقتدار اور لیڈری کے خواب دیکھتے تھے ان کو اپنی نسبی قرابت پر ناز تھا۔ یہودیوں اور مزدکیوں نے ان کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھایا۔ انہیں مدینہ سے اغوا کر کے لے گئے اور کوفہ میں بٹھا کر انہیں بابل اور نینوا کی میراث دے دی۔ اس طرح کوفی اسلام کی بنیاد پڑ گئی۔"

⑨ اسی کتاب "شمائل علی" کے مصنف نذیر احمد شاکر صدیوں بعد کے خاندان علی رضی اللہ عنہ کے افراد کی بدکاریوں وغیرہ کے حالات (صحیح ہیں یا غلط) لکھتے ہوئے آخر میں یہ غلیظ نکالتے ہیں کہ:

علوی حکومت کے نمونوں سے تاریخی کتابیں بھری پڑی ہیں جن کے پڑھنے سے ایک سچے مسلمان کا دل غم و غصہ سے بھر جاتا ہے اولادِ علی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کا خون دوڑ رہا تھا۔ (ص ۱۱، العیاذ باللہ)

اس قسم کی گندی کتابوں کی اشاعت کے باوجود بھی مولانا سندیلوی کی یہ تحقیق قبول کی جائے گی کہ پاکستان میں ناصبیت اور خارجیت کا وجود ہی نہیں ہے۔

ایں چہ بوالعجبیست

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیر:

⑩ یہی شاکر صاحب لکھتے ہیں یہ حدیث دودھ الگ اور پانی الگ کر دیتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے دکھاوے کے لیے بیعت عامہ کے دن حضرت ابوبکر کی بیعت کی مگر دل میں ان سے بیر رکھتے تھے۔ (ایضاً شمائل علیؓ، ص ۱۲۱)

اور رافضی بھی یہی کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دل سے نہیں ملکہ از روئے تقیہ بیعت کی تھی، پھر دونوں میں کیا فرق رہا؟

⑪ عزیر احمد نے لکھا ہے پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بنو ہاشم اسلام لانے کے بعد بھی کوئی مناصب حاصل نہ کر سکے۔ اس کی وجہ یہی تھی کہ عباس، عقیل، جعفر و علی رضی اللہ عنہم اپنی متولیانہ و مشائخانہ تربیت کی وجہ سے انتظامی امور کے اہل نہ تھے اور جو کام وہ جانتے تھے اس کی نئے دین کی وجہ سے کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی۔ اس لیے یہ حضرات زندگی بھر دشتے

پاتے رہے جو خلفائے راشدین نے بھی حسب حال جاری رکھے۔
(ناصبی سلسلہ تحقیقات نمبر ۷، حیات سیدنا سکینہ بنت سیدنا حسین شہید کربلا ص ۴۹)۔

گویا کہ رسول اللہ ﷺ کی تربیت وتزکیہ کے بعد بھی وہ نااہل اور مفت خورے ہی رہے اور خلفائے راشدین پر الزام لگا دیا کہ وہ ان نالائقوں کو قومی فنڈ زمیں سے عطایا دیتے تھے؟

علی رضی اللہ عنہ وعثمان رضی اللہ عنہ کی دشمنی:

اس کے بعد اسی صفحہ پر لکھتے ہیں: سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخری ایام خلافت میں ایک یمنی یہودی مدینہ آیا اس نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکومت سے شاکی اور خلافت کے لیے بے چین پایا وہ ان کا ہمدرد بن گیا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس کے کید کو نہ سمجھ سکے اپنے دل کا حال اگل دیا۔ یہودی نے کہا بھئی خوب۔ بنی امیہ کا یہ ستر سالہ بڈھا گدی چھوڑنے کو راضی نہیں اور بنو ہاشم جو رسول کے خاندانی لوگ ہیں صرف وظیفے پر بسر کر رہے ہیں۔ اجی خلافت آپ کا حق ہے ہم آپ کو حق دلائیں گے حکم کیجئے اور دیکھئے اور غالباً وہ حکم مل گیا۔ تو یہودی فوراً عراق کی طرف روانہ ہوگیا۔ بہت سے مجوسی مسلمان بنے بیٹھے تھے چند ماہ بعد ہی یہودی اپنے تین ہزار آزمودہ کار چیلے لے کر زمانہ حج میں جب مدینہ خالی تھا دار الخلافہ میں گھس آیا اور خلیفہ مظلوم کو شہید کر کے تاج خلافت بنو ہاشم کے سپوت کے قدموں میں ڈال کر داد کا طالب ہوا۔

نیز لکھتے ہیں: جب خلفائے اسلام اس اسلامی ریاست کے سیاسی استحکام میں مصروف تھے اور علی رضی اللہ عنہ ان کے لیے سازشوں کے جال بچھا رہے تھے۔ ام المومنین صرف اشاعت دین میں مصروف تھیں۔ (حیات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا، ص ۵۰)

عباسی صاحب کی ریسرچ بھی یہی ہے۔ مولوی عظیم الدین نے بھی تصریح کر دی ہے اور عزیز احمد صاحب نے مزید وضاحت کر دی ہے یعنی اس پارٹی کے نزدیک حضرت عثمان ذوالنورین کی حکومت کا تختہ الٹنے میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ تھا۔

حضرت عائشہ اور حضرت علی کی دشمنی:

⑫ یہی عزیز صاحب واقعہ افک کے متعلق لکھتے ہیں: یہ ایک بے بنیاد الزام ہے جو مجوسی مفسرین نے سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے سر تھوپ دیا ہے۔ قرآن میں کسی پاک دامن خاتون کا ذکر ہے اور ایسی صورت میں بہتان لگانے والوں کو اسی کوڑے مارنے کا حکم دیا گیا ہے اگر یہ ام المومنین کا معاملہ ہوتا تو یقیناً علی مرتضٰی کے بھی کوڑے لگائے جاتے کیونکہ شان نزول میں ان کا نام بھی شامل ہے۔

(حیات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ صلوات اللہ علیہا ص ۵۰)

⑬ یہی عزیز احمد لکھتے ہیں: ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے واقعی امت کی ماں ہونے کا حق ادا کر دیا اور اسلام کو مجوسیوں کی شر سے بچالیا تھا۔ آپ کا اقدام صحیح تھا یعنی جب علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ ❶ نے اپنے ایرانی حامیوں کی مدد سے عثمان غنی کے بڑھاپے اور شرافت سے فائدہ اٹھا کر خلافت پر قبضہ کر لیا: ام المومنین نے اس غداری اور سازش سے پردہ اٹھایا (ایضاً ص ۵۸) یہاں عزیز صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی چوٹ کر دی کہ بڑھاپے کی وجہ سے وہ دشمنوں کی سازش کا تحفظ نہ کر سکے۔

قطب مصری:

اور یہی بات مودودی جماعت کے ممدوح مفکر اسلام سید قطب مصری نے لکھی ہے۔ لیکن دراصل یہ پہلا حادثہ نہ تھا اس سے بدتر واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مؤخر کر کے ضعیف العمری کے زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بنایا جانا ہے۔ جس کے نتیجہ میں سلطنت کی کنجیاں مروان بن حکم کے قبضہ میں چلی گئیں۔ (اسلام کا نظام عدل ص ۳۳۸) تفصیل میری کتاب ''مودودی مذہب'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

❶ مرتضٰی کے معنی ہے پسندیدہ، یہ حضرت علیؓ کا لقب ہے، لیکن عزیز احمد اس کا معنی تنگ دست مزدور لکھتے ہیں۔ ملاحظہ ہو (حیات ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ، ص ۵۰)

حضرت علی چوتھے خلیفہ بھی نہیں:

⑭ علی مرتضیٰ نے ایرانی مجوسیوں کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف نہ کیا۔ خود ان کے ہی ایک پرستار کے ہاتھوں انہیں ختم کر دیا پھر حکومت بھی ان کی نسل میں نہ آسکی۔ یہ ام المومنین کی بد دعا تھی۔ ام المومنین علی مرتضیٰ کے بعد ۱۸ سال زندہ رہیں اور خلیفہ رابع سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اس عزت واحترام سے ہر موقع پر ام المومنین سے مشورہ کرتا رہا جیسے خلفائے ثلٰثہ کرتے تھے اور آپ کی عظمت ومرتبہ کو بحال کر دیا جو ایک ناخلف بیٹے نے سرتابی کر کے مجروح کی تھی۔ (ایضاً،ص ۵۹)

اسی کتاب میں ''کید امامت'' کی بحث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:
حالانکہ وہ مسلمانوں کے خلیفہ نہ تھے۔ خلافت ان کے دور اقتدار میں معرض بحث بنی رہی۔ البتہ چار سال بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت علیٰ منہاج النبوہ دوبارہ قائم کی اور دنیائے اسلام کو ایک مرکز پر جمع کیا۔ (ایضاً،ص ۵۸)

عزیز صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو رابع خلیفہ قرار دے کر اور یہ لکھ کر کہ حضرت علی مسلمانوں کے خلیفہ نہ تھے آپ کے خلفیہ برحق ہونے کی بالکل ہی نفی کر دی ہے۔ اور اس گروہ کا یہی نظریہ ہے۔ چنانچہ مولوی عظیم الدین صاحب نے بھی اپنی کتاب ''حیات سیدنا یزید'' میں متعدد بار خلفائے راشدین ثلٰثہ کے الفاظ لکھے ہیں اور چوتھے نمبر پر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ہی نام لکھا۔ حالانکہ اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ تھے۔

ابو یزید بٹ:

یہ بھی محمود احمد صاحب عباسی کے فیض یافتہ ہیں۔ یہ کٹر قسم کے خارجی ہیں۔ سنا ہے کہ تھوڑا عرصہ ہوا انتقال کر چکے ہیں۔ ان کی ایک کتاب ''خلفائے ثلٰثہ'' ہے۔ اس نام سے ہی واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ کو چوتھا خلیفہ نہیں مانتے اس رسالہ میں انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ آیت استخلاف کا مصداق صرف تین خلفاء ہیں (۲) بٹ صاحب

کی مشہور کتاب بنام:

"خلافت رشید بن رشید امیر المومنین سیدنا یزید رضی اللہ عنہ ہے۔"

ابو یزید محمد دین بٹ صاحب یزید کے نام کے ساتھ (رضی اللہ عنہ) لکھتے ہیں اور اس کے جواز بلکہ ضرورت کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ: صحابہ کرام کی شان و بزرگی کے پیش نظر اور ان بزرگوں کے مرتبے اور عزت کی خاطر ان کے امیر اور امام کو (رضی اللہ عنہ) کہنا از حد ضروری ہے ورنہ ان بزرگوں کی شان میں گستاخی ہوگی۔"

نیز حدیث **مغفور لہ** سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اگر اس مغفور فوج کے ہر فرد کے نام کے ساتھ (رضی اللہ عنہ) لکھا جائے تو صحیح اور درست ہے تو پھر اس مغفور فوج کے جرنیل کو کیوں نہ (رضی اللہ عنہ) کہا اور لکھا جائے۔ (۴) اس کتاب میں بٹ صاحب نے یزید صاحب کے فضائل و مناقب بھی لکھے ہیں۔ اور تلبیس و افتراء کا یہ حال ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دار العلوم دیوبند کو بھی یزید کے مداحوں میں لکھ دیا۔ چنانچہ عنوان لکھا ہے:

"مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی جہاد امیر المومنین یزید کے معترف ہیں۔"

متحدہ ہندوستان کے عالم دین محمد قاسم صاحب نانوتوی مدرس اعلیٰ دار العلوم دیوبند بھی تسلیم کرتے ہیں کہ امیر المومنین یزید جہاد قسطنطنیہ میں امیر کی حیثیت سے شامل تھے اور حدیث مغفرت میں بھی شامل ہے۔ (۱۵۵)

حالانکہ حضرت نانوتوی نے یزید کو اپنی کتاب "ہدایۃ الشیعہ" میں پلید لکھا ہے اور اپنے ایک مکتوب میں بھی اس کو پلید لکھتے ہیں۔ یزید کی ولی عہدی پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

جس وقت کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید پلید کو اپنا ولی عہد بنایا تھا وہ علانیہ فاسق نہ تھا اگر اس نے کچھ کیا ہوگا در پردہ کیا ہوگا حضرت معاویہ کو اس کی خبر نہ تھی علاوہ ازیں جہاد میں یزید کا حسن تدبر جیسا کہ اس سے دیکھا گیا مشہور ہے۔"

(قاسم العلوم ص ۱۷۳)

اس کے بعد حدیث مغفور لہم پر بحث کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

یزید ہم از فضائل ایں بشارت محروم ماند

"یزید بھی اس بشارت کی فضیلتوں سے محروم رہا۔" (ایضاً، ص ۲۰)

حضرت نانوتوی یزید کی جنگی مہارت کے قائل ہونے کے باوجود اس کو بھی حدیث مغفرت سے خارج قرار دے رہے ہیں۔

بٹ صاحب کا سوالنامہ:

بٹ صاحب نے اس کتاب کے ص ۳۳۶ پر ایک سوالنامہ شائع کیا ہے جو انہوں نے علماء کے پاس جواب کے لیے بھیجا تھا۔ اور علماء نے جو ان کے جوابات دیئے وہ بٹ صاحب نے کتاب کے آخر میں شائع کر دیے ہیں۔ لیکن ناواقف آدمی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ شاید ان علماء نے ساری کتاب پڑھ کر اپنی تقریظ لکھی ہے۔ ان علماء میں علامہ شمس الحق صاحب افغانی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمۃ اللہ علیہ کے جوابات بھی ہیں۔ علامہ افغانی نے یہی لکھا ہے کہ: یزید کے متعلق اہل سنت کے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ لعنت نہ کی جائے کیونکہ جس شخص کا خاتمہ بالکفر یقینی معلوم نہ ہو تو اس پر لعنت حرام ہے اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم و بانی مدرسہ خیر المدارس ملتان کا جواب لکھا ہے: یزید اہل سنت والجماعت کے نزدیک تو مسلمان تھا۔ ہماری نظر میں گنہگار، آخرت کا معاملہ خدا کو معلوم، بس یہ اعتقاد کافی ہے۔" اس جواب پر بٹ صاحب طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ماشاء اللہ مولانا صاحب نے دونوں باتیں ٹھیک کہیں اس لیے کہ آنحضور ﷺ کا ارشاد گرامی کہ قسطنطنیہ کی پہلی فوج کے لیے مغفرت ہے اور امیر المومنین یزید اس فوج کے کمانڈر تھے۔ پھر اہل سنت کے نزدیک مسلمان کیوں نہ ہوں۔ رہا مولانا کے نزدیک گنہگار تو آخر آنحضور ﷺ کی پیشگوئیوں کو جھٹلانے والا بھی تو کوئی ہونا چاہیے۔ (ص ۳۷۱)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بٹ صاحب یزید کو غالباً معصوم مانتے ہیں ورنہ گنہگار کہنے

پر اتنے مشتعل نہ ہوتے۔ یہ بیچارے (یزید کی محبت کے مارے) اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ گنہگار بھی آخر میں بخشے جائیں گے البتہ کافروں کے لیے بخشش نہیں ہے۔ حدیث مغفور لہم پر بحث اپنے مقام پر آئے گی۔ بطور نمونہ مذکورہ دو حضرات کے جوابات اس لیے پیش کر دیئے ہیں کہ ناظرین ان کے جوابات کی حیثیت سے واقف ہو جائیں کیونکہ ناواقف لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ جن علماء کے جوابات اس کتاب رشید بن رشید میں منقول ہیں وہ سب اس یزیدی خارجی گروہ کے حامی ہیں چنانچہ ان کے جوابات سے معلوم ہو سکتا ہے۔

حکیم فیض عالم صدیقی:

حکیم فیض عالم صاحب صدیقی (مقیم جہلم) بھی عباسی تحریک کے علمبرداروں میں سے ہیں۔ ان کے مداح ان کو عباسی ثانی کہتے ہیں (ملاحظہ ہو مقام صحابہ ص ۴) حکیم صاحب کوئی سند یافتہ عالم نہیں صرف ادیب کامل اور فاضل فارسی کی سند رکھتے ہیں۔ ہائی اسکول ڈھریالہ جالب ضلع جہلم میں ایک عرصہ ٹیچر رہے ہیں۔ وہ پہلے اہل حدیث [1] کے مسلک پر تھے (لیکن اب وہ عباسی صاحب کے نظریات کے مقلد ہیں) انہوں نے اپنی کتاب اختلاف امت کا المیہ حصہ دوم (ص ۱۰۵) پر امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:

---

[1] حکیم صاحب ڈھریالہ جالب میں تقیہ کر کے حنفی بھی بنے رہے ہیں چنانچہ خود لکھتے ہیں: قصبہ ڈھریالہ جالب ضلع جہلم کی جامع مسجد میں سالہا سال تک فی سبیل اللہ خطبات جمعہ کی سعادت حاصل رہی۔ محلہ کی مسجد میں پانچ وقت کی امامت کے فرائض ادا کرتا رہا...... گو چند سالوں سے وجدانی طور پر اہل حدیث تھا مگر عملی طور پر احناف کی طرح ہی نمازیں ادا کرتا تھا آخر خیال آیا کہ یہ بزدلی کب تک چلے گی۔ میں نے سنت کے مطابق نمازیں ادا کرنے کی ابتداء ہی کی کہ تمام قصبہ یک لخت مخالفت پر آمادہ ہو گیا مگر افراد خانہ میں سے کسی نے بھول کر بھی نہ کہا کہ یکلخت آپ نے کیا شروع کر دیا ہے۔ قصبہ کے وہ لوگ جو میری ذات کو ایک مثالی شخصیت سمجھتے تھے اور بیسیوں ایسے تھے جو مجھ سے قرآن کا ترجمہ پڑھ چکے تھے ان میں سے ایک نے بھی میرے مسلک کا ساتھ نہ دیا۔ آخر مجھے وہاں سے اپنا ذاتی مکان فروخت کر کے نقل مکانی کرنا پڑی۔ (سادات بنی رقیہ حاشیہ ص ۵۶) (نوٹ) آپ کا تقیہ کھل جانے کے بعد آپ کے شاگردوں کو آپ پر کیونکر اعتماد ہو سکتا تھا۔ (ب) تقیہ کے اس دور میں آپ کے نمازیوں کا کیا حشر ہوگا۔

''ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کوفی، آپ کی پیدائش ۹۰ھ میں ہوئی، کسی صحابی سے آپ کی ملاقات ثابت نہیں مجوسی النسل تھے اور آپ کے دادا مسلمان ہوئے تھے چہ عجب کہ باقی مجوسی النسل نومسلموں کی طرح نسلی عصبیت ورثہ میں ملی ہو۔''

یہ ہے حکیم صاحب کی عنادی ذہنیت۔

مولانا نذیر حسین دہلوی اور حکیم فیض عالم:

مسلکاً اہل حدیث ہونے (یا رہنے) کے باوجود ہندوستان میں علمائے اہل حدیث کے پیشوائے اعظم مولانا میاں سید نذیر حسین صاحب دہلوی مرحوم کو بھی معاف نہیں کیا۔ چنانچہ میاں صاحب مرحوم موصوف نے جمہور اہل سنت والجماعت کے مسلک کے مطابق ایک استفسار کے جواب میں یہ فرمایا کہ: شیخ عبدالقادر جیلانی نے لکھا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف نکلے تو لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی سو آپ شہید ہونے تک امام برحق تھے لیکن خارجی ان کو امام نہیں مانتے۔ خدا ان کو غارت کرے اور حضرت علی وطلحہ و زبیر ومعاویہ وحضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم کی جنگ سے اپنی زبان کو روکنا چاہیے۔ اسی سلسلے میں مولانا مرحوم نے لکھا ہے کہ: اور جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی بدگوئی کرے حقیقت میں وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتا ہے پس اپنے عقیدہ سے توبہ کرنا لازمی ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عقیدہ یہ تھا کہ ان چاروں خلفاء کی خلافت جس ترتیب سے ہوئی ہے اسی ترتیب سے ان کا مرتبہ اور مقام تھا۔ اس اجمال کی تفصیل اگر دیکھنا ہو تو شرح مواقف شرح مقاصد اور ازالۃ الخفاء کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم

اور اس سلسلہ میں میاں صاحب نے تحریر فرمایا کہ: امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی اور اس لڑائی میں حضرت علی حق پر تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر اور اس اجتہادی غلطی پر اہل سنت کے نزدیک سب وشتم اور بدگوئی کرنا درست نہیں۔

(ملاحظہ ہو فتاوی نذیریہ جلد سوم ص ۴۵۵)

چونکہ یہ جواب عباسی نظریہ کے خلاف ہے اس لیے حکیم فیض عالم صاحب میاں

صاحب کے پیچھے پڑ گئے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد کی طرف نکلے تو لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میاں صاحب کا یہ عظیم افتراء ہے اور اصل واقعات سے عدم واقفیت۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نہ کسی مسجد سے نکلے اور نہ ان کے ہاتھ پر کسی نے بیعت کی۔ حضرات طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ سے الاشتر کی تلوار کے سایہ میں جبراً بیعت لی گئی تھی اور بس۔ معلوم ہوتا ہے کہ میاں صاحب بری طرح سے نسلی عصبیت کا شکار تھے۔ سیدنا علی کو خلیفہ بنانے والے قاتلین عثمان تھے اور بس۔ حتیٰ کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ بھی اپنے گرامی قدر والد کی خلافت کے خلاف تھے۔ خلافت نبوت کا خاتمہ سیدنا ذوالنورین کی شہادت پر ہو گیا۔ سیدنا علی کی نام نہاد خلافت ایک عبوری دور تھا۔ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی کے سلسلہ میں حکیم صاحب لکھتے ہیں:

میاں صاحب ہر جگہ اجتہادی غلطی کا کھڑاک کھڑا کر کے حقیقت سے غض بصر کرتے چلے جا رہے ہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے ان کے جوابات کو ایک بار پھر پڑھیے اور یہ بھی ذہن میں رکھئے۔ سیدنا معاویہ قرآنی زبان میں کراھ بررۃ ہیں اور زبان رسالت سے ہادی و مہدی کی تمغہ یافتہ بھی۔ ہادی و مہدی کو اجتہادی غلطی کا مرتکب قرار دینا میاں صاحب کی ہی جرأت ہے۔

تبصرہ:

حکیم صاحب بیچارے بہت زیادہ ناقص الفہم ہیں اور پھر مغلوب الغضب بھی ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جو ہادی و مہدی ہوں ان سے اجتہادی خطاء کا صدور نہیں ہو سکتا۔ علاوہ ازیں اگر انہیں یہ احساس ہوتا کہ حضرت علی المرتضیٰ تو عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ مجاہدین بدر میں شامل ہیں۔ مہاجرین اوّلین میں سے ہیں۔ اور اصحاب بیعت رضوان میں شامل ہیں۔ جن کو قرآن مجید میں خداوند عالم نے اپنی رضامندی کی سند عطا فرمائی ہے۔ تو اپنی تصانیف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص و توہین نہ کرتے اور نہ ان کو نام نہاد خلیفہ قرار دیتے۔ نیز اس سلسلہ میں حکیم صاحب حضرت میاں صاحب دہلوی کے یہ الفاظ نقل کر کے کہ:

''اور نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اس سے ناجائز ہوئی'' لکھتے ہیں:

''مگر جائز ہی کہاں ہوئی؟ کیا اس لیے جائز ہوئی کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں خلیفہ منتخب کیا تھا۔''

(ملاحظہ ہو، حکیم فیض عالم صاحب کی کتاب سادات بنی رقیہ از ص ۴۰ تا ۴۷)

کتاب خلافت راشدہ اور حضرت علی:

حکیم صاحب موصوف کی ایک اور کتاب ہے ''خلافت راشدہ'' قرآن وحدیث کی روشنی میں تحقیقی جائزہ اس میں بھی لکھتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی نام نہاد خلافت نہ تو قرآنی معیار پر پوری اترتی دکھائی دیتی ہے نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خلافت کے متعلق کوئی اشارہ فرمایا ہے تو آج کے ان بزعم خویش ''مولاناؤں'' کو یہ حق کس نے دیا ہے کہ وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خلافت راشدہ میں شمار کر کے بالواسطہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تکذیب کا ارتکاب کریں (خلافت راشدہ ص ۶۳)

گویا کہ حکیم صاحب کے نزدیک جمہور علمائے اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تکذیب کرنے والے ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چوتھے خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دوسرے محققین نے قرآن کی آیت تمکین اور آیت استخلاف سے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت چاروں خلفائے راشدین کی خلافت راشدہ ثابت فرمائی ہے۔

حکیم صاحب کا یہ لکھنا بھی بالکل غلط ہے کہ: نہ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی خلافت کے متعلق کوئی اشارہ فرمایا ہے۔ کیونکہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ قدس سرہٗ نے لکھا ہے:

فی الخصائص اخرج الطبرانی وابو نعیم عن جابرؓ بن سمرة قال قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم لعلي انك مومن مستخلف وانك مقتول وان هذه مخضوبة من هذه يعني لحيته من راسه۔

''خصائص میں ہے کہ طبرانی اور ابونعیم نے جابر بن سمرۃ سے روایت کی ہے

کہ وہ کہتے تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم خلیفہ بنائے جاؤ گے اور تم مقتول ہو گے اور تمہاری یہ ڈاڑھی تمہارے سر کے خون سے رنگین ہو گی۔" (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل، ص ۵۹۳)

علاوہ ازیں متکلم اسلام علامہ حیدر علی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ تفسیر مدارک اس حدیث سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ پر استدلال کیا ہے:

قلت ما الحق قال الاسلام والقران والولایۃ اذا انتهت الیك۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ حق کیا ہے تو آپ نے فرمایا: اسلام، قرآن اور ولایت (یعنی خلافت) جب آپ تک منتہی ہو۔

اس حدیث سے استدلال کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وبودن ذات والا صفات حضرت مرتضوی خاتمہ خلافت نبوی بادلہ قاطعہ وبراہین ساطعہ نزد اہل سنت وجماعت کہ آنجناب را خاتم الخلفاء می گویند وخلافت راشدہ برآنجناب مختوم می دانند ظاہر است۔

(ازالۃ الغین جلد دوم، ص ۱۴۷)

"اور حضرت علی مرتضیٰ والا صفات کا خاتمہ خلافت نبوی ہونا اہل سنت وجماعت کے نزدیک قطعی دلائل اور روشن براہین سے ثابت ہے، جس کی وجہ سے آپ کو خاتم الخلفاء کہتے ہیں اور خلافت راشدہ کو آپ پر ختم مانتے ہیں۔"

اگر کوئی کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تک خلافت کے منتہی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک خلافت ختم ہو گئی۔ تو اس شبہ کا جواب دیتے ہوئے آیات قرآنی پیش کرتے ہیں مثلاً الی ربك منتهاها وغیرہ۔ نیز یہ محاورہ پیش کرتے ہیں کہ "در کتب رجال ودر تراجم رواۃ بیش از بیش خواہی دید کہ انتهت الیه ریاست الحدیث وینتهی الیه الفقه والکلام الی غیر ذالك (یعنی رجال حدیث کی کتابوں اور راویوں کے ترجموں (حالات) میں زیادہ سے زیادہ تو یہ الفاظ دیکھے گا کہ اس تک ریاست حدیث ختم ہو گئی ہے (یعنی وہ رئیس المحدثین ہیں) اور ان تک فقہ اور کلام ختم ہوتے ہیں وغیرہ۔

حق چار یار سے پریشانی:

حکیم فیض عالم صاحب لکھتے ہیں: گویا اللہ تعالیٰ، نبی اکرم ﷺ اور تمام صحابہ کو جو بات نہ سوجھی وہ زکوٰۃ وصدقات اور خیرات کی روٹیوں پر پلنے والوں اور یتیم خانوں سے مطبخوں کی ہنڈیا چاٹ کر پروان چڑھنے والے نام نہاد مولویوں کو نظر آگئی اور انہوں نے۔ خلافت راشدہ حق چار یار کے نعروں سے ایک عالم کو پریشان کر رکھا ہے۔

(ایضاً خلافت راشدہ ص ۳۰)

چونکہ حضرت مولانا عبداللطیف مہتمم جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب کی زیر قیادت شہر جہلم حق چار یار کے اعلان سے گونج رہا ہے اس لیے حکیم صاحب زیادہ پریشان ہیں۔ لیکن ایک عالم تو اس سے پریشان نہیں صرف فیض عالم پریشان ہیں (اب) تو حق چار یار پاکستان کی سرحدوں کو بھی عبور کر کے دور دور پہنچ گیا ہے۔ علاوہ ازیں لکھتے ہیں: لیجئے جناب حق چار یار کے نعروں پر سر دھننے والے کیا بھی کیا یاد کریں گے۔ ہم نے ان کے لیے چھ مقامات پر چار کا عدد پورا کر کے پیش کر دیا ہے مگر افسوس کہ ہم اپنی بھرپور طالب علمانہ کاوش اور کوشش کے باوجود ان کی اس خواہش کو پورا کرنے سے محروم رہے یعنی کسی ایک مقام پر بھی حضرات ابو بکر، عمر، عثمان اور علی ؓ کے اسمائے مبارکہ اس ترتیب سے تلاش نہ کر سکے ہاں اگر کوئی مقلد سنی یا غیر مقلد مولوی ہماری اس خواہش کو پورا کر سکیں تو ہم نہ صرف ان کی علمی فضیلت کے قائل ہو جائیں گے بلکہ شاید ان کے اس علمی انکشاف سے بہتوں کا بھلا ہو جائے۔ (ایضاً ص ۶۲)

چار یار کا ثبوت:

چار یار کے اسمائے مبارکہ کی ترتیب حدیث سے ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں۔ یہی کافی ہے کہ حضور رحمت للعالمین خاتم النبیین ﷺ کے بعد اسی ترتیب سے یہ چاروں حضرات خلیفہ بنے ہیں۔ اگر حکیم صاحب خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ ؓ کی خلافت کو نہیں مانتے تو یہ لازم آئے گا کہ حضرت ذوالنورین کی شہادت اور حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا درمیانی دور خلافت سے محروم رہا۔ فرمایئے اس درمیانی قریباً پنج سالہ مدت میں صحابہ کرام اور تابعین عظام کا اسلامی سربراہ کون تھا۔ آپ اگر یہ جواب دیں کہ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی کی خلافت کا دور تھا لیکن عبوری تھا لیکن اگر عبوری دور خلافت آپ کے نزدیک قابل اعتماد نہیں اور اس کو آپ خود نام نہاد دور خلافت قرار دیتے ہیں تو پھر یہ درمیانی دور خلافت موعودہ سے خالی ہی رہے گا۔ اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ کیسے پورا تسلیم کیا جائے گا جو سورۃ النور کی اس آیت میں فرمایا ہے:

﴿ وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض ﴾

"اللہ نے تم میں سے ایمان اور عمل صالح والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ ان کو ملک میں ضرور خلیفہ بنائے گا۔"

منکم کی قید سے معلوم ہوا کہ یہ قرآنی وعدہ ان مومنین صالحین سے ہے جو نزول آیت کے وقت موجود تھے اور یقیناً چاروں خلفائے راشدین اس وقت موجود تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت اسلام نہیں لائے تھے اور سورۃ الحج کی آیت تمکین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وعدہ مہاجرین صحابہ سے اور چاروں خلفاء مہاجرین اوّلین میں سے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے نہیں۔ تو فرمایئے کیا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اس درمیانی عرصہ میں مومنین صالحین اور مہاجرین صادقین میں سے کوئی بھی نہ تھا۔ اگر تھے اور یقیناً تھے تو ان کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ کیوں پورا نہ ہوا۔ حکیم صاحب آپ روایات نہ دیکھیں۔ سب سے پہلے قرآنی آیات خلافت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اہل سنت والجماعت کا اجماع بلا دلیل نہیں ہے۔ ہم خلافت راشدہ کے جواب میں حق چار یار کہتے ہیں اور خلافت راشدہ جس کا قرآن میں وعدہ ہے وہ مہاجرین سے ہے اور اس کا مصداق صرف یہی چار یار ہیں (رضی اللہ عنہم)۔

باقی رہی حدیث تو وہ بھی پیش خدمت ہے۔ مشہور محدث قاضی عیاض رحمہ اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے:

وقال (ﷺ) فی حدیث جابرؓ ان اللہ اختار اصحابی علی جمیع العلمین سوی النبیین والمرسلین واختار لی منھم اربعۃ ابابکرؓ وعمر و عثمانؓ وعلیا فجعلھم خیرا صحابی وفی اصحابی کلھم خَیرٌ (الشفاء بتعریف حقوق المصطفی للقاضی عیاض بن موسی الاندلسی جلد ثانی ص ۱۱۹ طبع دمشق)

"حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تحقیق اللہ نے میرے اصحاب کو سوائے انبیاء اور مرسلین کے تمام جہانوں میں چن لیا ہے، اور ان میرے اصحاب میں سے اس نے ان چار کو بہتر بنایا ہے ابوبکر، عثمان، علی (رضی اللہ عنہم) اور میرے تمام اصحاب میں خیر و بھلائی ہے، یہ حدیث مسند بزار میں ہے جس کی سند صحیح ہے۔

اب تو حکیم صاحب کو سرِ تسلیم خم کر دینا چاہیے۔" واللہ الموفق

حکیم صاحب کی کِذب بیانی

① حکیم صاحب نے اسی کتاب میں امام ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے: آپ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق کوئی قول ان کی تالیفات میں موجود نہیں۔ البتہ سیدنا علی کے فضائل ومناقب ضرور ہیں۔ (ص ۷۰)

الجواب: یہ حکیم صاحب کا بڑا لمبا چوڑا جھوٹ ہے حالانکہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے تصریح فرمائی ہے:

وعلی آخر الخلفاء الراشدین الذین ولایتھم خلافۃ نبوۃ ورحمۃ۔ (منھاج السنۃ جلد رابع ص ۱۲۱ طبع مصر)

② حکیم صاحب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کی ایک عبارت کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

شاہ صاحب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ہرگز قائل نہ تھے بلکہ قرۃ العینین کے اس

فقرہ کو ہم شاہ صاحب کے دوسرے اقوال کے مقابلہ میں بھرتی کا فقرہ سمجھتے ہیں۔

(۷۔۱۷) یہ بھی حکیم صاحب کا صریح جھوٹ ہے کیونکہ حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ ''قرۃ العینین'' اور ''ازالۃ الخفاء'' میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چاروں خلفائے راشدین میں تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ اپنے عقائد کے بیان میں لکھتے ہیں:

ونشهد بالجنة والخير للعشرة المبشرة وفاطمة وخديجة وعائشة والحسن والحسين رضى الله عنهم ونوقرهم ونعترف بعظم محلهم فى الاسلام وكذلك اهل البدر واهل بيعة الرضوان وابوبكر الصديق امام حق بعد رسول الله ﷺ ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى الله عنهم ثم تمت الخلافة وبعدهٗ ملكٌ عضوض۔

(تفهيمات) الهيه جلد اوّل ص۱۴۸

''ہم ان حضرات کے جنتی ہونے اور صاحب خیر و بھلائی ہونے کی گواہی دیتے ہیں، عشرہ مبشرہ، فاطمہ، خدیجہ، عائشہ، حسن، حسین رضی اللہ عنہم اور ہم ان کی توقیر (وعزت) کرتے ہیں اور اسلام میں ان کے عظیم مقام کا اعتراف کرتے ہیں اور اسی طرح اصحاب بدر اور اصحاب رضوان کا، اور رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام حق ہیں پھر (حضرت) عمر پھر (حضرت) عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں (ان کے بعد) پھر خلافت پوری ہوگئی، پھر کاٹنے والی بادشاہت ہے۔''

حکیم صاحب حضرت علی المرتضیٰ کو چوتھا خلیفہ راشد مانیں یا نہ مانیں لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب پر تو یہ اتہام نہ لگائیں کہ وہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائل نہ تھے۔ علاوہ ازیں حکیم صاحب کی بعض عبارتیں دفاعِ صحابہ میں زیر بحث آگئی ہیں۔ حکیم صاحب کے متعلق یہاں مختصر تذکرہ اس لیے کر دیا ہے کہ ناواقف حضرات حکیم صاحب کے علم و فہم اور صداقت و دیانت کا کچھ اندازہ لگالیں۔ واللہ الہادی

ڈاکٹر احمد حسین کمال:

ڈاکٹر صاحب بھی عباسی تحریک کے مصنفین میں شامل ہیں ان کی ''داستان کربلا'' شائع ہو چکی ہے ہم ان کو جمعیت علمائے اسلام کے دور سے جانتے ہیں۔ ہفت روزہ ترجمان اسلام لاہور کے ایڈیٹر رہے ہیں وہ کمیونسٹ پارٹی کے بھی رکن اور لیڈر ہیں۔ اس پارٹی کے رسائل میں بھی ان کے مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں۔ جس وقت پاکستان میں سوشلزم اور اسلامی سوشلزم کی بحث زوروں پر تھی اس وقت انہوں نے ایک کتاب شائع کی تھی جس کا نام ہے: ''نظام معیشت کیا ہے اسلام کیا چاہتا ہے۔'' اس میں انہوں نے آیت قل العفو کا مفہوم سوشلسٹوں کے نظریہ کے تحت بیان کیا تھا جس پر میں نے ان کو اس نظریہ کی تردید میں خط بھی لکھا تھا۔ جس کا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب زید مجدہم مہتمم مدرسہ نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسمٰعیل خان کے ذریعہ ڈاکٹر صاحب کی مذکورہ کتاب کی یہ بات حضرت مولانا مفتی محمود مرحوم تک بھی پہنچائی تھی جس پر مفتی صاحب نے زبانی یہ فرمایا تھا کہ یہ جاہل آدمی ہے۔ علماء حضرات کو ڈاکٹر صاحب سے حسنِ ظن تھا حالانکہ وہ اسلام کے نام پر سوشلزم وغیرہ کے مبلغ ہیں چنانچہ انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب ''نظام معیشت کیا ہے'' میں...... کارل مارکس وغیرہ کے بھی حوالے دیئے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں: حتیٰ کہ اس کا ذکر کارل مارکس نے بھی ان الفاظ میں کیا ہے کہ مسلمانوں نے سارے ایشیا میں زمین کو نجی ملکیت بنانے کے اصول کو وسیع پیمانہ پر عملی جامہ پہنایا ہے۔'' (کتاب مارکس اینڈ انجلز ان انڈیا، شائع کردہ سوشلسٹ بک الہ آباد)

مولانا سندیلوی غور فرمائیں:

گزشتہ صفحات میں محمود احمد عباسی صاحب اور ان کی تحریک کے چند مصنفین کی تحریرات بطور نمونہ پیش کر دی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ یہ لوگ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے منکر ہیں۔ ان کی عظیم دینی شخصیت کو بڑی بے باکی سے مجروح کرتے ہیں اس سلسلہ میں وہ قصداً علمی خیانت اور کذب بیانی کرتے ہیں ان کے ہتھکنڈے وہی ہیں

جو روافض کے ہیں عباسی تحریک کے لٹریچر کے مطالعہ سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ تحریک بھی سبائی تحریک ہی کی دوسری شاخ ہے۔ رافضیت اور خارجیت ایک ہی سبائی تحریک کے دو راستے ہیں۔ بعض لوگ شیعیت کی شرانگیزی کے ردعمل میں اس تحریک کے لٹریچر سے متاثر ہوتے ہیں اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عباسی تحریک شیعوں کے خلاف ہے۔ حالانکہ یہ تحریک مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔ بلکہ اسلام کے عقیدہ راشدہ کے خلاف ہے۔ اس تحریک کی بنیاد انکار حدیث ہے۔ اپنے مشن کے تحت ہی یہ لوگ حدیث کو قبول یا مسترد کرتے ہیں۔ قرآن کی بھی من مانی تفسیر و تشریح کرتے ہیں لیکن تعجب ہے کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی مودودی صاحب کے افکار و نظریات کی تردید کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ ''اگر اس سے مراد نواصب و خوارج ہیں تو جہاں تک مجھے علم ہے ان کا کوئی وجود پاکستان و ہندوستان میں نہیں ہے۔ (اظہار حقیقت جلد اوّل، ص۲۰)

عباسی اور سندیلوی:

میرے ایک استفسار کے جواب میں مولانا سندیلوی نے اپنے مکتوب محررہ ۸/ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ میں یہ لکھا تھا کہ: محمود احمد صاحب عباسی کی کتاب'' خلافت معاویہ و یزید'' بہت مدت ہوئی کہ نظر سے گزری تھی۔ میری رائے میں خارجیت کی حد تک تو نہیں پہنچی ہے۔ لیکن بعض مقامات پر حدود مسلک اہل سنت سے تجاوز ضرور نظر آتا ہے۔ یزید کے متعلق انہوں نے جو لکھا ہے یعنی فسق وغیرہ کے الزام سے ان کی برأت وہ تو میرے نزدیک صحیح ہے۔ البتہ سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو رائے ان کی بظاہر معلوم ہوتی ہے اسے مسلک اہل سنت سے تجاوز سمجھتا ہوں۔ کتاب مذکور کے متعلق بحیثیت مجموعی یہ میری اجمالی رائے ہے اس وقت وہ پیش نظر نہیں اس لیے مفصل رائے ظاہر کرنے سے قاصر ہوں۔

خارجی کون ہیں:

مولانا نذیر حسین صاحب دہلوی مرحوم کا قول بحوالہ فتاویٰ نذیریہ، حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق نقل کیا گیا ہے کہ: آپ شہید ہونے تک امام برحق تھے لیکن خارجی ان کو امام نہیں مانتے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں کہ (خوارج کے) سب فرقوں کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ مومن نہیں ہیں العیاذ باللہ۔ آپ کے بہشتی ہونے سے ان سب کو انکار ہے ان سب کا قول ہے کہ آپ میں خلافت کی لیاقت نہ تھی۔ (فتاوٰی عزیزیہ، ص ۲۷۷) علاوہ ازیں حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے کہ: دوسرے یہ کہ جناب امیر رضی اللہ عنہ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) اور بعد ان کے حسنین رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد مثل زید شہید اور دیگر سادات حسینیہ کو ہمیشہ نواصب شام سے جن کو اصطلاحاً خارجی کہتے ہیں اور وہ مروانی تھے اور نواصب عراق سے کہ وہ عباسی تھے بڑی لڑائیاں اور کینہ داریاں درمیان میں رہیں۔ چنانچہ بعض نواصب غایت درجہ گمراہی پر جم کے اپنا منہ کالا کرتے تھے اور ان حضرات کی جناب میں بے ادبانہ پیش آتے تھے اور شیخین اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اچھا کہتے تھے۔ (تحفہ اثنا عشریہ مترجم، ص ۹)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ نواصب کو خارجی بھی کہا جاتا ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو حضرات خلفائے ثلثہ کو تو اچھا کہتے ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے خلاف ہیں اور موجودہ عباسی گروہ کا بھی یہی طریق کار ہے۔ لہٰذا یہ بھی خوارج ہی کی شاخ ہے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد بھی پہلے نقل کر چکا ہوں کہ: عدم محبت اہل بیت خروج است وتبری از اصحاب رفض ومحبت اہل بیت با تعظیم وتوقیر جمیع اصحاب کرام تسنن (مکتوبات جلد ثانی مکتوب نمبر ۳۶ ص ۶۵۲) ''یعنی اہل بیت سے محبت نہ رکھنا خارجیت ہے اور صحابہ کرام سے بیزاری رفض وشیعیت ہے اور تمام صحابہ کرام کی تعظیم و توقیر کے ساتھ اہل بیت کی محبت سنیت ہے۔''

عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کی تصانیف سے جو عبارتیں گزشتہ صفحات میں نقل کی گئی ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے کہ ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عدمِ محبت بلکہ بغض وعناد ہے۔ یہ ان کی خلافت وامامت کے بھی منکر ہیں اور ان کی اہلیت خلافت کو بھی تسلیم نہیں کرتے ان کو حضرت عثمان ذوالنورین کی حکومت کا تختہ الٹنے کی سازش میں شریک گردانتے

ہیں۔ ان کے خلوص و تقویٰ کے بھی منکر ہیں۔ ان کے خلاف ایک مستقل تحریک چلا رہے ہیں اور اگر کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق کوئی احترام کا لفظ لکھتے ہیں۔ سیدنا اور حضرت کہتے ہیں۔ ایک جگہ لکھتے ہیں: سیاسی معاملات میں ان سے جو لغزشیں ہوئی ہیں اس کے باوجود وہ ہمارے امام واجب الاحترام ہیں اور نسبی تعلق سے بھی ہمیں ان سے محبت ہے۔

(خلافت معاویہ و یزید طبع ۴، ص ۳۸)

تو یہ ان کا تقیہ مرضیہ ہے۔ کوئی صاحب فہم و انصاف شخص عباسی لٹریچر کو پڑھنے کے بعد ان کی خارجیت کا انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر مولانا سندیلوی کے نزدیک خارجی صرف وہی ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کافر اور غیر مومن کہتا ہے۔ تو پھر مودودی صاحب کو بھی سبائی اور شیعہ نہیں قرار دیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ خلفائے اربعہ کو خلفائے راشدین اور ان کی خلافت کو خلافت راشدہ ہی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:

یکے بعد دیگرے چار اصحاب کو لوگ اپنی آزاد مرضی سے خلیفہ بناتے چلے گئے۔ اس خلافت کو امت نے خلافت راشدہ (راست رو خلافت) قرار دیا ہے۔

(خلافت و ملوکیت طبع اوّل، ص ۸۳)

اس بنا پر یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ وہ صرف خلافت راشدہ ہی نہ تھی بلکہ خلافت مرشدہ بھی تھی۔ خلافت علی منہاج النبوۃ کے الفاظ اس کی انہی دونوں خصوصیات کو ظاہر کرتے ہیں۔ (ایضاً، ص ۱۰۵)

لیکن پہلی صدی سے لے کر آج تک تمام اہل سنت بالاتفاق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کرتے رہے ہیں۔ (ایضاً، ص ۳۳۷)

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں لکھتے ہیں کہ: البتہ ان واقعات کے بیان میں یہ احتیاط ملحوظ رہنی چاہیے کہ بات کو صرف بیان واقعہ تک محدود رکھا جائے اور کسی صحابی کی بحیثیت مجموعی تنقیص نہ ہونے پائے یہی احتیاط میں نے اپنی امکانی حد تک پوری طرح ملحوظ رکھی ہے۔ (ص ۳۰۵)

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے محامد و مناقب

اپنی جگہ پر ہیں ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے ان کی یہ خدمت بھی نا قابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبے کا دائرہ پہلے سے زیادہ وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن اس کے غلط کام کو تو غلط کہنا ہی ہوگا اسے صحیح کہنے کے معنی یہ ہونگے کہ ہم اپنے صحیح و غلط کے معیار کو خطرے میں ڈال رہے ہیں۔ (ایضاً، ص ۱۵۳)

مودودی صاحب کی شیعیت:

لیکن مودودی صاحب کی مندرجہ بالا تصریحات کے باوجود مولانا سندیلوی مودودی صاحب کو شیعہ اور مجدد سبائیت قرار دیتے ہیں چنانچہ اس بات کی توجیہات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

یہاں یہ اور عرض کر دوں، بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ عنہما کی مخالفت و مذمت شیعیت کی حقیقت کا جزو لاینفک ہے جس کے بغیر اس کا وجود نہیں ہوسکتا حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے یہ عین ممکن ہے کہ ایک شیعہ از راہ تقیہ نہیں بلکہ حقیقتاً شیخین کی مدح و ستائش کرے مگر دوسرے حضرات صحابہ کا دشمن ہو۔ فرقہ زیدیہ کا شمار شیعوں ہی میں ہے حالانکہ وہ شیخین کی مذمت نہیں کرتے ہیں۔ علی ہذا تفضیلیہ کا شمار بھی شیعوں میں کیا گیا ہے باوجود یہ کہ وہ ان دونوں حضرات کی مذمت کو جائز نہیں سمجھتے۔ علیٰ ہذا شیعوں میں خود متعدد فرقے ہیں اور سب کے سب شیخین کی مذمت و عداوت پر متفق نہیں ہیں البتہ جو چیز سب فرق شیعہ میں متفق علیہ اور شیعیت کے لیے لازم ہے وہ ہے رتبہ صحابیت کی ناقدری اور یہ بات سب فرق شیعہ میں مشترک طور پر پائی جاتی ہے۔ شیعوں کے جو فرقے حضرات ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی مدح ستائش بلا تقیہ بھی کرتے ہیں ان کا یہ طرز عمل بھی ان حضرات کے رتبہ صحابیت کی بنا پر نہیں ہوتا بلکہ ان کے کچھ دوسرے اسباب ہوتے ہیں۔ اگر ان کے دل میں رتبہ صحابیت کی قدر و عظمت ہوتی تو وہ ادنیٰ سے ادنیٰ صحابی کی بھی وقعت و عزت کرتے اور کسی کے خلاف بھی زبان درازی کی جرأت نہ کرتے۔ وہ شیخین کی تعظیم و تکریم ان

حضرات کے کارناموں اور ان کے دینی خدمات کی بنا پر کرتے ہیں نہ کہ ان کی صحابیت کی بنا پر۔ (اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۱۱۷)

اس کے بعد اسی سلسلے میں مولانا سندیلوی مودودی صاحب کے متعلق لکھتے ہیں۔
اس نکتہ کو پیش نظر رکھنے سے سنیت نما شیعیت کے فریب سے حفاظت ہو سکتی ہے۔ جس کا رنگ خود مودودی صاحب میں بھی نمایاں ہے۔ ایک طرف وہ شیخین رضی اللہ عنہما کی مدح وستائش کر کے زمرۂ اہل سنت میں ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ دوسری طرف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایک بہت بڑے گروہ کو مجروح قرار دے کر شیعیت کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ راقم السطور نے مضمون کی قسط اوّل میں مودودی صاحب کو شیعہ لکھا۔ تو اس پر بعض حضرات معترض ہوئے کہ تم نے یہ سوءظن کیوں کیا جبکہ وہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدح وستائش کرتے ہیں۔ خصوصاً حضرات شیخین کے تو بہت معتقد ہیں امید ہے کہ مندرجہ بالا سطریں ان حضرات معترضین کی تسکین کے لیے کافی ہوں گی۔ (اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۱۱۸)

تجدید سبائیت:

پھر اس کے حاشیہ میں مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:
" بعض حضرات اس پر چیں بجبیں ہیں کہ تم نے مولانا مودودی صاحب پر تجدید سبائیت کا الزام کیوں عائد کیا؟ ان سے گزارش ہے کہ عبداللہ بن سبا کی پوری تحریک کی روح رتبہ صحابیت کی ناقدری اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بے اعتمادی تھی وہ خود تو یہودی منافق تھا لیکن اس نے مسلمانوں میں ایسی جماعتیں پیدا کر دیں جو مسلمان ہوتے ہوئے بھی صحابہ کے حق میں بدگمانی و بدزبانی سے کام لینے لگے۔ ان میں بہت سے فرقے ہو گئے بعض تو حد کفر تک پہنچ گئے مثلاً شیعہ باطنیہ یا نصیریہ وغیرہ بعض اسلام میں تو داخل رہے مگر مبتدع اور گمراہ کہلائے یہ اگرچہ مسلمان ہیں مگر اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں اتنی بدگمانی و بدزبانی کے بعد بھی اگر کوئی شخص اہل سنت والجماعت میں داخل رہے تو یہ لفظ بے معنی ہو جائے گا۔ میں انہیں مسلمان سمجھتا ہوں لیکن شیعہ اور گمراہ سمجھتا ہوں۔ انہوں نے ایک نئے عنوان سے (جو موجودہ زمانے میں مقبول ہے) ایک

جماعت صحابہ کو مجروح کر کے ان پر بے اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے جو ابن سبا کا خاص مشن تھا۔ اس لیے میں نے انہیں مجدد سبائیت کہا ہے۔"

مولانا سندیلوی نے جو کچھ مودودی صاحب کے متعلق مندرجہ بالا سطور میں لکھا ہے اور شیعیت کی جو قدر مشترک بیان کی ہے ہمیں اس سے اختلاف نہیں بلکہ مودودی جماعت کے اساسی دستور میں بطور عقیدہ کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک کوئی صحابی بھی معیار حق نہیں اور نہ ہی وہ تنقید و جرح سے بالاتر ہیں۔ اس بنا پر ہر صحابی کی شخصیت مجروح کی جاسکتی ہے۔ اسی عقیدہ کی تردید میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ نے ایک کتاب "مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت" لکھی ہے جس میں ثابت کیا ہے کہ مودودی صاحب سے اہل سنت کا اختلاف اصولی ہے نہ کہ فروعی۔ علاوہ ازیں مودودی صاحب کا عقیدہ "عصمت انبیاء علیہم السلام" کے بارے میں اہل حق کے خلاف ہے۔ راقم الحروف نے حضرت مدنی رحمہ اللہ کی اس کتاب کے مقدمہ میں مختلف عنوانات کے تحت مودودی نظریات کی تردید کرتے ہوئے بعنوان "تقیہ یا دوغلا پن" لکھا ہے کہ: مودودی صاحب نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف جو کچھ لکھا ہے (جس کے اقتباس ہم پہلے درج کر چکے ہیں) اس کے بعد کوئی باہوش اور باشعور انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس قسم کے کردار کے باوجود بھی واجب الاحترام رہ جاتے ہیں۔ لیکن ابوالاعلیٰ صاحب نے اسی کتاب "خلافت و ملوکیت" میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ میں خراج تحسین پیش کر دیا ہے کہ: حضرت معاویہ کے محامد و مناقب اپنی جگہ پر ہیں۔ ان کا شرف صحابیت بھی واجب الاحترام ہے۔ ان کی یہ خدمت بھی ناقابل انکار ہے کہ انہوں نے پھر سے دنیائے اسلام کو ایک جھنڈے تلے جمع کیا اور دنیا میں اسلام کے غلبہ کا دائرہ پہلے سے وسیع کر دیا۔ ان پر جو شخص لعن طعن کرتا ہے وہ بلاشبہ زیادتی کرتا ہے لیکن ان کے غلط کام کو غلط کہنا ہی ہوگا۔

(خلافت و ملوکیت طبع اول ص ۱۵۳)۔ (مقدمہ مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ص ۱۹، مطبوعہ از ناشر مولوی محمد یعقوب صاحب مہتمم مدرسہ اشرف العلوم ہرنولی ضلع میانوالی)۔

مولانا سندیلوی سے سوال:

اب مولانا سندیلوی سے ہمارا سوال ہے کہ آپ نے شیعیت کی اقسام اور مودودی صاحب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے کہ وہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کو بلا تقیہ خلیفہ راشد ماننے کے باوجود بھی شیعہ بلکہ مجدد سبائیت ہیں۔ تو اسی توہین و تنقیص صحابہ رضی اللہ عنہم کے نظریہ کے تحت وہ عباسی صاحب اور ان کے پیروکاروں کو کیوں خارجی نہیں قرار دیتے جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کے بالکل منکر ہیں اور ان کو طالب جاہ واقتدار کہتے ہیں۔ چنانچہ عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کے مصنفین کی بعض تحریرات گزشتہ صفحات میں پیش کر دی گئی ہیں۔

سندیلوی، عباسی ہمنوائی:

کیا مولانا سندیلوی عباسی صاحب اور ان کی پارٹی کے بارے میں اس لیے نرمی اور مداہنت اختیار کرتے ہیں کہ دونوں بعض افکار و نظریات میں ہمنوا ہیں: مثلاً

① مولانا سندیلوی اور عباسی صاحب دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے استصواب عام ضروری قرار دیتے ہیں چنانچہ عباسی صاحب نے بھی لکھا ہے کہ: ان (یعنی فریق ثانی) سب کا موقف یہ تھا کہ جب تک احوال پُر امن نہ ہو جائیں اور اتفاق رائے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت پر سب مجتمع نہ ہوں اس وقت تک آئینی بیعت نہ کی جائے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقتول ہونے تک آئینی بیعت نہیں کی گئی۔

(حقیقت خلافت وملوکیت، ص ۳۶)

② دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو عبوری خلافت قرار دیتے ہیں۔

③ دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاسی غلطی کے قائل ہیں لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کسی سیاسی غلطی کی نسبت نہیں کرتے۔

④ دونوں یزید کے حامی ہیں اور اس کو صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں۔

⑤ دونوں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے موقف پر تنقید کرتے ہیں۔

⑨ روافض کے مقابلہ میں دونوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کے حق میں افراط کرتے ہوئے ان کے لیے صلوٰۃ وسلام کے الفاظ لکھتے ہیں۔ مثلاً عباسی صاحب لکھتے ہیں:

(ا) یہی وجہ ہے کہ ہر مسئلے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرات امہات المومنین کی ہدایات حاصل کرتے تھے صلواۃ اللہ وسلامہ علیهن وعلی بعلهن دائماً ابداً (حقیقت خلافت وملوکیت ص۲۹۶) ''یعنی ان (امہات المومنین) پر اللہ کا درود وسلام ہو اور ان کے خاوند پر ہمیشہ ہمیشہ۔''

یہاں عباسی صاحب نے درود میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ازواج مطہرات کے تابع کر دیا ہے۔ العیاذ باللہ

(ب) لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مختصر سے ایام فتن کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے توفیق دی کہ حضرت معاویہ امیر المومنین علیہ الصلوٰۃ والسلام پر امت نے اجماع کر لیا۔

(ایضاً، ص۱۳۷)

یہاں عباسی صاحب نے حضرت علی کے نام پر (رضی اللہ عنہ) کی علامت لکھی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر درود کے الفاظ لکھے ہیں۔

اسی طرح عباسی صاحب کے مقلدین مولوی عظیم الدین۔ عزیر احمد اور حکیم فیض عالم وغیرہ بھی دوسرے صحابہ کرام اور امہات المومنین کے ناموں کے ساتھ صلوٰۃ وسلام لکھتے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے ناموں کے ساتھ صلوٰۃ وسلام یا علیہ السلام نہیں لکھتے۔ اور مولانا سندیلوی بھی لکھتے ہیں: ام المومنین صلوات اللہ علیہا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص۴۶۲)

اور عباسی صاحب اور سندیلوی صاحب نے کسی جگہ بھی حضرت علی المرتضیٰ حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت فاطمۃ الزہراء کے نام کے ساتھ سلام یا صلوٰۃ وسلام کے الفاظ استعمال نہیں کیے۔ آخر اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

مولانا سندیلوی کی تضاد بیانی اور تعصب:

مولانا سندیلوی کا ایک رسالہ جس کا نام "اہل سنت اور نظریہ امامت" ہے۔ اس میں شیعہ عقیدہ امامت کی وضاحت کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: اہل سنت پر ان کی اس تبلیغ کا یہ اثر ہوا کہ وہ بھی ان کے مندرجہ بالا حضرات کے لیے امام اور علیہ السلام کے القاب استعمال کرنے لگے۔ رواج عام ہو گیا تو سنی علماء بھی یہی القاب لکھنے اور بولنے لگے۔ رواج عام کی وجہ سے انہیں ادھر توجہ نہیں ہوئی کہ اس سے شیعوں کے عقیدہ امامت کو رواج و قبول میں مدد ملے گی۔ (ص ۱۵)

رواج عام کی بنا پر وہ حضرات بلا تکلف یہ الفاظ استعمال کرتے رہے۔ ان کے بعد جو کبار علماء ہوئے انہوں نے بھی اپنے پیشرو اکابر علماء کی پیروی کی اور ان الفاظ کا رواج بڑھ گیا۔ مگر ان حضرات کے حاشیہ خیال میں بھی امامت کے مذکورہ مخصوص معنی نہ تھے بلکہ یہ امام بمعنی مقتدا اور پیشوا استعمال کرتے تھے۔ علیہ السلام بھی محض تبعاً لکھ دیتے تھے جس میں اس لفظ کے لغوی معنی ملحوظ ہوتے تھے۔ جیسے ہر مسلمان کو السلام علیکم کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت ان بزرگوں کے حالات ہیں جن پر نظر کرنے کے بعد کوئی بھی فہیم آدمی ان حضرات کے بارے میں اس قسم کا وہم نہیں کر سکتا۔ یہ حضرات اس معاملے میں معذور تھے ان پر کوئی اعتراض نہیں مگر اس معاملے میں ان کی پیروی نہ کی جائے اب یہ واقعہ بالکل واضح ہو چکا ہے کہ ان الفاظ کے استعمال سے شیعوں کے عقیدہ امامت کو تقویت پہنچتی ہے یعنی اہل سنت میں اس عقیدہ باطلہ کی اشاعت ہوتی ہے۔ (ایضاً ص ۱۶)

اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ: صحیح طریقہ یہ ہے کہ حضرت علی، حضرت حسن، حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کے ساتھ حضرت یا سیدنا اور (رضی اللہ عنہ) لکھنا اور بولنا چاہیے کیونکہ یہ سب حضرات صحابی ہیں۔ بزرگان مذکورہ میں سے باقی حضرات مثلاً زین العابدین، حضرت باقر رحمہم اللہ وامثالہم کے اسمائے گرامی کے ساتھ حضرت اور رحمۃ اللہ یا قدس سرہٗ کے الفاظ جو اولیاء اللہ کے لیے استعمال ہوتے ہیں لکھنا اور بولنا مناسب ہے کیونکہ یہ

حضرات صحابی نہیں ہیں نہ مرتبہ صحابیت کے برابر رتبہ رکھتے ہیں صحابہ کا رتبہ ان سے بہت بلند و برتر ہے ان کے اسمائے گرامی کے ساتھ (رضی اللہ عنہ) لکھنا بھی مناسب نہیں کیونکہ اس سے ان کی صحابیت یا اس کی مساوات کا غلط وہم پیدا ہوتا ہے۔

تبصرہ:

مولانا سندیلوی نے خود تسلیم کر لیا ہے کہ لغوی معنیٰ میں لفظ امام ان بزرگوں کے لیے بھی استعمال ہو سکتا ہے جن کو شیعہ معصوم ائمہ قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں

امام کے معنیٰ مقتدا اور پیشوا کے ہیں اسی لیے جس شخص کی اقتدا نماز میں کی جاتی ہے اسے امام کہتے ہیں وہ نماز میں ہمارا مقتدا ہوتا ہے اور ہم اس کے مقتدی۔ ان معنیٰ کے لحاظ سے مذکورہ بالا حضرات کو بھی امام کہنا صحیح ہے کیونکہ حضرات مذکورہ باہمی فرق مراتب کے ساتھ ہمارے بزرگ اور مقتدا ہیں۔ لیکن یہ انہیں کی خصوصیت نہیں اور صرف ان بارہ حضرات کو امام کہنے کے کوئی معنیٰ نہیں جبکہ ہمارے اماموں یعنی مقتداؤں اور پیشواؤں کی تعداد بارہ ہزار سے بھی زائد ہے بلکہ لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ (ایضاً ص ۷)

جن حضرات اکابر نے ان حضرات ائمہ کے نام کے ساتھ لفظ امام استعمال کیا ہے اور ہمارے اکابر دیوبند اور اکابر خاندان ولی اللٰہی سب نے ان حضرات کے نام کے ساتھ عموماً لفظ امام لکھا ہے اور ان سب حضرات نے ساری عمر شیعوں کے عقیدہ امامت کا ابطال بھی کیا ہے۔ وہ ان حضرات کو اپنا دینی پیشوا سمجھ کر ہی ایسا کہتے اور لکھتے تھے۔

علاوہ ازیں جب چاروں مجتہدین کے لیے لفظ امام عام طور پر مستعمل ہے یعنی امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نیز امام رازی رحمہ اللہ، امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ۔ تو اس کے بعد یہ شبہ نہیں پیدا ہو سکتا کہ حضرت امام زین العابدین وغیرہ کے لیے امام کا لفظ شیعی اصطلاح کے تحت کیا جاتا ہے ان کے علاوہ جب ہم لاکھوں بزرگان دین کو اپنا امام مانتے ہیں حتیٰ کہ نماز کے امام جماعت کو بھی۔ اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ عموماً اکابر اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام علی نہیں کہتے یہ بھی اس امر کی

دلیل ہے کہ عقیدہ شیعہ کے تصور کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے ورنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی امام علی کے الفاظ سے یاد کیا جاتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرات اکابر نے خارجی فتنہ کی شر سے اہل سنت کو بچانے کے لیے مذکورہ زیر بحث حضرات اہل بیت کے نام کے ساتھ امام کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس عقیدہ کے اظہار کے لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں اور دین وشریعت میں یہ بھی ہمارے پیشوا اور امام ہیں اور یہ وجہ بھی ہے کہ ان حضرات کو باطنی اور روحانی کمالات میں بھی خصوصی حصہ ملا ہے۔ چنانچہ ''منصب امامت'' میں مجاہد جلیل حضرت شاہ محمد اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تفصیل لکھی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں: چنانکہ در احق اصحاب اعتقاد نیک باید داشت ہم چناں در حق اہل بیت معتقد باید بود وصالحین ایشاں را بہ مزید تعظیم تخصیص باید کرد...... ایں فقیر را معلوم شدہ است کہ ائمہ اثنا عشر رضی اللہ عنہم اقطاب نسبتی بودند از نسبتہا...... قطبیت ایشاں امریست باطنی۔

(تفہیمات الٰہیہ ج ۲، ص ۲۴۴۔۲۴۵)

''اور جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کے بارے میں اچھا اعتقاد رکھنا چاہیے اسی طرح اہل بیت کے حق میں بھی عقیدت رکھنی چاہیے اور ان کے صالحین افراد کی زیادہ تعظیم کے ساتھ تخصیص کرنی چاہیے۔ اس فقیر کو معلوم ہوا ہے کہ بارہ ائمہ (رضی اللہ عنہم) اقطاب نسبتی ہوئے ہیں باطنی نسبتوں کے اعتبار سے، ان کا قطب ہونا ایک باطنی امر ہے۔''

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ گو حضرت امام مہدی قرب قیامت میں آنے والے ہیں لیکن حضرت شاہ صاحب نے احادیث کی روشنی میں نیز اپنے مکاشفہ کے تحت ان کے مقام کی بھی نشاندہی فرمادی۔ علاوہ ازیں فرماتے ہیں:

انی رأیت ائمة اهل البیت فی خطیرة القدس باتم وجه واجمل وجه وعلمت ان منكرهم والمشاجن لهم فی خطرٍ عظیم۔ (تفہیمات الہیہ جلد اوّل، ص ۱۰۷)

''یعنی میں نے ائمہ اہل بیت کو بہت کامل اور بہت اچھی حالت میں دیکھا ہے اور مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا منکر اور ان سے عداوت رکھنے والا بڑے

خطرے میں ہے۔“

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

اہل سنت امامت کو پیشوائی دین کے معنی میں بھی بولتے ہیں۔ اسی سبب سے امام اعظم وامام شافعی کو کہ پیشوا فقہ کے تھے اور امام غزالی اور امام رازی کو کہ عقائد اور کلام میں اور نافع اور عاصم کو کہ قرأت میں امام تھے، امام کہتے ہیں اور ائمہ اطہار ان سب فنون میں پیشوا ہوئے ہیں۔ خصوصاً ہدایت باطن اور ارشاد طریقت کہ ان سے مخصوص تھا۔ اسی سبب سے اہل سنت ان کو بے قید امام جانتے ہیں نہ وہ امامت جس سے مراد خلافت ہے۔

(تحفہ اثنا عشریہ مترجم ص ۳۴۶)

مذکورہ اکابر محققین کے متعلق کوئی ذی فہم یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ شیعی پروپیگنڈے سے متاثر تھے یا وہ لفظ امام کا استعمال نہیں جانتے تھے۔ وہ تو مصلحین امت تھے۔ انہوں نے ان حضرات اہل بیت کی دینی وروحانی عظمتوں کا اس طریق سے تحفظ کیا کہ خارجی اثرات سے بھی اہل سنت والجماعت محفوظ رہیں اور آج خارجی فتنہ ہمارے سامنے ہے۔ وہ ان حضرات کے ساتھ تو (علیہ السلام) لکھنے کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ صلوٰۃ وسلام بھی استعمال کرتے ہیں اور اس معاملہ میں مولانا سندیلوی کی پالیسی بھی یہی ہے۔

بیجا تعصب اور تنگ نظری:

مولانا سندیلوی ایک اور مقام پر شیعی اثرات کے سلسلہ میں لکھتے ہیں۔ مگر اس سراپا ضلال شیعی خیال باطل کا اتنا اثر ہوا کہ ایک مشہور سنی مصنف نے حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تذکرے میں حضرت باقر کے متعلق لکھا ہے کہ: ”حدیث ان کے گھر کی چیز تھی“ یہ اور اس قسم کے جاہلانہ خیالات مندرجہ بالا غلطی ہی سے پیدا ہوئے۔

(حاشیہ رسالہ ”اسلامی ذہن“ ص ۳۱)

اس سنی مصنف کی مذکورہ عبارت میں تو بظاہر کوئی خلاف شرع بات نہیں۔ اگر حدیث

سے مراد وہی احادیث ہیں جو اہل سنت والجماعت کے ہاں معتمد علیہ ہیں تو پھر اس قسم کا قول صحیح ہے کیونکہ یہ احادیث امام زین العابدین، امام حسین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کو حضور رحمۃ للعالمین ﷺ سے ہی پہنچی تھیں اور گویا کہ یہ خاندانی وراثت بھی تھی۔ ہاں اگر مولانا سندیلوی ان حضرات کا دینی تعلق آنحضرت ﷺ کے ساتھ نہیں مانتے تو پھر وہ یہ اعتراض کر سکتے ہیں۔

مولانا نے یہاں دو بزرگوں کا ذکر کیا ہے یعنی امام اعظم ابوحنیفہ کا اور امام محمد باقر کا۔ لیکن حضرت ابوحنیفہ کے نام کے ساتھ امام کا لفظ لکھا ہے لیکن حضرت جعفر صادق کے نام کے ساتھ امام کا لفظ نہیں لکھا کیا یہ بے جا تعصب نہیں۔ اگر لغوی معنیٰ میں حضرت جعفر صادق کے ساتھ لفظ امام لکھ دیتے تو شرعاً کیا خرابی تھی۔ کیا وہ کسی درجے میں بھی پیشوا نہیں ہیں؟ اس طرز عمل سے تو شیعوں کو اس بات کی گنجائش مل جائے گی کہ یہ لوگ ان حضرات کی تنقیص چاہتے ہیں نہ کہ تعظیم۔ جن حضرات اکابر نے ان حضرات اہل بیت کے ناموں کے ساتھ لفظ امام لکھا ان کے متعلق مولانا سندیلوی لکھتے ہیں کہ وہ: معذور تھے ان پر کوئی اعتراض نہیں مگر اس معاملے میں ان کی پیروی نہ کی جائے۔

(اہل سنت اور نظریہ امامت ص ۱۶)

لیکن دوسری طرف مولانا کے غلو کا یہ حال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے متعلق یہ الفاظ لکھتے ہیں: ام المومنین صلوات اللہ علیہا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۳۶۲)

یہ ہے دیگراں را نصیحت خود را فضیحت، حضرات علی اور حضرت حسنین کے ساتھ تو (علیہ السلام) بھی نہ لکھا جائے لیکن حضرت ام المومنین کے ساتھ صلوات اللہ علیہا لکھا جائے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے لیے پھر صلوات کیونکر جائز ہو گیا۔ مولانا اہل سنت کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔

تین امام اہل سنت:

① دور حاضر میں علمائے اہل سنت والجماعت عموماً حضرت مولانا عبدالشکور صاحب

لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ امام اہل سنت لکھتے ہیں اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ حضرت مولانا لکھنوی رحمۃ اللہ خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق سنی شیعہ نزاعی مسائل میں ایک مجتہدانہ شان رکھتے ہیں گویا کہ اس فن کے وہ امام ہیں اور امام تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ان کو امام وقت قرار دیا ہے۔

② اور محمود احمد عباسی صاحب کو بھی ان کے معتقدین امام اہل سنت قرار دیتے ہیں چنانچہ مولوی عظیم الدین صاحب لکھتے ہیں: شیخ الاسلام امام اہل سنت علامہ محمود احمد عباسی رحمۃ اللہ علیہ (حیات سیدنا یزید ص ۱۴۶)۔

وہ بیشک اس زمانہ میں جدید خارجیت کے امام ہیں لیکن ان کو مذہباً اہل سنت بھی نہیں کہا جاسکتا۔ چہ جائیکہ امام اہل سنت۔

③ تیسرے امام اہل سنت زیر بحث شخصیت یعنی مولانا محمد اسحٰق سندیلوی ہیں۔ ان کو بھی معتقدین امام اہل سنت قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے زیر بحث رسالہ ”جواب شافی“ کے ٹائٹیل پر بھی ان کے نام کے ساتھ امام اہل سنت لکھا ہے اور اندر (ص ۲) پر بھی ناشر صاحب نے ان کے نام کے ساتھ امام اہل سنت لکھا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا سندیلوی کو امام اہل سنت قرار دینا اس عظیم لقب کی بے وقاری ہے۔ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کے لیے تو امام کا لفظ ناجائز ہو اور سندیلوی صاحب کے لیے جائز۔

ایں چہ بوالعجبی است۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بعض احباب نے میرے نام کے ساتھ بھی امام اہل سنت لکھا تھا مثلاً کراچی کے محترم جناب مولانا محمد عثمان صاحب الوری زید مجدہم مؤلف ”خارجیت کا جدید ایڈیشن“ وغیرہ لیکن میں نے ان کو تاکیداً منع کردیا تھا حقیقت یہ ہے کہ امام اہل سنت ہونا تو بڑا مقام ہے بندہ تو صحیح طور پر خادم اہل سنت بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ سچا خادم اہل سنت بنادیں آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

لفظ آل کا مفہوم:

مولانا سندیلوی کے حواریوں میں سے ایک مولوی طاہر علی صاحب بھی ہیں جن کا ایک رسالہ ہے جس کا نام ہے: حقیقی اہل بیت رسول اللہ ﷺ اس میں بعنوان: درود شریف اور ازواج مطہرات "آل محمد ﷺ" لکھتے ہیں: ان بدگوئی کرنے والے مجرم منافقین کے مقابلہ میں ملت مسلمہ کو علم ہوا کہ وہ محمد وازواج محمد ﷺ کی تعریف وتوصیف اور مدح وثناء کریں اور ان کے لیے رحمت وبرکت کی اس طرح دعا کریں جس طرح فرشتوں نے ابراہیم واہل بیت ابراہیم کے لیے رحمت وبرکت کی دعا کی اور ان پر درود بھیجا۔ اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے تمام مسلمان ہر نماز میں محمد ﷺ وازواج محمد ﷺ پر درود بھیجتے ہیں اور ان کے لیے خدا سے رحمت وبرکت کی التجائیں کرتے ہیں...... اللھم صل علی محمد وعلیٰ ال محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلیٰ ال ابراھیم انك حمید مجید (۲۰) اس کے بعد (ص ۲۴) پر لکھتے ہیں: اس تفصیل سے یہ بات چمکتے ہوئے سورج کی طرح واضح ہوگئی کہ درود شریف میں آل محمد سے مراد ازواج مطہرات ہیں کیونکہ فرشتوں نے جو درود بھیجا تھا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کسی صاحبزادی یا نواسوں پر نہیں بھیجا تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی زوجہ مطہرہ پر بھیجا تھا اسی طرح ان کی تقلید میں اور انہی کے الفاظ میں ہم بھی آنحضرت ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات پر درود بھیجتے ہیں۔

اس کتابچہ پر مولانا سندیلوی نے ان الفاظ میں تقریظ لکھی ہے:

جناب مولانا طاہر المکی صاحب کی کتاب "حقیقی اہل بیت رسول" دیکھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ سبائی دشمنان صحابہ کے پروپیگنڈے کے اثر سے لفظ اہل بیت کے مفہوم و مصداق سمجھنے میں جو غلطی اور گمراہی پیدا ہوگئی ہے اس کے ازالہ اور صحیح راستہ یعنی مسلک اہل سنت کو واضح کرنے کے لیے اس زمانہ میں یہ رسالہ بے نظیر ہے۔ مولانا موصوف نے قرآن وحدیث کی روشنی میں مسلک اہل سنت کو خوب واضح کیا ہے بلاشبہ یہ دین کی بہت

قیمتی خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ شانہ، جناب مصنف کو اس کی جزائے خیر عطا فرمائیں اور اس کتاب کو قبول و مقبول فرما کر ہدایت کا ذریعہ بنائیں۔ آمین (ص۲)

الجواب ①: شیعوں نے اہل بیت کا مصداق صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت حسن، حضرت حسین اور حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہم کو قرار دیا ہے اور ازواج مطہرات (امہات المومنین) کو اہل بیت سے خارج کر دیا۔ العیاذ باللہ۔ لیکن تعجب تو یہ ہے کہ شیعوں کے غلو کے مقابلہ میں غلو سے کام لے کر طاہر مکی صاحب نے نماز کے درود کے الفاظ میں آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد ازواجِ مطہرات لے کر باقی سب کو حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خارج کر دیا ہے۔ اور دلیل میں پیش کر رہے ہیں قرآن مجید کی اس آیت کو جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو فرشتوں نے جواب دیا ہے۔

﴿ اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ﴾

[پارہ ۱۲، سورہ ہود رکوع ۷، آیت ۷۳]

"فرشتوں نے کہا کیا تم خدا کے کاموں میں تعجب کرتی ہو (اور خصوصاً) اس خاندان کے لوگوں تم پر تو اللہ کی (خاص) رحمتیں اور اس کی برکتیں ہیں، بیشک وہ تعریف کے لائق بڑی شان والا ہے۔"

(ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ)

بیشک یہاں اَهْلَ الْبَيْتِ سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ ہیں اور سورۂ احزاب کی آیت تطہیر میں بھی اَهْلَ الْبَيْتِ کا خطاب ازواج مطہرات کو ہے۔

﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا ﴾ [رکوع ۵، آیت ۳۳]

"اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اے گھر والو تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو (ہر طرح ظاہراً و باطناً) پاک صاف رکھے۔" (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

مندرجہ بالا دونوں آیتوں میں اَهْلَ الْبَيْتِ کے الفاظ ہیں جن سے مراد بیویاں

ہیں۔ لیکن نماز کے درود ابراہیمی میں آلِ محمد اور آلِ ابراہیم کے الفاظ ہیں نہ اہل البیت۔ نیز درود میں لفظ صل وصلوٰۃ ہے اور آیت میں صلوٰۃ کا لفظ نہیں ہے اور اصطلاحاً یہاں درود کے لیے صلوٰۃ کا لفظ استعمال ہوتا ہے نہ کہ صرف سلام کا۔ لیکن طاہر صاحب اور مولانا سندیلوی (جو طاہر صاحب کے موید ہیں) آلِ محمد اور اہل البیت کا معنی ایک قرار دے کر نماز کے درود میں آلِ محمد سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات لے رہے ہیں۔ یہ جہالت ہے یا تلبیس۔ کیا قرآن مجید میں کہیں آل بمعنی ازواج مستعمل ہے؟ درود شریف میں لفظ آل سے کیا مراد ہے؟

اس میں محدثین کے اقوال مختلف ہیں: علامہ علی قاری حنفی محدث فرماتے ہیں:

قال ابن حجرهم مومنوا بنی هاشم والمطلب عند الشافعی وجمهور العلماء وقيل اولاد فاطمة ونسلهم وقيل ازواجه و ذريته ...... وكل مسلم ومال اليه مالك واختاره الزهری واخرون وهو قول سفيان الثوری وغيره ورجحه النووی فی شرح مسلم وقيد القاضی حسين بالاتقياء۔

''ابن حجر (محدث عسقلانی رحمہ اللہ) فرماتے ہیں کہ آلِ محمد سے مراد امام شافعی اور جمہور علماء کے نزدیک بنی ہاشم اور بنی المطلب کے مومن افراد ہیں، اور کہا گیا کہ اس سے مراد حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد اور نسل ہے اور یہ بھی قول ہے کہ مراد حضور ﷺ کی ازواج اور اولاد ہیں اور ایک قول یہ ہے کہ آل سے مراد ہر مسلمان ہے اور امام مالک اسی طرف مائل ہیں اور اسی کو امام زہری اور دوسروں نے اختیار کیا ہے اور یہی قول امام سفیان ثوری وغیرہ کا ہے اور اسی قول کو امام نووی رحمہ اللہ نے شرح مسلم میں ترجیح دی اور قاضی حسین صاحب نے اس میں اتقیاء کی قید لگائی ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی آل سے مراد متقی لوگ ہیں۔'' (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۲)

② اور مولانا سندیلوی نے خود بھی طبری کی ایک روایت کا رد کرتے ہوئے (جس

میں مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آل رسول ہیں) لکھا ہے کہ: اوّل تو آل کے معنی اولاد کے نہیں ہیں بلکہ کسی شخص کی آل میں ہر وہ فرد داخل ہوتا ہے جو اس کا معاون ومددگار رہو اور اس سے کوئی خاص ربط رکھتا ہو یا اس کے تابع ہو۔ اس میں اولاد وغیرہ اولاد سب داخل ہیں۔ اس معنی میں جو لفظ آل کے حقیقی معنی ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی آل رسول ہیں۔ پھر اس پر غصہ کے کیا معنی۔ آل کے معنی اولاد کے ہوں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں کیسے داخل ہوگئے۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ کلام حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نہیں ہے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم حاشیہ، ص ۲۳۰)

یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نکالنے کے لیے مولانا سندیلوی نے آل کا حقیقی معنی بیان کردیا ہے۔ (اور یہی آل کا حقیقی معنی ہے) لیکن مولوی طاہر مکی صاحب نے اپنے مذکورہ کتابچہ "حقیقی اہل بیت رسول" میں آل کا حقیقی معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: کسی شخص کی حقیقی آل اس کی بیوی ہوتی ہے ...... ہاں مجازی طور پر ہم قبیلہ، ہم قوم بلکہ تمام ماننے والوں کو بھی آل کہہ دیا جاتا ہے۔ (حاشیہ، ص ۲۷)

تو یہاں مولانا سندیلوی نے طاہر مکی صاحب کی تائید کردی کہ آل کا حقیقی معنی بیوی ہے۔ یہاں نماز کے درود شریف میں آل کا حقیقی معنیٰ دوسرا بیان کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کو آل محمد سے خارج کردیا ہے۔ گویا کہ مولانا موصوف کے نزدیک حسب موقع آل کا حقیقی معنی بدل جاتا ہے۔ یہ تحقیق وتدقیق ہے یا تعصب وتخریب؟ سندیلوی صاحب کی یہ تضاد بیانی کس مقصد کے لیے ہے۔ یہ نتیجہ ہے علمائے حق اور سلف صالحین کی تحقیقات پر عدم اعتماد کا۔ اس طرز عمل اور انوکھی تحقیق کی وجہ سے موصوف نے اپنی علمی حیثیت خود ہی مجروح کردی ہے تو اس میں ہمارا کیا قصور؟

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا علم کرشمہ ساز کرے

نے مودودی جماعت سے اشتراک کے بارے میں ایک استفسار کے جواب میں فرمایا تھا:
اس کے اصول وعقائد دین اسلام اور اس کے عقائد کے خلاف ہیں۔ اس سے علیحدہ رہنا اشد ضروری ہے۔ ان سے اختلاف سیاسی بھی ہے مگر وہ اتنا اہم نہیں۔ اس کے ساتھ مل کر کام کرنا اور تعاون کرنا درست نہیں ہے اس جماعت کی کوشش اس اسلام کے لیے نہیں جو کہ حقیقی ہے بلکہ ایک نام نہاد مودودی صاحب کے اختراعی اور نئے اسلام کے لیے ہے یہ لوگ عام مسلمانوں کو دھوکا دینے اور اپنے ہمدم بنانے کے لیے اسلام اور دین کا نام لیتے ہیں۔ ناواقف لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ اصلی مسلمان اور دیندار ہیں۔ (مطبوعہ والا نامہ حضرت مدنی رحمہ اللہ، ص ۳) اور قطب زماں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے فرمایا ہے: "مودودی صاحب ایک نیا اسلام مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں اور نعوذ باللہ من ذلک نیا اسلام لوگ تب ہی قبول کریں گے جب پرانے اسلام کی درودیوار منہدم کر کے دکھا دیئے جائیں۔"

(حق پرست علماء کی مودودیت سے ناراضگی کے اسباب، ص ۲)

مولانا سندیلوی کی فکری کمزوری سبائیوں سے اشتراک کا جواز:

میرے مکتوب کے جواب میں مولانا سندیلوی نے لکھا ہے:
جماعت مودودی کے بارے میں مجھے آپ کے نقطہ نظر سے اختلاف نہیں انفرادی تعاون واشتراک عمل کو تو آپ بھی نامناسب نہیں خیال فرماتے ہیں۔ بحیثیت جماعت تعاون کے بارے میں بھی مجھے آنجناب سے اس مسئلہ میں اتفاق ہے کہ اس سے گمراہی پھیلنے اور غلط فہمی پھیلنے کا اندیشہ ہے لیکن میرے نزدیک یہ کلیہ نہیں بعض صورتیں ایسی بھی نکل سکتی ہیں جن میں باوجود اجتماعی تعاون اس ضرر کا اندیشہ نہ ہو یہ وہی صورتیں ہوں گی جس میں وہ ہمارے تابع ہوں اگر ایسی کوئی صورت نکلے تو میرے نزدیک تعاون فی الخیر میں مضائقہ نہیں مثلاً بالفرض اسی شیعی نصاب کے سلسلے میں وہ ہمارے تابع ہو کر تعاون کرنا چاہیں اور صورت حال پر غور کرنے سے معلوم ہو کہ عوام میں کوئی غلط فہمی اور گمراہی نہ پھیلے

گی تو اس تعاون کو قبول کرنے کی گنجائش ہے مگر یہ چیز وقت اور حالات پر موقوف ہے اور اس کا فیصلہ اسی وقت کیا جا سکتا ہے۔ پہلے سے رائے قائم نہیں کی جا سکتی اس وقت تو اس کا کوئی سوال ہی نہیں۔ حضرت مدنی قدس سرہٗ کی رائے عالی بالکل صحیح تھی لیکن حالات میں فرق ہو چکا ہے اُس وقت اس جماعت سے ترک تعلق ہو جاتا تو یہ ختم ہو سکتی تھی کیونکہ اس کی ابتداء تھی اور یہ بہت کمزور تھی مگر اب حالات دوسرے ہیں جماعت قوی اور وسیع ہو چکی ہے۔ صرف متارکہ سے اسے ختم نہیں کیا جا سکتا۔ اس وقت ضرورت ہے کہ اس کے افراد کی اصلاح کی جائے اور انہیں مودودی کے جال سے نکالا جائے یہ میری رائے ہے۔ جس پر مجھے اصرار نہیں ممکن ہے کہ میں غلطی پر ہوں۔ اللہ تعالیٰ سے صحیح راستہ دکھانے کی دعا کرتا ہوں۔ اس وقت تو ان کے تعاون کا کوئی مسئلہ ہی ہمارے سامنے نہیں کیوں کہ مودودی صاحب تو شیعوں کے تابع اور در حقیقت انہیں کے ہم نوا بلکہ شیعیت پھیلانے کے مقصد میں مقدمۃ الجیش ہیں اگر بالفرض کسی وقت اس قسم کی کوئی بات پیش آئی تو میں اور آپ اور دوسرے رفقاء مل کر طے کر لیں گے۔ (۲۲ رذی الحجہ ۱۳۹۴ھ ۶ رجنوری ۱۹۷۵ء)

تبصرہ:

کسی شخص کی انفرادی اصلاح کے لیے اس سے کوئی بات چیت کرنا وغیرہ کا معاملہ تو جدا حیثیت رکھتا ہے لیکن زیر غور مسئلہ تو جماعتی تعاون و اشتراک کا تھا جو حسب ضرورت مولانا سندیلوی نے جائز قرار دے دیا۔ اور پھر موصوف نے جو حضرت مدنی رحمہ اللہ کے نزدیک عدم جواز کی توجیہ ذکر کی ہے۔ اس سے بہت زیادہ تعجب ہوا کہ مولانا اپنی تحریروں میں کھلم کھلا مودودی کو شیعہ کہتے ہیں اور ان کو مجدد سبائیت بھی قرار دیتے ہیں اور سبائی تحریک ایک منافق یہودی عبداللہ بن سبا کی چلائی ہوئی ہے۔ اور اس کی ہولناکیوں کا تجربہ صدیوں سے ملت کو ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے۔ پھر ایک سبائی تحریک اگر مضبوط اور منظم ہو جائے تو اس کے ساتھ اشتراک جائز ہو جائے خواہ کن حالات میں ہی ہو۔ یہ ہمارے لیے ناقابل فہم ہے۔ اس اصول پر تو کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ قادیانی دجال کی

جماعت اب مضبوط اور منظم ہے بس کافر طاقتیں بھی اس کے ساتھ ہیں اس لیے علماء کو ان کے ساتھ اشتراک کر لینا چاہیے ملکی اور بین الاقوامی مفاد کے لیے۔ اور یہی مولانا سندیلوی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت پر بحث کرتے ہیں تو سبائی بلوائی پارٹی کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نرم پالیسی پر تنقید کرتے ہیں اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی سخت پالیسی کو سراہتے ہیں لیکن مودودی جماعت (جس کو سندیلوی صاحب سبائی پارٹی قرار دیتے ہیں) سے تعاون اور اشتراک کو اس کی تنظیمی قوت کی وجہ سے جائز قرار دیتے ہیں اس توجیہ پر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو صحیح اور راجح قرار دینا چاہیے (نیز سبائیوں نے حضرت علی کی خلافت کو تسلیم بھی کر لیا تھا اور بظاہر ان کے تابع ہو گئے تھے) یہ بحث ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ بہر حال مولانا سندیلوی کے اس جواب کے بعد مجھے پہلی بار ان کی ذہنی اور فکری کمزوری کا احساس ہوا۔ اور یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ مولانا کسی فتنہ کو سخت فتنہ سمجھتے ہوئے بھی اس میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور غالباً ان کی اس فکری کمزوری نے ان کو عباسی خارجی تحریک کے علمبرداروں کے قریب کر دیا ہے اور شعوری اور غیر شعوری طور پر وہ ان کی پناہ گاہ بن گئے ہیں۔

ردِ مودودیت میں میری تصانیف:

اصولی طور پر ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے علمائے حق کا اختلاف ان دو مسئلوں پر مبنی ہے:

① عقیدہ عصمتِ انبیاء ② صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معیارِ حق اور تنقید سے بالاتر ہونا۔

اس سلسلے میں اس خادم اہل سنت کی تصانیف حسب ذیل ہیں:

① ...... مودودی جماعت کے عقائد و نظریات پر ایک تنقیدی نظر

② ...... مودودی مذہب

③ ...... مودودی صاحب کے نام کھلی چٹھی

④ ...... علمی محاسبہ (بجواب مولانا مودودی کے اعتراضات کا علمی جائزہ مؤلفہ مفتی محمد یوسف صاحب مودودی)

اس کتاب میں مسئلہ معیار حق کے علاوہ عقیدہ عصمت انبیاء پر مفصل و مدلل بحث کرکے مفتی محمد یوسف صاحب کے نظریات و استدلالات کا مکمل طور پر ابطال کر دیا ہے) دفاع صحابہ میں بھی مودودی افکار کا رد کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں اور بھی مختلف مضامین میں ''فتنہ مودودیت'' کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بہر حال جو پارٹی یا جو افراد رسول اللہ ﷺ کے فیض یافتہ جنتی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کا انکار کرتے ہیں مثلاً شیعہ کہ سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور گنتی کے چند صحابہ کے باقی ساری جماعت صحابہ کو غیر مومن وغیرہ کہتے ہیں۔ العیاذ باللہ اور خارجی کہ حضرت علی المرتضٰی اور ان کے محبین صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص و توہین کرتے ہیں۔ اور مودودی کہ خلفائے راشدین، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہر ایک پر وہ تنقید و جرح کرنے کا حق رکھتے ہیں اور کسی کو غالباً معاف بھی نہیں کیا۔ مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت میں حضرت عثمان ذوالنورین کی خلافت کی پالیسی کو خطرناک اور فتنہ انگیز قرار دیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص نیت اور دیانت کو کھلم کھلا مجروح کیا ہے (ملاحظہ ہو میری کتاب مودودی مذہب اور علمی محاسبہ وغیرہ) تو وہ اور ان کے مذہبی معتقدین کیونکر قابل اعتماد ہو سکتے ہیں؟ جب وہ اصحاب و ازواج رسول ﷺ کے نہیں تو اور کسی کے کیونکر وفادار بن سکتے ہیں؟ اسی بنا پر راقم الحروف (خادم اہل سنت) کی یہی پالیسی تھی اور اب بھی ہے کہ ان کے ساتھ سیاسی طور پر بھی اشتراک نہیں کرتا۔ اور جن علماء اور سیاسی زعماء نے مودودی جماعت کے ساتھ ملکی سیاست میں اشتراک و تعاون کیا ہے ان میں سے بھی عموماً اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ (یعنی مودودی جماعت) کسی کے بھی نہیں۔ اسی بنا پر بعض سیاسی علماء و زعماء جو سابقہ قومی اتحاد میں شریک تھے اب یہ بیان دے رہے ہیں کہ مودودی صاحب کی جماعت اسلامی سے اشتراک و اتحاد نہیں کریں گے۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

مودودی سندیلوی مماثلت:

گو مولانا سندیلوی، مودودی صاحب کے سخت خلاف ہیں (اور ہونا چاہیے) لیکن

علمی و تحقیقی پندار اور بعض پہلوؤں سے اکابر سلف کی تحقیق سے اعتماد اٹھانے میں دونوں میں مماثلت پائی جاتی ہے مثلاً مودودی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ:

میری رائے صرف اس لیے کیوں لازماً مرجوح ہے کہ میں خلف ہوں اور سلف کے ہر بزرگ کی رائے صرف اس وجہ سے کیوں راجح ہے کہ وہ سلف ہیں۔" (رسائل ومسائل جلد دوم، ص ۵۶۰، بار دوم ۱۹۵۷ء)

اور مولانا محمد اسحٰق صاحب: حافظ ابن عبد اکبر پر تنقید و جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

وہ حضرات جو قدامت ہی کو عظمت کی ضمانت سمجھتے ہیں میری اس تحریر پر ضرور چیں بجبیں ہونگے۔ (اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۱۱۴)

اپنی تحقیق کو صحیح قرار دیتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں:

ان روایات سے نتیجہ اخذ کرنے کا جس طرح حافظ ابن کثیر وامثالہم کو حق ہے اسی طرح ہمیں بھی حق ہے اس بارے میں انہیں ہم پر کوئی امتیاز وترجیح حاصل نہیں اس لیے ان کی رائے کو بطور حجت نہیں پیش کیا جائے گا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۲۴۶)

متاخرین فقہاء ومتکلمین کی تحقیق کو غلط قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں: "ہم نے متاخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صریح طریقہ اختیار کیا ہے۔"

(اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۱۷۱)

مسئلہ ذرا دقیق ہے اور جو زاویہ نظر میں پیش کر رہا ہے وہ جدید ہے اس لیے قدرے تفصیل کی احتیاج ہے جو درج ذیل ہے۔ (ایضاً ص ۱۷۲)

تنقید کی بیماری:

مودودی صاحب اور سندیلوی صاحب دونوں تنقید کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ یہاں مودودی صاحب کی تنقیدات کا نمونہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔ میری کتاب تنقیدی نظر اور دوسری تصانیف میں مذکور ہیں۔ قدوۃ الصلحا شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا

صاحب محدث سہارنپوری نزیل مدینہ منورہ دامت فیوضہم کی کتاب ''فتنہ مودودیت'' بھی اس سلسلے میں بہت مفید اور مؤثر ہے۔ خود مولانا سندیلوی بھی مودودی صاحب پر طعن کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جب تک اسلاف پر اس طرح طنز و تعریض کر کے ان میں کوئی نقص نہ نکالا جائے اس وقت تک شان تجدید کیسے ظاہر ہو سکتی ہے اور جماعت کے افراد میں یہ خیال کیسے پھیل سکتا ہے کہ چودہ سو سال کی مدت میں اسلام کو پورے طریقے سے صرف مودودی صاحب ہی نے سمجھا ہے۔''

(اظہار حقیقت جلد اوّل حاشیہ، ص ۳۵)

لیکن مودودی صاحب کی جس خود ساختہ تجدید کی یہاں نشاندہی فرما رہے ہیں خود مولانا سندیلوی بھی اس میں مبتلا ہیں۔ وہ بھی اپنے افکار و نظریات کو صحیح منوانے کے لیے میدان صاف کر رہے ہیں اور ان بڑی بڑی علمی شخصیتوں کی تحقیق سے اعتماد اٹھانا چاہتے ہیں جو ان کی ریسرچ اور تحقیق میں حائل ہیں۔

سندیلوی تنقید کے نمونے:

① حافظ ابن کثیر محدث و مفسر اور مؤرخ کی البدایہ والنہایہ کی بعض روایات پر جرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

واقعہ تو اسی وقت صحیح تسلیم کیا جا سکتا ہے جب روایت اصول روایت کی کسوٹی پر کھری نکلے۔ اگر وہ کھوٹی نکلتی ہے تو اسے کوڑے خانے میں پھینک دیا جائے گا اور اگر ان حضرات کو اس کی صحت پر اصرار ہے اور ان کی رائے اس کے موافق ہے تو ان کی اس رائے کو پرکاہ کے برابر وقعت نہ دی جائے گی اور اسے بھی روایت کے ساتھ کوڑے خانے میں پھینک دیا جائے گا۔ (اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۴۴)

ہم کہتے ہیں کہ اگر آپ کو اس فن میں مہارت حاصل ہے تو آپ علمی طور پر کسی روایت پر جرح کر سکتے ہیں اور اگر آپ حافظ ابن کثیر کے پایہ کے محقق اور مفسر ہیں تو ان کی رائے پر بھی تنقید کر لیں لیکن جو انداز تنقید آپ نے اختیار کیا ہے اور جو زبان آپ

استعمال کر رہے ہیں یہ تحقیق نہیں تخریب ہے۔ یہ زبان محمود احمد عباسی اختیار کریں تو وہ بھی مذموم ہے لیکن وہ علماء کے زمرہ میں نہیں ہیں نہ ہی وہ کسی دارالعلوم کے سابق شیخ الحدیث ہیں۔ لیکن آپ کی یہ زبان تو کسی اور امر کی ہی نشاندہی کرتی ہے اس کو تحقیق و تدقیق سے کیا تعلق؟

④ مودودی صاحب کا جواب دیتے ہوئے مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:

مولانا نے علامہ ابن حجر عسقلانی اور علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمہ اللہ کے اقوال بھی اپنی تائید میں نقل کیے ہیں۔ ان کے متعلق چند باتیں عرض کردوں تاکہ ناظرین اس مغالطہ سے محفوظ رہیں جس میں انہیں مودودی صاحب نے مبتلا کرنا چاہا ہے:

① یہ ان حضرات کی رائے ہے روایت نہیں ہے۔ تاریخی واقعات روایت سے ثابت ہوتے ہیں نہ کہ رائے سے جب ان روایات کا غلط ہونا ثابت ہوگیا تو موصوف کی رائے کے ساتھ ان حضرات کا غلط ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

② عربی کی ایک مثل ہے لکل فن رجال "ہر علم وفن کے مسئلہ میں اس کے ماہرین کی رائے وزنی ہوتی ہے۔" یہ دونوں بزرگ حدیث کے ماہر تھے تاریخ کو نہ انہوں نے اپنا موضوع بنایا نہ اس علم میں ان کا کوئی خاص درجہ ہے۔ مسئلہ کا تعلق تاریخ سے ہے اس لیے ان حضرات کی رائے اس مسئلہ میں بالکل بے وزن ہے۔" (ایضاً، ص ۳۶۰)

اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ محدث ابن حجر عسقلانی اور محدث علامہ سید محمد انور شاہ صاحب مؤرخ نہیں ہیں اس لیے ان کی رائے غلط ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں ہے۔ گویا سندیلوی صاحب کے نزدیک یہ حضرات بلا تحقیق رائے دیتے ہیں۔ اگر وہ مورخ نہیں ہیں تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ مولانا سندیلوی کو کس نے مورخ ہونے کی سند دی ہے؟

⑤ جناب مروان صحابی ہیں یا نہیں اس میں محدثین کا اختلاف ہے۔ اسی بحث میں مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:

(۱) علامہ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ باوجودیکہ اس فضا سے خاصے متاثر ہیں جسے شیعی پروپیگنڈے نے مسموم بنادیا تھا اس لیے حضرت مروان سے کچھ کھنچے کھنچے سے رہتے ہیں

لیکن یہ کہنے پر مجبور ہوئے۔ الخ۔ اس کے بعد کی عبارت ابن حجر عسقلانی کی سندیلوی صاحب کے لیے مفید بھی ہے لیکن اس کے باوجود یہاں ان کی محدثانہ وعظیم شخصیت کو مجروح کرنے کے لیے یہ زہریلے الفاظ لکھ دیئے کہ وہ اس فضا سے خاصے متاثر ہیں جسے شیعی پروپیگنڈے نے مسموم بنا دیا تھا۔ جس محدث یا محقق کی رائے سندیلوی افکار کے خلاف ہو وہاں شیعیت سے متاثر ہونے کا فتویٰ دیدیتے ہیں۔ چنانچہ کتاب کے شروع میں ہی فرماتے ہیں: مخالفین صحابہ کے پروپیگنڈے اور ہماری غفلت کی وجہ سے تاریخی واقعات اوران سے تعلق رکھنے والے بہت سے مسائل کے بارے میں خود اہل سنت بہت سی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں اور صرف عوام نہیں بلکہ علماء کی خاصی تعداد بھی شیعی افکار سے متاثر نظر آتی ہے۔ (ایضاً جلد اول، ص ۲،۲۸)

④ خطائے اجتہادی کی بحث میں لکھتے ہیں: ان دلائل کے مقابلہ میں علامہ ابن حجر کے قول کا کیا وزن باقی رہ جاتا ہے؟ ان کے قول کی اساس و بنیاد ہی جب منہدم ہوگئی تو اس کی صحت کے کیا معنیٰ؟ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۰۲)

⑤ یہ عرض کر چکا ہوں کہ مابعد کی سیر و تاریخ کی کتابوں کا مدار عموماً انہی چار کتابوں پر ہے (یعنی ابن اسحٰق، ابن ہشام، واقدی اور طبری) ان کی صحیح حیثیت واضح ہونے کے بعد ابن الاثیر، ابن کثیر، ابن خلدون وغیرہ کی حیثیت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے۔

(ایضاً، ص ۱۱۳)

⑥ ابن الاثیر اور استیعاب وغیرہ کی ضخیم کتابیں دیکھ کر راقم السطور کے دل میں ان کے مصنفین کے لیے جذبہ مدح وستائش کے بجائے دعائے عفو و مغفرت کا میلان پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی اس شدید غلطی کو معاف فرمائیں۔ انہوں نے دشمنانِ دین کے لیے نادانستہ طور پر خاصا مواد فراہم کر دیا ہے۔ آج اسی گندے پانی کی چھینٹیں اڑا کر شیعہ اور ان کے ساتھ مستشرقین ہمارے دامن کو داغ دار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ (ایضاً، ص ۱۲۳)

⑦ حافظ ابن عبدالبر پر تو سندیلوی صاحب زیادہ غضبناک ہیں چنانچہ فرماتے ہیں۔ ان روایتوں کا درجہ کیا ہے ایک مورخ تو انہیں بازاری افواہوں سے اُونچا مرتبہ نہیں دے

سکتا۔ اس بھدے پیوند نے کتاب کو اور زیادہ بدنما بنا کر اس کے اعتبار کو اور زیادہ مجروح کر دیا ہے۔ جو شخص عقل وفہم سے کام لے کر اور کتاب وسنت کے نور سے آنکھوں کو روشن کر کے اس کتاب (یعنی استیعاب) کو دیکھے گا وہ خواہ حافظ ابن عبدالبر کی قوت حافظہ اور ان کی وسعت نظر کے متعلق کیسی ہی اچھی رائے کیوں نہ قائم کرے مگر ان کی فہم دین اور ان کے تفقہ کے متعلق تو ہرگز کوئی اچھی رائے نہیں قائم کر سکتا۔ نہ انہیں نقل روایت کے بارے میں قابل اعتماد سمجھ سکتا ہے۔ وہ حضرات جو قدامت کو ہی عظمت کی ضمانت سمجھتے ہیں میری اس تحریر پر ضرور چیں بجبیں ہوں گے۔ (ص ۱۱۴)

انہی حافظ ابن عبدالبر کے متعلق لکھتے ہیں: طبری نے اپنی شیعیت کی وجہ سے اسے لکھنا ضروری سمجھا۔ صاحب استیعاب (یعنی ابن عبدالبر) نے خود جو خیال حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے متعلق ظاہر کیا ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق ان کی بے جا بیباکی اور ان کی غیر محققانہ طرز عمل کو ظاہر کر رہا ہے۔ مزید یہ کہ ہم پہلے واضح کر چکے ہیں کہ استیعاب میں صحت روایت کا کوئی التزام نہیں کیا گیا ہے بلکہ نقل روایات و اخبار میں سخت بے احتیاطی برتی گئی ہے۔ کنز العمال میں بھی اس کا التزام نہیں ہے۔ (ایضاً، ص ۱۵۹)

⑧ حافظ ابن عبدالبر، علامہ ابن حجر، ابن الاثیر رحمہم اللہ سر آنکھوں پر لیکن آنکھیں بند کر کے ان کی رائے یا ان کی بیان کردہ کسی روایت کو صحیح تسلیم کر لینا ایک ایسی غلطی ہے جس کے لیے کوئی بھی وجہ جواز نظر نہیں آتی۔ (ایضاً، ص ۴۵)

⑨ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا منسوب کرنے کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ: اس بارے میں عام طور پر مؤرخین اسلام سے ناانصافی کا صدور ہوا ہے۔ وہ کتابیں جو مسلمانوں کی تاریخ کا اصل ماخذ سمجھی جاتی ہیں یعنی طبری، مغازی، ابن اسحٰق، طبقات ابن سعد ان پر ہم تبصرہ کر چکے ہیں۔ (جلد اول، ص ۸۳) اور واضح کر چکے ہیں کہ ان کی روایتوں اور ان کے بیانات پر شیعیت و یہودیت کا اثر نمایاں ہے۔ طبری، ابن اسحٰق، واقدی تینوں تقیہ باز شیعہ اور سبائی پارٹی کے رکن رکین تھے اس لیے انہوں نے حضرت معاویہ کے خلاف زہر اگلنے جھوٹی روایتیں گھڑنے اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش

کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۱۷۰)

⑩ شیعی خارجی معتزلی وضاعوں، کذابوں کی روایتیں۔

تبصرہ:

مولانا سندیلوی نے مؤرخین اسلام کی شخصیتوں کو جس طرح مجروح کیا ہے وہ مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہے۔ یہ تو کوئی بھی نہیں کہہ سکتا کہ تاریخی کتب کی تمام روایات قابل اعتماد ہیں۔ ہمارا اعتراض تو مولانا سندیلوی کی اس تنقیدی زبان پر ہے جس کے ذریعہ وہ اپنا تحقیقی شاہکار پیش کر رہے ہیں۔ طبری وغیرہ کو تو وہ شیعہ قرار دیتے ہیں لیکن جن مؤرخین کو وہ خود بھی اصحاب علم وتقویٰ مانتے ہیں ان کے متعلق تو احتیاط سے قلم چلانا چاہیے تھا۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ ان میں سے بعض مصنفین علم وتقویٰ کے اعتبار سے ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں مثلاً علامہ ابن الاثیر، علامہ ابن کثیر، حافظ ابن عبدالبر وامثالہم۔ تو انہیں اس لیے تساہل پر اور بھی تعجب ہوتا ہے۔ اس تعجب کو دور کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے اور تکمیل بحث کے لیے بھی ہمیں اس کی کوئی احتیاج نہیں ہے۔ تاہم اس موقع پر اگر اس کے متعلق چند سطریں لکھ دی جائیں تو ان شاء اللہ مفید ہونگی۔ اس قسم کی روایتیں جن حضرات نے اپنی کتابوں میں درج کی ہیں ایک تو وہ ہیں جنہوں نے قصداً محض سلف کو مطعون کرنے اور مسلمانوں میں فاسد خیالات پھیلانے کے لیے ایسا کیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو خود فاسد العقیدہ اور گروہ اہل سنت والجماعت سے خارج تھے۔ ان پر ہم سر دست بحث نہیں کریں گے بلکہ چند سطروں کے بعد مناسب موقع پر واضح کریں گے۔

کتب تاریخ میں صحیح وسقیم روایات:

یہاں ہمیں انہیں حضرات سے بحث کرنا ہے جن کا اہل سنت میں ہونا سب کو مسلم ہے۔ انہوں نے نقل روایت میں جو تساہل کیا اس کی وجہ کیا تھی؟ اس کے اسباب مختلف اور متعدد ہیں منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ بعض حضرات نے کسی خاص مقصد سے روایتیں جمع

کرنا چاہیں۔ انہوں نے صرف یہ بات پیش نظر رکھی کہ ان کا مقصد ان روایتوں سے حاصل ہوتا ہے خواہ روایت صحیح ہو یا غلط۔ حافظ عبدالبر کی کتاب استیعاب میں بھی یہی چیز نظر آتی ہے۔ مصنفؒ نے کتاب کے دیباچے میں ظاہر کیا ہے کہ ان کا مقصد اس کتاب کی تدوین سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا استیعاب کرنا اور یہ بتانا ہے کہ فلاں فلاں حضرات صحابی تھے اس کے لیے انہوں نے ہر ایک ایسی روایت درج کر دی ہے جس سے کسی کی صحابیت پر روشنی پڑتی ہو خواہ وہ روایت غلط ہو یا صحیح اس لیے کہ یہ مقصد تو موضوع اور غلط روایتوں سے بھی بعض اوقات حاصل کیا جا سکتا ہے مثلاً کوئی سبائی کسی صحابی پر جھوٹا الزام لگانے کے لیے ایک روایت وضع کرتا ہے وہ روایت سر تا پا جھوٹ ہے لیکن اس سے اتنا معلوم ہو جاتا ہے کہ صاحب واقعہ صحابی ہیں اور انہیں دشمنان صحابہ بھی صحابی سمجھتے ہیں۔

(اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۵۹، ۶۰)

بعض حضرات کا اسلوب تحریر اطناب اور تطویل تھا اس کی ایک شکل یہ بھی ہوتی تھی کہ انہیں اگر دس روایتوں میں کوئی ادنیٰ سا جز ومشترک نظر آ جاتا تھا تو وہ ان دسوں روایتوں کو نقل کر دیتے ہیں خواہ بقیہ اجزاء کے لحاظ سے ان میں سے نو روایتوں میں سارا مواد موضوع اور جھوٹ کی پوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ تاریخ کی کتابوں میں اس شکل کی روایتیں بکثرت نظر آتی ہیں۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے یہ روش تاریخ و تفسیر دونوں میں اختیار کی ہے۔ (ایضاً ص ۶۱)

تاریخ اسلام پر جو کتابیں قدیم زمانے میں لکھی گئی ہیں ان کا طرز وہ نہیں ہے جو آج کی مروجہ تاریخی کتابوں کا ہے۔ آج کے مورخ کا طریق تالیف یہ ہے کہ وہ واقعات کو اپنی ذمہ داری پر اس طریقہ سے بیان کرتا ہے کہ گویا یہ تسلیم شدہ ہیں اور اس کے نزدیک بالکل ثابت ہیں۔ وہ روایتیں نہیں جمع کرتا نہ واقعات کی کوئی سند یا اس کا سلسلہ روایت بیان کرتا ہے۔ ان کتابوں میں جو واقعات درج ہوئے ہیں ان کی صحت و غلطی کی جانچ کرنے کا قاری کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوتا اگر مورخ قابل اعتماد ہے تو اس کی کتاب کی ہر بات کا اسے اعتبار کرنا پڑتا ہے اور دوسرے سے اسے تسلیم کرانے کے لیے اسے صرف کتاب کا

حوالہ دینا پڑتا ہے۔ (ایضاً، ص ۴۰)

اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:

ان کتابوں کا طرز تالیف موجودہ طرز تالیف سے بالکل مختلف ہے۔ ان کتابوں کی حیثیت آموں کی ایسی ڈھیری کی ہے جس میں غلط آم لگے ہوئے ہوں۔ کھٹے، میٹھے، پھیکے، داغی، صاف، سڑے گلے ہر طرح کے آم جو مختلف انواع و اقسام کے ہوں اور مختلف درختوں سے توڑے گئے ہوں اس میں موجود ہیں۔ انب فروش اچھے برے میں امتیاز اور چھانٹنے کا کام خریدار پر چھوڑ دیتا ہے۔ (۴۲)

جب مولانا موصوف قدیم تاریخی کتب کی ترتیب و تدوین کے متعلق خود لکھ رہے ہیں کہ ان کا طرز تالیف یہ تھا کہ ہر قسم کی روایتیں جمع کر دیتے تھے۔ اور اس کی پرکھ اور تنقید کا کام قاری پر چھوڑ دیتے تھے یا یہ کہ مختلف اور مقاصد کے تحت ہر قسم کی روایات جمع کر دیتے تھے وغیرہ۔ تو اگر تالیف کتب تاریخیہ کی یہی وجوہ مختصر طور پر مولانا بیان کر دیتے تو ان کتابوں کے پڑھنے والوں کو ان مصنفین کے متعلق بدظنی نہ ہوتی جو موصوف کے نزدیک بھی علم و تقویٰ میں ممتاز تھے۔ لیکن مولانا سندیلوی نے تنقید کے جوش میں نہ صرف روایات کو بلکہ ان کتب کے مؤلفین کو بھی تنقید و جرح کا ہدف بنا دیا ہے۔ جیسا کہ انہوں نے حافظ ابن البر کے متعلق لکھا ہے کہ:

جو شخص عقل و فہم سے کام لے کر اور کتاب و سنت کے نور سے آنکھوں کو روشن کر کے اس کتاب (استیعاب) کو دیکھے گا خواہ وہ حافظ ابن عبدالبر کی قوت حافظہ اور ان کی وسعت نظر کے متعلق کیسی ہی اپنی رائے کیوں نہ قائم کرے مگر ان کی فہم دین اور ان کے تفقہ کے متعلق تو ہرگز کوئی اچھی رائے قائم نہیں کر سکتا۔ (اظہار حقیقت جلد اول، ص ۱۱۴)

علاوہ ازیں فرماتے ہیں:

صاحب استیعاب کی شیعت نواز عقل و خرد پر آفرین ہے کہ انہوں نے ایک صحابی رسول کے متعلق جو آنحضور ﷺ کے ہم قبیلہ اور رشتہ دار بھی تھے اس لغو اور سراپا کذب و بہتان افسانے کو محض بازاری لوگوں سے سن کر بغیر کسی سند کے اپنی کتاب میں درج

کردیا(۲۵۷) علاوہ ازیں خود سندیلوی صاحب یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ: روایات کے بارے میں ان کی بے احتیاطی کی ایک توجیہ ہم پچھلے صفحات میں ذکر کر چکے ہیں۔ اسے پیش نظر رکھنے سے یہ بری الذمہ تو نہیں ہو سکتے۔ لیکن ان کا جرم کچھ ضرور ہلکا ہو جاتا ہے۔ علاوہ بریں تحریف والحاق کے شبہ سے یہ کتاب بھی پاک نہیں ہے۔''

(ایضاً جلد اوّل، ص ۱۱۵)

جب تحریف والحاق کا بھی احتمال ہے اور ضرور ہے تو صرف روایت کو مجروح کرنے پر اکتفا کیا جائے اور اکابر مصنفین کی شخصیت کو نہ مطعون کیا جائے۔

تاریخی روایات حضرت مدنی رحمہ اللہ کی نظر میں:

یزید کی ولی عہدی کی بحث میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب قدس سرہٗ تاریخی روایات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں نہ راویوں کا پتہ ہوتا ہے نہ ان کی توثیق وتخریج کی خبر ہوتی ہے نہ اتصال وانقطاع سے بحث ہوتی ہے اور اگر بعض متقدمین نے سند کا التزام بھی کیا ہے تو عموماً ان میں غث وثمین سے اور ارسال وانقطاع کے ساتھ لیا گیا ہے خواہ ابن اثیر ہوں یا ابن قتیبہ۔ ابن ابی الحدید ہوں یا ابن سعد۔ ان اَخبار کو مستفاض ومتواتر قرار دینا بالکل غلط ہے اور بے موقع ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق ان قطعی اور متواتر نصوص اور دلائل عقلیہ ونقلیہ کی موجودگی میں اگر روایات صحیحہ واحادیث بھی موجود ہوتیں تو مردود و ماول قرار دی جاتی چہ جائیکہ روایاتِ تاریخ۔ اب آپ اصولِ تنقید کو پیش نظر رکھ کر کوئی رائے قائم کیجئے۔ (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل ص ۲۸۲)

بہرحال جب قدیم تاریخوں میں مصنفین نے خود صحیح روایات کا التزام نہیں کیا اور کسی نہ کسی حکمت کے تحت ہر قسم کی روایتیں جمع کر دی ہیں۔ تو بلا تنقید ان کو قبول نہیں کیا جائے گا لیکن جو مصنفین اہل سنت والجماعت کے ہاں دین وتقویٰ میں ایک خاص مقام

رکھتے ہیں ان کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا۔ اور مولانا سندیلوی پر ہمارا یہی اعتراض ہے کہ وہ حافظ ابن البر وغیرہ کو ناجائز طور پر ہدف تنقید بنا کر ان کی شخصیت کو مجروح کرتے ہیں۔

حافظ ابن عبدالبر:

صاحب استیعاب حافظ ابن عبدالبر کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لہٗ توالیف لامثل لھا، منھا کتاب الاستیعاب فی الصحابۃ لیس لاحد مثلہ۔

"حافظ عبدالبر کی تالیفات کی مثل کوئی نہیں ہے اور انہی میں سے ایک کتاب صحابہ کے حالات میں استیعاب ہے کہ اس کی مثل بھی اور کوئی کتاب نہیں ہے۔"

حضرت مدنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تحریر الاصول المحقق ابن ہمام اور اس کی شرح تقریر الاصول جلد ثانی (ص ۲۶۰) میں مذاہب اور دلائل ذکر فرمانے کے بعد فرماتے ہیں:

علیٰ ان ابن عبدالبر حکی اجماع اھل الحق من المسلمین وھم اھل السنۃ والجماعۃ علی ان الصحابۃ کلھم عدول وھذا اَولی من حکایۃ ابن الصلاح اجماع الامۃ علیٰ تعدیل جمیع الصحابۃ۔

"ان سب کے علاوہ یہ ہے کہ علامہ ابن عبدالبر نے مسلمانوں کے اہل حق کا (اور وہ اہل السنۃ والجماعت ہیں) اجماع ذکر کیا ہے اس امر پر کہ صحابہ سب کے سب عدول ہیں اور یہ عبارت ابن صلاح کی عبارت سے بہتر ہے کہ تمام امت تمام صحابہ کی تعدیل پر متفق اور اجماع کیے ہوئے ہے۔ ہاں ابن صلاح رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ صحابہ میں سے جو لوگ فتنوں میں شریک ہوئے ان کی تعدیل پر معتبرین امت کا اجماع ہے، یہ قول ابن صلاح کا حسن ہے۔"

(مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت ص ۶۶ طبع مکتبہ عثمانیہ ہرنولی ضلع میانوالی)

حضرت مدنی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ: حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق فرماتے ہیں:

فهم خير القرون وخير امة اخرجت للناس ثبتت عدالة جميعهم بثناءِ الله عزوجل عليهم وثناء رسول الله ﷺ ممن ارتضاه الله لصحبة نبيِّه ونصرته ولا تزكية افضل من ذلك ولا تعديل اكمل منه قال الله تعالیٰ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه والذين معه۔ (استیعاب جلد اوّل، ص ۲)

''پس یہ لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) خیر القرون ہیں اور تمام ان امتوں میں جو کہ لوگوں کی ہدایت کے لیے بنائی گئی ہیں، بہترین ہیں ان سب کی عدالت اللہ تعالیٰ کی ثناء اور رسول اللہ کی محبت سے ثابت ہوتی ہے اور کوئی زیادہ عدالت والا اس سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اپنے نبی کی صحبت اور مدد کے لیے اور کوئی پاکیزگی اس سے افضل نہیں ہے اور نہ کوئی تعدیل اس سے بڑھ کر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔'' (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت، ص ۵۶)

امام حدیث ابن صلاح (جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں) اپنی کتاب علوم الحدیث باب ۳۹ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کے سلسلہ میں فرماتے ہیں:

هذا علم كبيرٌ قد الف الناس فيه كتباً كثيرةً ومن اجلّها واكثرها فوائد كتاب الاستيعاب لابن عبدالبر لولا ماشانه به من ايراده كثيراً مما شجر بين الصحابة وحكاياته عن الاخبار بين الاكثار والتخليط فيما يرونه۔

(علوم الحديث ص ۲۶۲ طبع المدينة المنوره)

''معرفت صحابہ ایک بڑا علم ہے جس میں لوگوں نے بہت بہت تصانیف لکھی ہیں اور ان میں سب سے افضل و اعلیٰ اور سب سے زیادہ مفید کتاب الاستیعاب ہے ابن عبدالبر کی، اگر اس کو یہ بات عیب دار نہ کردیتی کہ اس میں مشاجرات صحابہ کے متعلق تاریخی روایات کو درج کردیا ہے، محدثین کی محدثانہ روایات پر مدار نہیں رکھا اور یہ ظاہر ہے کہ مورخین پر غلبہ اس کا ہے کہ بہت

روایات جمع کردی جائیں جن میں معتبر غیر معتبر روایات خلط ملط ہو جاتی ہیں۔"

(بحوالہ مقام صحابہؓ مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ (دار العلوم کراچی)

علاوہ ازیں امام سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ نے بھی استیعاب کی اس قسم کی روایتوں کی بنا پر اعتراض کیا ہے۔ لیکن مولانا سندیلوی تو حافظ ابن عبدالبر کے متعلق یہاں تک لکھتے ہیں کہ: صاحبِ استیعاب کی شیعیت نواز عقل وخرد پر آفرین ہے۔

(اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۱۱۵)

اگر سندیلوی صاحب روایات کے پہلو کو نظر انداز کر کے ابن عبدالبر کی مندرجہ بالا عبارت کو پیشِ نظر رکھتے تو ان کو شیعہ نوازانہ قرار دیتے۔ (یعنی فهم خير القرون و خير امة اخرجت للناس الخ)

اور یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عدالت پر اہل سنت و جماعت کا اجماع ہے۔ اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں جب اسی استیعاب میں اپنا عقیدہ حافظ ابن عبدالبر نے لکھ دیا ہے اور خود بھی اقرار کیا ہے کہ اس کتاب میں ہر قسم کی روایات ہیں تو پھر ان کو شیعیت نوازی کی سند عطاء کرنا سندیلوی صاحب کے محض غیض وغضب کا ہی تقاضا ہو سکتا ہے؟

اسی طرح ابن اثیر جزری رحمہ اللہ نے اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ جلد اوّل ص ۲ پر لکھا ہے: والصحابة يشاركون سائر الرواة (ترجمہ) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تمام راویوں کے سامنے تمام باتوں میں شریک ہیں مگر جرح اور تعدیل میں نہیں کیونکہ وہ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں۔ (مودودی دستور اور عقائد کی حقیقت، ص ۶۳)

تاریخ طبری:

تاریخ طبری کے متعلق معتدل اور صحیح قول حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحب عقائد شیعہ کے تحت فرماتے ہیں:

اور ایک طرح پر مورخین اہل سنت کو فریب دیتے ہیں مثلاً ایک کتاب تاریخ اس میں کتاب میں تو اریخ معتبرہ اہل سنت سے نقل کریں اور ذرا خیانت نقل میں نہ کریں لیکن

جب نوبت ذکر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان کے جھگڑوں کی پہنچے تو بعض قدحیات یعنی بری، مذمت کی باتیں کتاب محمد بن جریر طبری شیعہ سے جو ذم صحابہ میں تصنیف کر رکھی ہے اور اس کتاب سے جو امامت میں لکھی ہے اور ''ایضاح المسترشد'' نام رکھا ہے اس میں سے نقل کریں لیکن نام کتاب منقول عنہ کا صریح نہ لیں۔ پس یہاں دیکھنے والا غلطی میں پڑ جاتا ہے کہ شاید کتاب محمد بن جریر طبری شافعی کی ہے کہ تاریخ کبیر کر کے مشہور ہے اور واضح التواریخ ہے۔ پھر مورخ نقل در نقل کرتے ہیں اور متحیر ہوتے ہیں اور نیز پیرو اس نقل کے ورطۂ گمراہی میں گرفتار ہوتے ہیں اور یہ کتاب تاریخ کبیر نہایت عزیز الوجود اور کمیاب ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جن کو پورا نسخہ اس کا میسر ہوا ہو اور یہ جو لوگوں کے پاس ہے مختصر اس کا ہے کہ اس میں سماطی شیعی کی تحریف بہت ہوئی ہے۔ ان شاء اللہ اس کا حال قریب آتا ہے اور ترجمہ کرنے والے اس مختصر کے بھی شیعہ گزرے ہیں پس تحریف در تحریف اس میں ہوگئی۔ (تحفہ اثنا عشریہ مترجم، ص ۱۰۰)

حضرت شاہ صاحب کی اس تحقیق کے بعد بات صاف ہو جاتی ہے کہ موجودہ طبری کا نسخہ تحریف شدہ ہے۔ تو کتاب طبری کی روایت کو تو رد کیا جائے گا لیکن اس کے مصنف امام ابن جریر طبری کو ہدف طعن نہیں بنایا جائے گا۔

مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ:

مولانا سندیلوی اور محمود احمد صاحب عباسی ابن جریر طبری کو کٹر شیعہ قرار دیتے ہیں اور دو کے بجائے ایک ہی ابن جریر طبری تسلیم کرتے ہیں لیکن حضرت شاہ صاحب اور دیگر محققین اہل سنت کی تحقیق یہ ہے کہ ابن جریر طبری دو ہیں ایک سنی ہے اور دوسرا شیعہ۔ اسماء الرجال کی کتابوں میں بھی دونوں کا علیحدہ علیحدہ تذکرہ ہے۔ اور سنی ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق کشف الظنون جلد اول میں ہے **قال الامام جلال الدین السیوطی فی الاتقان وکتابہ (ای الطبری) اجل التفاسیر واعظمہا** (امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ اتقان میں فرماتے ہیں کہ تفسیر ابن جریر طبری تفاسیر میں بہت اعلیٰ اور بڑا مقام

رکھتی ہے) وقال النووی اجمعت الامة علی انه لم یصنف مثل تفسیر الطبری (اور امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امت کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ تفسیر طبری کی مثل کوئی تفسیر تصنیف نہیں کی گئی)۔ (ایضاً کشف الظنون)

ابن تیمیہ رحمہ اللہ:

تفسیر طبری کے متعلق خود مولانا سندیلوی نے مودودی صاحب کے جواب میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا قول لکھا ہے:

اما التفاسیر التی بایدی الناس فاصحّها تفسیر محمد بن جریر الطبری فانه یذکر مقالات السلف بالاسانید الثابتة۔

"یعنی مروجہ تفاسیر میں (سب تفسیروں میں نہیں) تفسیر طبری سب سے زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ وہ مفسرین سلف کے اقوال صحیح سندوں سے نقل کرتے ہیں۔" (اظہار حقیقت جلد اول، ص۹۹)

یہاں ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اس وقت کی تمام مروجہ تفسیروں میں ابن جریر کو سب سے زیادہ صحیح قرار دیا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک ابن جریر صاحب تفسیر سنی ہیں اور ان کی تفسیر بہترین تفسیر ہے۔ سندیلوی صاحب نے جو اس میں تاویلیں کی ہیں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہمارا مقصد یہاں صرف یہی ہے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے نزدیک یہ تفسیر قابل اعتماد اور محققانہ ہے مزید تفصیل کی یہاں نہ ضرورت ہے نہ گنجائش اس تفسیر میں بھی الحاق تحریف کا ہونا مستبعد نہیں۔ اس لیے اگر کوئی بات واضح طور پر مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے تو وہ قابل قبول نہ ہوگی۔ یہ طرز عمل صحیح نہیں کہ ابن جریر مفسر کو غالی شیعہ قرار دے کر ان اکابر محققین کی تحقیق کو بالکل مردود قرار دیدیا جائے اور صرف مولانا سندیلوی محقق فرید کی حیثیت سے میدان میں رہ جائیں۔

امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ پر تنقیدی نشتر:

مودودی صاحب نے امام ابوبکر جصاص حنفی صاحب احکام القرآن کی یہ عبارت نقل

کی تھی کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے باغی گروہ کے خلاف تلوار سے جنگ کی اور ان کے ساتھ وہ اکابر صحابہ اہل بدر تھے جن کا مرتبہ سب جانتے ہیں اس جنگ میں وہ حق پر تھے اور اس میں اس باغی گروہ کے سوا جو ان سے برسر جنگ تھا اور کوئی بھی ان سے اختلاف نہ رکھتا تھا۔

اس کا جواب دیتے ہوئے مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:

علامہ ابوبکر جصاص کی کوہ وقار شخصیت کی وجہ سے اس سے سخت غلط فہمی بلکہ گمراہی کا اندیشہ ہے اور اس پر قدرے تفصیل سے بحث کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد علامہ موصوف کی جلالت شان اور ان کے علم وفضل کے اعتراف کے باوجود میں یہ عرض کرنے پر مجبور ہوں کہ ان سے اس مسئلہ میں سخت لغزش ہوئی ہے ان کی مندرجہ بالا رائے بے اصل۔ بے دلیل بلکہ دلائل صحیحہ اور مسلک اہل سنت کے بالکل خلاف ہے۔ گزشتہ صفحات میں جو بحث ہم کر چکے ہیں اس پر نظر کرنے سے ان کی رائے کی رائی کے دانے کے برابر بھی وقعت باقی نہیں رہتی اور مہر نیمروز کی طرح روشن ہو جاتا ہے کہ ان کا یہ قول بالکل غلط بلکہ مجموعہ اغلاط ہے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۳۰۶)

تبصرہ:

مودودی صاحب نے تو امام ابوبکر جصاص کا حوالہ اپنی تائید میں کسی اور نیت سے دیا ہوگا کیونکہ وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص وللّٰہیت کے قائل نہیں ہیں لیکن ادھر مولانا سندیلوی کا یہ حال ہے کہ فوراً گرم ہو جاتے ہیں اور بغیر کسی تاویل اور توجیہ کے اکابر اسلام پر اپنا غصہ نکال لیتے ہیں۔ ہماری گزارش ہے کہ آپ پہاڑوں سے ٹکر نہ مارا کریں اس سے آپ کا سر ہی پھوٹ جائے گا۔ صرف ابوبکر جصاص نے باغی کا لفظ استعمال نہیں کیا بلکہ اور اکابر نے بھی اسی طرح لکھا ہے لیکن مشاجرات صحابہ میں باغی سے مراد صورتاً باغی ہونا ہے نہ کہ حقیقتاً۔ جس کی بحث ان شاء اللہ اپنے مقام پر آئے گی۔ یہ تاویل اور توجیہ بہت صاف ہے کاش کہ مولانا سندیلوی غلو نہ کرتے۔ اسی سلسلہ میں امام جصاص کے متعلق لکھتے ہیں کہ: یہاں اتنا عرض کیے دیتے ہیں کہ موصوف، تفسیر فقہ، حدیث کے محقق تھے تاریخ کے

محقق نہ تھے انہوں نے طبری وغیرہ مؤرخین کے بیان پر اعتماد کیا۔ اس لیے غلطی میں مبتلا ہوئے اور ایک غلطی متعدد غلطیوں کا سبب بن گئی (ص ۳۰۹)

مولانا سندیلوی کا یہ خاص حربہ ہے کہ اگر کسی مفسر محدث کی تحقیق ان کے نظریہ کے خلاف ہو تو بلا تامل یہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تاریخ کے محقق نہ تھے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ سید محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری کے متعلق بھی یہی بات کہہ چکے ہیں۔ ع

دل کے خوش کرنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

تاریخ پر شیعوں کا قبضہ:

لیکن مولانا سندیلوی جو کچھ تاریخی کتب کے متعلق فرما چکے ہیں وہ پہلے گزر چکا ہے۔ علاوہ ازیں تصریح فرماتے ہیں کہ:

ہماری تاریخ یہ ہے کہ اس پر روافض کا قبضہ ہو گیا اور انہوں نے اسے تاریک بنانے کی پوری کوشش کی۔ (ایضاً ص ۳۶۵)

دور مذکور کی جو تاریخیں اس وقت موجود ہیں ان سب کا اصل ماخذ شیعہ مورخین ہی کی تصانیف اور روایات ہیں۔ اس دور کی کوئی ایسی تاریخ موجود نہیں جو کسی سنی نے لکھی ہو اور جس کا ماخذ شیعہ رواۃ و مورخین کے بیان نہ ہوں۔ (ایضاً ص ۳۶۶)

تو جب روافض کا قبضہ ہو گیا تو پھر تاریخ کا محقق کہاں سے آئے گا؟ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مولانا نے ان کا قبضہ توڑ کر تاریخ پر خود قبضہ کر لیا ہو ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔

امام جصاص، علامہ علی قاری، صاحب ہدایہ وغیرہ کے اقوال باطل ہیں:

مودودی صاحب کے جواب میں مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:

تین چار اکابر علماء کی جو رائیں انہوں نے نقل کی ہیں وہ ان حضرات کے ذاتی خیالات ہیں مسلک اہل سنت نہیں ہے ...... ان حضرات کا قول بے دلیل و برہان ہے اس لیے بالکل باطل اور غلط ہے ...... اس لیے لائق اعتناء اور قابل

قبول نہیں بلکہ انہیں رد کر دینا واجب ہے۔'' (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۴۲۶)

مودودی صاحب پر تو کوئی تعجب نہیں وہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت پر ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔ لیکن مجھے بڑی حیرت بعض علمائے اہل سنت جیسے علامہ ابن کثیر وغیرہ پر ہے کہ انہوں نے اس صاف وصریح انکار کو تاویل کیوں سمجھا؟ سوا اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ شیعی پروپیگنڈے نے اس غلط بات کو اس قدر شہرت دی کہ اچھے اچھے مخلص اہل علم بھی دھوکا میں مبتلا ہو گئے اور اس کذب و بہتان خالص کو سچ سمجھنے لگے۔ (ایضاً ص ۲۵۴)

امام احمد بن حنبل کی بے وقاری:

مودودی صاحب کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: اپنے دریدہ و بوسیدہ بیان میں انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ایک قول کا پیوند لگانے کی کوشش کی ہے۔ حاشیہ پر لکھتے ہیں: امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی خلافت کے لیے احق نہ تھا (ص ۱۲۱)۔'' جناب والا امام ممدوح تو اس وقت پیدا ہی نہیں ہوئے تھے ان کا قول اس دور کے آراء کا ترجمان کیسے سمجھا جا سکتا ہے؟ اور اس کا کوئی اثر اس دور کی امت پر کیسے پڑ سکتا ہے؟ آپ خود کہہ چکے ہیں کہ رائے تو اس زمانہ کے حضرات یعنی صحابہ و تابعین کی معتبر ہے اور واضح ہو چکا ہے کہ اس وقت یہ رائے نہ تھی۔'' (ایضاً ص ۴۲۱)

یہ بھی عجیب انکشاف ہے کہ چونکہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دور صحابہ کے بعد پیدا ہوئے ہیں اس لیے وہ اس دور کے متعلق کوئی رائے نہیں دے سکتے تو فرمایئے کیا سندیلوی صاحب اس دور کی پیداوار ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حالات و معاملات پر محاکمہ کر رہے ہیں؟ مولانا سندیلوی خود ذہنی و فکری انتشار میں مبتلا ہیں لیکن کرسی عدالت ایسی بچھائی ہے کہ کوئی ان کی زد سے بچ نہیں سکتا۔ بجز اس کے جس پر ان کی نظر کرم پڑ جائے۔ تنقید و جرح میں تو وہ ابو الاعلیٰ مودودی سے بھی بازی لے گئے ہیں۔

مسلک متاخرین پر طعنہ زنی:

مشاجرات صحابہ کی بحث میں مختلف مسالک کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: سب سے آخر میں اس مسلک کا تذکرہ مناسب ہے جو متاخرین نے عموماً اختیار کیا ہے یعنی یہ کہ اختلافات اجتہادی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب تھے جبکہ ان سے اختلاف کرنے والے خواہ اصحاب جمل ہوں یا اصحاب صفین مجتہد مخطی تھے۔ یہ مسلک اس قدر مشہور ہوا کہ مذکورہ بالا مسالک اکابر سلف اس کے پیچھے چھپ گئے لیکن شہرت وصحت لازم وملزوم نہیں۔ جنگ جمل وصفین پر جو بحث صفحات سابقہ میں کی گئی ہے اسے دیکھ کر ہر قاری سہولت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ مسلک باوجود شہرت ومقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط۔ بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔ (ایضاً ص ۴۶۱)

اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں: ''اس مسموم اور مذموم فضا سے بعض علمائے اہل سنت بھی متاثر ہوئے وہ اس حد تک تو نہ جاسکے کہ ان حضرات کی مذمت کرتے لیکن اس قدر متاثر ہوئے کہ ان حضرات کے اقدام کو خطائے اجتہادی کہنے لگے۔ تقلیدی مذاق کے غلبہ کی وجہ سے بعد کو آنے والے علماء نے بھی ان کی پیروی کی اس طرح یہ مسلک مشہور ومقبول ہوگیا۔'' (ص ۴۶۳)

ان کے بعد آنے والے علماء نے بھی ان کے اعتماد پر اسی کو اختیار کرلیا تحقیق کی طرف توجہ نہ کی۔ برصغیر ہندوپاکستان میں علوم زیادہ تر خراسان وایران کی راہ سے آئے۔ ان مقامات کی آب وہوا پہلے ہی سے اس مسلک کے موافق تھی اس لیے ہمارے ملک میں اسی کا چرچا ہوگیا اور اکابر واصاغر میں یہی مسلک مشہور ہوگیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو الحسن اشعری، امام غزالی بعض دوسرے اکابر نے جو مسلک تصویب فریقین کی اشاعت فرمائی اس سے زیر بحث غلط مسلک کی تردید اور مسلک سلف کی ایک گونہ تجدید بھی مقصود تھی مگر فضا مناسب نہ تھی اس لیے ان حضرات کے مسلک سے عام طور پر بے رُخی برتی گئی اور وہی زیر بحث مسلک مقبول رہا جس کی بنیاد کسی دلیل کے بجائے جذبات ورجحانات پر

ہے۔ (ایضاً،ص ۴۶۴)

طبری، ابن اسحٰق، واقدی تقیہ باز شیعہ اور سبائی پارٹی کے رکن رکین تھے اس لیے انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف زہر اگلنے جھوٹی روایتیں گھڑنے اور واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ان سے اسی کی توقع ہو سکتی تھی لیکن متاخرین بھی ان کتابوں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ہر معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ دینا انہوں نے لازم سمجھ لیا۔ انہیں مورخین کے بھروسہ پر متکلمین نے بھی اپنی بحث کی عمارت تعمیر کی اور ان کے محتاط لوگوں نے بھی حضرت سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق علی الاطلاق خطائے اجتہادی کا فیصلہ کر دیا۔ اور اس اختلاف کے سلسلہ کے ہر معاملہ میں انہیں کی غلطی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس فیصلہ کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ قربِ عند اللہ کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ ان حضرات نے یہ کلیہ بھی قائم کر لیا کہ جو شخص افضل ہو اس کی ہر بات صحیح اور اس کا ہر اقدام مناسب ہوگا۔ بخلاف اس کے مفضول کا ہر اقدام غلط اور نامناسب ہوگا۔ یہ مفروضہ ان کے ذہن پر اس طرح غالب ہو گیا کہ انہوں نے واقعات و حالات پر نظر کرنے سے پہلے ہی یہ فرض کر لیا کہ ہر معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہوں گے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ غلطی پر۔ ظاہر ہے کہ یہ طرز بحث و فکر بالکل غیر محققانہ اور غیر منصفانہ ہے اس لیے ان حضرات کا قول اس بارے میں قابل اعتماد نہیں ہو سکتا نہ ان کی رائے بغیر صحیح دلیل کے مانی جا سکتی ہے۔ ہم نے متاخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صحیح طریقہ اختیار کیا ہے۔ (ایضاً،ص ۱۷۰)

تبصرہ:

سندیلوی صاحب کا یہ لکھنا کہ: متاخرین بھی ان کتابوں سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ہر معاملہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ دینا انہوں نے لازم سمجھ لیا۔" ان حضرات محققین اہل سنت پر محض ایک اتہام ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔ کیا مولانا سندیلوی یہ کہنا چاہتے ہیں کہ امام ابوبکر جصاص، علامہ علی قاری حنفی صاحب ہدایہ اور صدیوں کے

سارے مفسرین و متکلمین، مصلحین اور مجددین، فقہا اور محدثین سب کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے کوئی عناد و تکدر تھا۔ اور وہ ان کو ایک جلیل القدر صحابی نہیں سمجھتے تھے اس لیے ہر معاملے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ دینا..... انہوں نے لازم سمجھ لیا یہ بہتان تراشی ہے یا ریسرچ و تحقیق؟ کیا حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرات اکابر دیوبند یہی ذہنیت رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں سندیلوی صاحب کا یہ لکھنا کہ ان حضرات نے یہ کلیہ بھی قائم کرلیا کہ جو شخص افضل ہو اس کی ہر بات صحیح اور اس کا ہر اقدام مناسب ہوگا بخلاف اس کے معقول کا ہر اقدام غلط اور نامناسب ہوگا۔ یہ خود سندیلوی صاحب کا اپنا مفروضہ ہے جو ان محققین و محسنین امت پر چسپاں کر رہے ہیں۔ کیا ان حضرات نے اس کلیہ کا کہیں ذکر کیا ہے؟ سندیلوی صاحب اس قدر غیظ و غضب کا اظہار اس لیے فرما رہے ہیں کہ ان حضرات کا مسلک یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی جنگ و قتال میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہوگئی تھی۔ حالانکہ حسب حدیث بخاری مجتہد کو خطائے اجتہادی پر بھی ایک گونہ ثواب ملتا ہے۔ اس میں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی تنقیص و توہین نہیں پائی جاتی اور خود سندیلوی صاحب اس بحث کے آخر میں یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ:

اس بحث کا مقصد محض علمی تحقیق ہے اس کے قائلین پر اعتراض مقصود نہیں وجہ یہ ہے کہ دلیل کی کمزوری اور بات ہے مگر فی نفسہ اس مسلک میں کوئی بات اصول اہل سنت کے خلاف نہیں نہ اس سے کوئی شرعی قاعدہ ٹوٹتا ہے اور نہ اس میں بے ادبی کا شائبہ ہے کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں اس لیے جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں اُن پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسلک بالکل غلط اور مسلک سلف کیخلاف ہے۔ (ص ۴۶۵)

یہ ہے شان تحقیق کہ اعتراض کر بھی رہے ہیں ان پر الزام تراشی کر چکے ہیں۔ آخر میں یہ بھی فرما رہے ہیں کہ:

جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ یہ تو عذر گناہ بدتر از گناہ ہے:

جب مر چکے تو آئے ہمارے مزار پر
پتھر پڑیں صنم ترے ایسے پیار پر

دراصل مولانا سندیلوی اسی مرض کے مریض ہیں جس میں ابو الاعلیٰ مودودی صاحب مبتلا ہیں۔ وہ بھی اکابر امت کی پگڑی اچھالنے کے بعد فرما دیتے ہیں:

کہ میں ان سب حضرات کا احترام کرتا ہوں لیکن میری تحقیق یہ ہے''۔

جس طرح مسئلہ خطائے اجتہادی میں مولانا سندیلوی نے اکابر محققین اہلِ سنت کو اپنی جارحانہ تنقید کا نشانہ بنایا ہے اس کی بنا پر تو انہوں نے پورے مسلک اہل سنت کو مخدوش ومجروح فرما دیا ہے بلکہ شیعوں کو بھی راستہ دکھا دیا ہے کہ اگر صدیوں کے اکابر اہلِ سنت کی ایک مسئلہ میں تحقیق کا یہ حال ہے کہ وہ لکیر کے فقیر چلے آتے ہیں اس طویل دور میں کوئی صاحب فہم وتحقیق عالم نہیں پیدا ہوا۔ تو ان کے بیان کردہ دوسرے مسائل پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ اور پھر مودودی صاحب کا جو تنقیدی مسلک ہے اس کی سندیلوی صاحب نے تصدیق ہی کردی۔ اگر سندیلوی صاحب ان حضرات کو ہدف تنقید بنا سکتے ہیں تو پھر مودودی صاحب ایسا کیوں نہیں کرسکتے؟ اسی لیے میں نے گزشتہ صفحات میں مودودی سندیلوی مماثلت کا عنوان قائم کیا ہے اور سندیلوی صاحب نے مودودی صاحب کے متعلق جو یہ تحقیق فرمائی ہے کہ:

جب تک اسلاف پر اس طرح طنز وتعریض کرکے ان میں کوئی نقص نہ نکالا جائے اس وقت تک شان تجدید کیسے ظاہر ہوسکتی ہے اور جماعت کے افراد میں یہ خیال کیسے پھیل سکتا ہے کہ چودہ سو سال کی مدت میں اسلام کو پورے طریقے سے صرف مودودی صاحب ہی نے سمجھا ہے۔

(اظہار حقیقت جلد اول، حاشیہ ص ۳۵)

اگر یہاں مودودی صاحب کی جگہ سندیلوی صاحب لکھ دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ جو کچھ

تنقید کے نام پر مودودی صاحب چاہتے تھے اس کی تکمیل مولانا سندیلوی نے کردی ہے:

اُنہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
اُنہی کی محفل سجا رہا ہوں چراغ میرا ہے رات ان کی

سندیلوی تہذیب:

مولانا سندیلوی جذبات سے مغلوب ہو کر فرماتے ہیں: بزعم خود محقق صاحب سے گزارش ہے کہ آپ ابو مخنف کے منہ پر تھوک دیتے۔ کلبی کو دھتکارتے طبری کے سر پر طبر مارتے اور اس روایت ہی کو دروغ کا پلندہ سمجھتے۔ (ایضاً، ص ۳۸۰)

یہ ہے سندیلوی تہذیب کا محققانہ نمونہ:

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بیان کافی در ردِّ جواب شافی

﴿ وَكَفٰى بِرَبِّكَ هَادِيًا وَّنَصِيْرًا ﴾

''اور تیرا رب ہدایت اور امداد کے لیے کافی ہے۔''

چونکہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی کے بعض افکار و نظریات سے خارجیت کا دروازہ کھلتا ہے اور دورِ حاضر میں فتنہ خارجیت کے بانی اور مؤسس محمود احمد صاحب عباسی مصنف ''خلافت معاویہ و یزید'' ہیں اس لیے ''جواب شافی'' کے اختلافی مسائل کا جواب دینے سے پہلے عباسی صاحب اور ان کے متبع اور حامی مصنفین کی کتابوں سے ضروری اقتباسات نقل کر کے مختصر بحث بھی کردی ہے تاکہ قارئین کتاب کے لیے راہِ حق و اعتدال کا سمجھنا آسان ہو جائے۔ علاوہ ازیں ضمنی طور پر مولانا سندیلوی نے جو اعتراضات پیش کیے تھے ان کا بھی شروع میں جواب عرض کردیا ہے اور ان کی بعض تحریرات بھی پیش کردی ہیں جن سے ان کی شانِ تنقید و تحقیق واضح ہوتی ہے۔ اب ان مسائل پر

بحث کی جائے گی جو موصوف "جواب شافی" میں زیر بحث لائے ہیں اور وہ تین ہیں۔

① حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہنگامی اور عارضی تھی یا مستقل اور دائمی

② حضرت علی رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا تھا یا نہیں۔

③ یزید فاسق تھا یا صالح و عادل خلیفہ برحق

مسئلہ اوّل:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت ہنگامی اور عارضی تھی یا مستقل۔

مولانا سندیلوی موصوف میرے رسالہ "دفاع صحابہ" (ص ۳۷) پر سے میری ایک عبارت (جس میں مولانا پر میں نے اعتراض کیا تھا) نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: موصوف تحریر فرماتے ہیں: اسی لیے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو عارضی اور عبوری خلافت قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل اور آیت تمکین و آیت استخلاف کا مصداق۔ چنانچہ اپنی کتاب اظہار حقیقت بجواب خلافت وملوکیت جلد دوم ص ۱۸۸ میں لکھتے ہیں:

"ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (Emergency) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلام کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً و عقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا۔"

جواب: اظہار حقیقت کی جو عبارت قاضی صاحب نے نقل کی ہے اسے بار بار پڑھنے پر بھی کسی عارضی وعبوری کے الفاظ نہ ملیں گے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے غیر مستقل ہونے کا بھی کوئی تذکرہ اس میں نہیں مل سکتا۔ اسی طرح اس مضمون کا نام ونشان بھی نہ ملے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق نہ تھی یہ مضامین قاضی صاحب نے اپنی طرف سے وضع فرما کر میری طرف منسوب فرما دیئے۔

موصوف کی اس جسارت پر حیرت ہے کہ ان غلط الزاموں کے ثبوت میں ایسی عبارت پیش کی جس میں ان میں سے کسی کا سرے سے وجود ہی نہیں۔ (جواب شافی، ص ۸۔۹)

مولانا سندیلوی اپنے الفاظ سے کیوں منکر ہو گئے؟

مولانا سندیلوی کی مندرجہ زیر بحث عبارت میں ہنگامی خلافت کے الفاظ ہیں جس کی مراد میں نے انہی کی دوسری عبارتوں کے تحت واضح کر دی تھی کہ مولانا موصوف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو عارضی اور عبوری خلافت قرار دیتے ہیں نہ کہ مستقل، چنانچہ ان کی حسب ذیل عبارتوں سے اس بات کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

① حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت کا موقف بیان کرتے ہوئے مولانا سندیلوی ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جواب یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تو تسلیم کرتے تھے لیکن ان کی خلافت کو ہنگامی خلافت سمجھتے تھے (جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے) اور سبائی پارٹی کے استیصال سے پہلے انہیں مستقل خلیفہ بنانے کے لیے تیار نہ تھے۔ ان وجوہ کی بناء پر انہیں مستقل خلیفہ منتخب کرنا مناسب نہیں۔ (اظہار حقیقت ج ۲، حاشیہ ص ۱۸۸)

② حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں اطاعت اولی الامر کا حکم دیا گیا ہے۔ خواہ وہ اولی الامر ہنگامی ہوں یا مستقل (ایضاً، ص ۱۸۹)۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولانا سندیلوی کے نزدیک ہنگامی اور مستقل ہونا دو مختلف اور جدا جدا امر ہیں۔ جو ہنگامی ہے وہ مستقل نہیں۔ لہٰذا ہنگامی خلافت سے مراد غیر مستقل خلافت ہی ہو سکتی ہے۔

③ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ جو حضرات فقہاء صحابہ و تابعین تھے سب کی رائے یہ تھی کہ حالات مذکورہ میں خلیفہ کو اس کام کا اختیار نہیں ہے کہ وہ خلیفہ شہید کی پالیسی کے خلاف اور باغیوں کی پالیسی کے موافق خلیفہ سابق کے عمال کو معزول کر دے کیونکہ ایسی ہنگامی حالت میں جو خلیفہ منتخب ہوتا ہے اس کی حکومت کی حیثیت تاوقت یہ کہ

استصواب رائے عامہ سے اسے استحکام نہ حاصل ہو جائے۔ عبوری حکومت (Interim Government) کی ہوتی ہے۔ عبوری حکومت کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ حکومت سابقہ کی پالیسی کی اتباع کرے۔ (ایضاً ص ۱۷۴)

④ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی اصولاً خلافت کے مستقل انعقاد کے لیے عالم (اسلام کے ارباب) حل وعقد کی رائے دہی اور تائید کو ضروری سمجھتے تھے۔ (ص ۲۱۶)

⑤ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مستقل امارت تسلیم ہی کب کی تھی جو احکام مذکور کا ان کے معاملے پر اطلاق ہوتا۔ (ص ۳۴۲)

⑥ البتہ اس وقت کی ہنگامی حالت اور غیر معمولی کیفیت کے پیش نظر از روئے اسلامی دستور یہ یہ انتخاب جائز تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جائز خلیفہ تھے مگر یہ انتخاب ہنگامی ہونے کی وجہ سے عارضی تھا۔ (ص ۴۲۰)

⑦ یہ مسئلہ بھی قابل توجہ ہے کہ غیر جانبدار صحابہ نے بیعت اور شرکت جنگ سے کیوں انکار فرمایا تھا اس کے سوا ان کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اس ہنگامی انتخاب کو جائز اور صحیح سمجھنے کے باوجود اسے مستقل نہیں سمجھتے تھے اور ان کے استقلال کے لیے ضروری سمجھتے تھے کہ حالات پرسکون ہونے کے بعد رائے عامہ اس کی توثیق کردے یا دوبارہ انتخاب ہو۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اسی کے طالب تھے۔ (ص ۴۳۵)

⑧ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: البتہ استقلال خلافت کے لیے دوبارہ انتخاب سبائی پارٹی کی سرکوبی اور ایوانِ خلافت سے اس کے اثر کو زائل کرنے کا مطالبہ کیا ہے۔ (ص ۴۲۹)

مندرجہ بالا آٹھ عبارتوں سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہنگامی خلافت عارضی، عبوری اور غیر مستقل خلافت ہے۔ خصوصاً ان الفاظ کو ملحوظ رکھیں۔

① اس کی حکومت کی حیثیت تاوقتیکہ استصواب رائے عامہ سے اسے استحکام حاصل نہ ہو جائے عبوری حکومت کی ہوتی ہے۔ نمبر تین اور نمبر چھ کے تحت یہ ہے کہ: مگر یہ

انتخاب ہنگامی ہونے کی وجہ سے عارضی تھا اور نمبر سات کے تحت یہ عبارت ہے کہ غیر جانبدار صحابہ نے بیعت اور شرکت جنگ سے کیوں انکار فرمایا تھا اس کے سوا اس کی کوئی توجیہ نہیں ہو سکتی کہ وہ اس ہنگامی انتخاب کو جائز اور صحیح سمجھنے کے باوجود اسے" مستقل نہیں سمجھتے تھے۔

اب مولانا سندیلوی ہی بتائیں کہ میں نے آپ کی طرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے عبوری، عارضی اور غیر مستقل ہونے کا قول غلط طور پر منسوب کیا تھا یا آپ نے اپنی کتاب میں خود یہ الفاظ لکھے ہیں؟ اگر مندرجہ عبارتیں آپ ہی کی ہیں تو پھر آپ نے ان کا انکار کر کے اعتراف حق کیا ہے یا کذب بیانی اور تقیہ کا ارتکاب کیا ہے؟ ندوۃ العلماء کے سابق شیخ الحدیث اور اپنی جماعت کے امام اہل سنت کی کیا یہی شان صدق و تحقیق ہونی چاہیے؟ عبرت، عبرت، عبرت۔

قول مولانا سندیلوی:

اس کے بعد قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"مولانا سندیلوی موصوف دور حاضر کے الیکشن کے پیش نظر ایسی باتیں لکھ رہے ہیں۔ لیکن محققین اہل سنت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق قرار دیتے ہیں خواہ کوئی ان کی خلافت کو تسلیم کرے یا نہ۔"

جواب: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لیے خلیفہ ہوئے کہ مہاجرین و انصار نے جو اس دور میں ارباب حل و عقد اور جمہور مسلمین کے نمائندے تھے انہیں خلیفہ منتخب کیا۔ اگر وہ حضرات انہیں منتخب نہ کرتے تو وہ خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ ایک مسلمہ واقعہ ہے۔ اگر قاضی صاحب کو اس سے اختلاف ہے تو یہ ان کی حیرت انگیز بے خبری ہے۔ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے وقت سب ارباب حل و عقد موجود نہیں تھے۔ آں محترم کا انتخاب ان میں سے بعض ہی حضرات نے کیا۔ انتخاب بالکل جائز تھا کیونکہ حالات ہنگامی یعنی غیر معمولی تھے۔ خلیفہ کا تقرر ناگزیر اور واجب تھا اور سب

ارباب حل وعقد کا مشورہ غیر ممکن تھا۔ مگر اس سے باقی بزرگوں کا حق رائے دہی زائل نہیں ہو گیا تھا جو انہیں شرعاً حاصل تھا۔ اس لیے مانع دُور ہونے کے بعد ضروری تھا کہ ان کا بلکہ جمہور مسلمین کا یہ حق ادا کیا جائے جن کے یہ حضرات نمائندے تھے۔ ادائیگی حق مذکور کی عملی صورت کا نام استصواب ہے اگر قاضی صاحب اسے ضروری قرار دینے پر معترض ہیں تو وہ دلیل شرعی سے ثابت کریں کہ ان حضرات ارباب حل وعقد کا یہ آئینی حق زائل ہو گیا تھا میں نے استصواب کو شرط نہیں کہا بلکہ ضروری کہا ہے۔ استصواب کو ضروری قرار دینے سے خلافت کا غیر مستقل ہونا قطعاً لازم نہیں آتا۔ اگر معترض کے نزدیک لازم آتا ہے تو وہ اس لزوم کو ثابت کریں۔ اظہار حقیقت کا مطالعہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ بحث میں میرے پیش نظر دلیل شرعی رہی ہے۔ مجھ پر دور حاضر کے الیکشن کے پیش نظر لکھنے کا الزام بالکل غلط ہے۔ (جواب شافی ۹۔۱۰)

الجواب:

① مولانا سندیلوی نے تسلیم کرلیا ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لیے خلیفہ ہوئے کہ مہاجرین وانصار نے ...... انہیں خلیفہ منتخب کیا ...... اگر قاضی صاحب کو اس سے اختلاف ہے تو یہ ان کی حیرت انگیز بے خبری ہے۔

مجھے اس سے اختلاف نہیں ہے کہ مہاجرین وانصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا تھا لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیتِ تمکین کی نص کے تحت قرار دینا بھی مہاجرین و انصار کے انتخاب سے کوئی تعارض نہیں رکھتا۔

② آپ کا یہ لکھنا کہ: استصواب کو ضروری قرار دینے سے خلافت کا غیر مستقل ہونا قطعاً لازم نہیں آتا صحیح نہیں کیونکہ جو عبارتیں آپ کی پہلے پیش کی گئی ہیں ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا غیر مستقل ہونا ہی لازم آتا ہے۔ چنانچہ نمبر ۴ کے تحت آپ کی یہ عبارت نقل کی ہے کہ: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی اصولاً خلافت کے مستقل انعقاد کے لیے پورے عالم اسلام کے ارباب حل وعقد کی رائے دہی اور تائید کو

ضروری سمجھتے تھے۔

فرمایئے کیا اس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ پورے عالمِ اسلام کے ارباب حل وعقد کی رائے دہی کے بغیر خلافت کا مستقل انعقاد نہیں ہوتا۔ اب مولانا سندیلوی یا تو اظہار حقیقت کی مندرجہ بالا عبارتوں کی تردید کردیں یا ''جواب شافی'' میں جو فرمارہے ہیں کہ استصواب کو ضروری قرار دینے سے خلافت کا غیر مستقل ہونا قطعاً لازم نہیں آتا۔ اس کو غلط قرار دیدیں۔ فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَار۔

③ سندیلوی صاحب نے جو یہ فرمایا ہے کہ: اگر قاضی صاحب اسے (یعنی استصواب کو) ضروری قرار دینے پر معترض ہیں تو وہ دلیل شرعی سے ثابت کریں کہ ان حضرات ارباب حل وعقد کا یہ آئینی حق زائل ہوگیا تھا۔

جواب:

آپ چونکہ مدعی ہیں اس لیے اس بات کی دلیل پیش کرنا آپ کے ذمہ ہے کہ:

خلافت کے مستقل انعقاد کے لیے پورے عالم اسلام کے ارباب حل وعقد کی رائے دہی ضروری ہے۔ علاوہ ازیں آپ یہ بھی ثابت کریں کہ خلفائے ثلثہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کا انعقاد پورے عالم اسلام کے (ہر علاقہ کے) نمائندوں کی رائے پر مبنی تھا۔ اور حضرت عثمان ذوالنورین کے انتخاب میں آپ کی حدود خلافت کابل اور قندھار تک کے نمائندوں کی رائے لی گئی تھی۔ علاوہ ازیں یہ سوال ہے کہ استصواب عام کے ضروری ہونے سے مراد اگر شرعی وجوب ہے تو پھر یہ لازم آئے گا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایک شرعی واجب امر پر عمل کرنے سے انکار کردیا تھا؟ العیاذ باللہ

مولانا سندیلوی کا ایک اور پُر لطف انکار:

مولانا سندیلوی نے لکھا ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں خلیفہ منتخب کیا گیا۔ پھر اس کے لیے مسجد نبوی شریف میں استصواب کیا گیا تو کیا حضرت صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت قبل استصواب غیر مستقل سمجھی جاتی تھی؟ (جواب شافی، ص ۱۰)

الجواب:

①...... مسجد نبوی میں جو بیعت لی گئی تھی اس کو استصواب عام تو نہیں کہہ سکتے جو زیر بحث ہے۔ کیا ہر علاقہ کے نمائندوں کو بلایا گیا تھا۔

②...... مودودی صاحب کے جواب میں موصوف لکھتے ہیں خلفائے اربعہ کا کسی کام کو نہ کرنا ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتا کہ وہ کام شرعاً ناجائز ہے۔ موجودہ دور میں الیکشن و استصواب رائے عامہ کا جو طریقہ رائج ہے خلفائے اربعہ نے اسے اختیار نہیں کیا تو کیا اس طریقہ کو ناجائز کہا جائے گا؟ (اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۱۴۳)

علاوہ ازیں محمود احمد صاحب عباسی نے بھی لکھا ہے کہ: کیا یہ صاحب کہہ سکتے ہیں کہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے لے کر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک خلیفہ کے برسر اقتدار آنے کا ایک ہی دستور تھا؟ انہیں یہ نظر آتا ہے یا نہیں کہ ہر ایک صاحب بالکل نئے طریقہ پر سریر آرائے خلافت ہوئے اور جس جمہوریت کا نام لیا جاتا ہے اس کے مطابق ان میں سے کسی ایک کے لیے بھی استصواب رائے عامہ نہیں ہوا۔ امیر المومنین عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے متعلق رائے شماری البتہ ہوئی تھی لیکن صرف اہل مدینہ کی۔ باقی عالم اسلام سے قطعاً کچھ دریافت نہیں کیا گیا تھا۔ اسلامی تاریخ میں اگر کوئی شخص ہے جس کا انتخاب بالکل پہلی بار امت کے عام استصواب سے ہوگا تو وہ امیر المومنین یزید ہیں۔ (خلافت معاویہ ویزید، ص ۳۷، طبع چہارم)

یہاں یزید کی خلافت سے بحث نہیں ہے۔ عباسی صاحب کی عبارت اس مقصد کے تحت پیش کی گئی ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت تک استصواب عام نہیں ہوا۔ اور خود مولانا سندیلوی بھی مودودی صاحب کے جواب میں لکھ رہے ہیں کہ موجودہ دور میں الیکشن و استصواب رائے عامہ کا جو طریقہ رائج ہے خلفائے اربعہ نے اسے اختیار نہیں کیا تو پھر مولانا سندیلوی اظہار حقیقت جلد دوم میں اس بات پر کیوں زور دے رہے

ہیں کہ شرعاً استصواب رائے عامہ ہر طرح لازم تھا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (Emergency) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلامی کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً و عقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا یعنی ہر شخص کو جو شرعاً حق رائے دہی رکھتا تھا اپنے حق کو استعمال کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔'' (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۸۳)

ناظرین! مولانا سندیلوی کی شان تحقیق کا اندازہ لگائیں کہ مودودی صاحب کے جواب میں تو یہ بات پیش کر رہے ہیں کہ خلفائے اربعہ کے زمانہ میں استصواب رائے عامہ نہیں ہوا تھا لیکن جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کی بحث آتی ہے تو فرماتے ہیں کہ:

''عقلاً و شرعاً ہر طرح استصواب رائے عامہ لازم تھا۔''

اسے کہتے ہیں ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور۔

علاوہ ازیں سندیلوی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ: ہر شخص کو جو شرعاً حق رائے دہی رکھتا تھا اپنے حق کا استعمال کرنے کا موقعہ دیا جاتا ہم پوچھتے ہیں کہ شرعاً ووٹ دینے کا حق کس کس کے لیے تھا؟ اگر ہر مسلمان کے لیے تھا تو خلفائے ثلثہ کے دور میں اس پر عمل نہیں کیا گیا اور اگر اس کے لیے کچھ اور شرائط ہیں تو اس کے لیے دلیل چاہیے؟

یہاں تو مولانا سندیلوی حق رائے دہی عقلاً و شرعاً لازم قرار دے رہے ہیں لیکن اسی اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۵ پر فرماتے ہیں کہ: یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مہاجرین و انصار اور حضرات اصحاب بدر کی ایک معتدبہ تعداد دنیا سے رخصت ہو چکی تھی۔ بالآخر حق انتخاب دوسرے صحابہ خصوصاً ان کے نوجوان طبقہ ہی کو ملنے والا تھا۔ مناسب یہ تھا کہ اکابر صحابہ کے ساتھ انہیں اس میں حصہ دے کر آئندہ انہیں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے

کے لیے تیار کردیا جائے گویا ان کا میلان اس مسئلہ میں مزید جمہوریت کی جانب تھا۔

یہاں مولانا سندیلوی نے لکھا ہے کہ: مناسب یہ تھا الخ ...... اور پہلے لکھا ہے کہ شرعاً وعقلاً لازم تھا...... کیا سندیلوی صاحب کے نزدیک ایک مناسب امر اور شرعاً وعقلاً ایک لازم امر میں کوئی فرق نہیں۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ جو بات (ص ۱۸۳) پر لازم تھی وہ (ص ۲۱۵) پر مناسب ہوگئی (یعنی لازم اور ضروری نہ رہی)۔

اور اب ''جواب شافی'' میں بھی استصواب رائے عامہ کو ضروری قرار دے رہے ہیں۔ اس لیے مانع دور ہونے کے بعد ضروری تھا کہ ان کا بلکہ جمہور مسلمین کا یہ حق ادا کیا جائے جن کے یہ حضرات نمائندے تھے ادائیگی حق مذکور کی عملی صورت کا نام استصواب ہے۔ (ص ۱۰۹)

علاوہ ازیں گزارش ہے کہ اگر جمہور مسلمین کا حق اسی صورت میں ادا کیا جاسکتا ہے کہ ان کے نمائندوں کا ووٹ حاصل کیا جائے تو ثابت کریں کہ حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کے انتخاب کے لیے جمہور مسلمین کے (ملک بھر کے) تمام نمائندوں کی رائے لی گئی تھی۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی منتخب شدہ شوریٰ:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلافت کے لیے ان چھ حضرات کے نام پیش فرمائے کہ ان میں سے باہمی مشاورت کر کے کسی کو خلیفہ بنالیں۔ حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت طلحہ، حضرت زبیر، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس امر کی وصیت نہیں فرمائی کہ یہ حضرات استصواب عام کے بعد کسی کو خلیفہ منتخب کریں۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے شرعاً استصواب عام یعنی جمہور مسلمین کی رائے لینا ضروری نہیں۔ صرف انہی اصحاب کا باہمی مشورہ ضروری تھا اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کا حق ان چھ حضرات میں محدود فرمادیا کہ ان چھ کے علاوہ اور کسی کو خلیفہ نہیں بنا سکتے۔ کیا اس سے استصواب عام کے لازم

ہونے کا دروازہ ہی بند نہیں ہو جاتا۔ اگر تمام صوبوں کے نمائندوں کی حق رائے دہی لازمی قرار دی جائے تو پھر اس امر کا بھی جواز نکلتا ہے کہ جمہور مسلمین ان چھ کے علاوہ بھی کسی اور صحابی کو منتخب کر لیں۔ اگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کے بارے میں دوسرے عام حضرات سے رائے لی ہے تو محض اپنی تسلی کے لیے ایسا کیا تھا نہ کہ شرعاً لازم سمجھ کر۔ چونکہ خلوص و تقویٰ اور حکومت چلانے میں ان چھ حضرات کو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زیادہ اہل سمجھا تھا اس لیے ساری مملکت اسلامیہ کے گویا یہی چھ حضرات نمائندے تھے اور ان حضرات شوریٰ کا فیصلہ تمام اہل اسلام کا فیصلہ تھا۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ ان چھ حضرات کے علاوہ اہل حل وعقد تو اور حضرات صحابہ بھی تھے لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے انتخاب خلیفہ کا حق اور کسی کو نہیں دیا۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مستقل خلافت کے انعقاد کے لیے بھی تمام حل وعقد کا اتفاق ضروری نہیں نہ ہی تمام اہل حل وعقد کی اکثریت کی رائے ضروری ہے۔ اور مولانا سندیلوی بھی اس بات کو سمجھتے ہیں۔ اسی لیے بعد میں وہ یہ لکھ رہے ہیں کہ:

بالآخر حق انتخاب دوسرے صحابہ خصوصاً ان کے نوجوان طبقہ ہی کو ملنے والا تھا مناسب یہ تھا کہ اکابر صحابہ کے ساتھ انہیں اس میں حصہ دے کر آئندہ انہیں اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کے لیے تیار کر دیا جائے۔ گویا ان کا میلان اس مسئلے میں مزید جمہوریت کی جانب تھا۔ (ص ۳۱۵)

لیکن یہاں بحث میلان کی نہیں ہے بلکہ اس امر میں ہے کہ استصواب عام ضروری تھا یا نہیں؟ علاوہ ازیں مولانا سندیلوی خود تسلیم کر رہے ہیں کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ تک انتخاب خلیفہ کا یہ طریقہ رہا کہ مہاجرین وانصار ہی نے انتخاب خلیفہ کیا اور انہیں کے انتخاب کو پوری امت کا انتخاب سمجھا گیا۔ صرف سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے انتخاب میں باہر سے آنے جانے والے قافلوں سے بھی استصواب کی روایت ملتی ہے تاہم اصل انتخاب مہاجرین وانصار ہی کا سمجھا گیا۔

(اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۳۱۲)

مشورہ اور حق رائے دہی کا فرق:

مودودی صاحب نے مجلس منتظمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

علاوہ بریں یہ منتظمہ لازماً شوری یعنی انتخاب کے ذریعہ سے وجود میں آنی چاہیے اور اسے شوریٰ یعنی باہمی مشاورت ہی کے ساتھ کام کرنا چاہیے جیسا کہ پیراگراف نمبر ۱۰ میں بیان کیا جا چکا ہے۔ (خلافت وملوکیت ص ۴۲)

مودودی صاحب کی مندرجہ عبارت پیش کرنے کے بعد مولانا سندیلوی جواب میں فرماتے ہیں کہ: پیراگراف نمبر ۱۰ میں مودودی صاحب نے آیت کریمہ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ "اور مسلمانوں کا کام آپس میں مشورے سے چلتا ہے" سے استدلال فرمایا ہے لیکن اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ منتظمہ کا قیام بھی انتخاب کے ذریعہ سے ہونا لازم ہے...... کیا خلیفہ کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ بغیر انتخاب محض اپنی رائے سے اپنے مشیر اور اپنی مجلس منتظمہ (Executive Committe) کے ارکان کو چن لے۔ اور اگر بالفرض ہم یہ بھی تسلیم کرلیں کہ ارکان منتظمہ کو شوری کے بعد مقرر کرنا لازم ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس کا باقاعدہ انتخاب (Election) ہونا چاہیے۔ یہ صورت بھی تو ممکن ہے کہ خلیفہ ایک دو آدمیوں سے مشورہ کر کے ارکان مجلس منتظمہ کو مقرر کر دے۔ آیت تو شوری یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی۔ آیت سے انتخاب (الیکشن) پر استدلال عجیب وغریب استدلال ہے جو بالکل ناقابل فہم ہے۔ (اظہار حقیقت جلد اوّل، ص ۱۳۵)

اس سے معلوم ہوا کہ مولانا سندیلوی مشورہ اور حق رائے دہی یعنی استصواب رائے عامہ میں فرق تسلیم کرتے ہیں اور آیت ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ سے استصواب رائے عامہ پر استدلال کو غلط قرار دیتے ہیں اسی بنا پر ہم کہتے ہیں کہ خلیفہ کے انتخاب کے لیے استصواب رائے عامہ شرعاً لازم نہیں۔ اور اگر حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دوسرے حضرات سے پوچھا ہے تو یہ بطور مشورہ کے تھا نہ کہ حق رائے دہی کی وجہ سے اور

یہی وجہ ہے کہ صرف اہل مدینہ سے رائے لی گئی اور مملکت کے دوسرے صوبوں کے نمائندوں سے رائے نہیں طلب کی گئی۔ لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے مستقل کرنے کے لیے استصواب رائے عامہ کو شرعاً لازم قرار دینا مولانا سندیلوی کا اپنا مفروضہ ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

عجیب تضاد بیانی:

یہاں تو مودودی صاحب کے جواب میں لکھتے ہیں کہ ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ کا انتخاب اور الیکشن سے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن بعد میں جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی تائید میں دلائل پیش کرتے ہیں تو لکھتے ہیں: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب کا معیار بھی بدل گیا اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین و انصار تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر سورہ شوریٰ کی یہ آیت تھی ﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ﴾ ان کے (صحابہ کے) کام باہمی مشورے سے انجام پاتے ہیں۔ یہ آیت عام اور سب صحابہ کو شامل ہے اس لیے امر خلافت جو بہت اہم ہے سب کے مشورے سے انجام پانا چاہیے اور مہاجرین و انصار کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہیے۔ اس سے صحابہ کے لیے حق رائے دہی ثابت ہوتا ہے۔ (ایضاً، ص ۲۱۵)

فرمائیے! مودودی صاحب کے جواب میں تو محقق سندیلوی فرما رہے ہیں کہ: آیت تو شوریٰ یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی، آیت سے انتخاب (الیکشن) پر استدلال عجیب و غریب استدلال ہے جو بالکل ناقابل فہم ہے۔

لیکن جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کی بات آ گئی تو سندیلوی صاحب اسی آیت شوریٰ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وکالت میں استصواب رائے عامہ کے لیے بطور دلیل فرما رہے ہیں۔ گویا کہ جو استدلال پہلے ناقابل فہم تھا اب قابل فہم اور لازمی ہو گیا ع

جو چاہے آپ کی عقل کرشمہ ساز کرے

قول سندیلوی:

مولانا سندیلوی میرے جواب میں لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیہ تمکین کی مصداق ہے یعنی حضرات خلفائے ثلٰثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے۔ اور آں محترم کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ خلافت تھی جیسا کہ آیت تمکین سے بھی سمجھ میں آتا ہے لیکن اگر حضرات خلفائے ثلٰثہ کی خلافتوں کو ان آیات کا مصداق نہ تسلیم کیا جائے تو تنہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ان کا مصداق نہیں بن سکتی یہ تو ہے محققین اہل سنت کا قول۔ مگر قاضی صاحب کے نزدیک مصداق ہونے کا مطلب کچھ اور ہی ہے۔ جیسا کہ ان کی عبارت مذکورہ سے ظاہر ہوتا ہے وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق کہتے ہیں حالانکہ نص کہتے ہیں "مَا سِيقَ الْكَلَامُ لِاَجْلِهٖ" یعنی کلام کے مضمون مقصود یا اصل مراد کلام کو جسے بیان کرنے کے لیے متکلم نے کلام کیا ہو۔ اس کو عبارت النص بھی کہتے ہیں (دیکھئے اصول فقہ کی مشہور کتاب "نور الانوار") آیت تمکین کی نص کا مصداق ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ آیت تمکین کی نص کا مصداق ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ آیت تمکین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ بات بداہتاً غلط ہے۔ محققین تو صیغہ جمع ہے قاضی صاحب کسی ایک ہی محقق کا قول دکھا دیں جس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص یعنی عبارت النص سے ثابت کیا ہو۔"

(جواب اشافی، ص ۱۱)

الجواب:

① میں نے صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آیت تمکین کا مصداق قرار نہیں دیا بلکہ خلفائے اربعہ کو اس کا مصداق قرار دیا ہے چنانچہ اسی رسالہ "دفاع صحابہ" (ص ۳۲) پر لکھا ہے کہ: اس سے ثابت ہوا کہ حضرت (شاہ ولی اللہ) محدث دہلوی رحمہ اللہ کے نزدیک حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سمیت چاروں خلفاء آیت استخلاف کا مصداق ہیں اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تیس سال کے بعد خلافت کا دور ختم ہوگیا بلکہ تیس سال سے مراد وہ خلافت راشدہ ہے جس کا قرآن مجید کی آیت استخلاف اور آیت تمکین میں وعدہ فرمایا گیا ہے اور آیت تمکین ﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ﴾ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ تمکین مہاجرین صحابہ کو عطا کی جائے گی اور مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے چونکہ صرف چار خلفاء امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہوئے ہیں۔ اس لیے قرآنی موعودہ خلافت کا مصداق یہی چار خلفا ہیں۔ اسی بنا پر خلافت راشدہ کے جواب میں ''حق چار یار'' کا اعلان کیا جاتا ہے۔ اور خلافتِ راشدہ سے مراد قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ لی جاتی ہے۔

نص کا اطلاق:

② میں نے لکھا ہے کہ: مولانا سندیلوی موصوف دورِ حاضر کے الیکشن کے پیش نظر ایسی باتیں لکھ رہے ہیں لیکن محققین اہل سنت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق قرار دیتے ہیں خواہ کوئی ان کی خلافت کو تسلیم کرے یا نہ؟

(دفاع صحابہ، ص ۳۸)

اس پر مولانا سندیلوی ''نورالانوار'' سے نص کی تعریف بیان کرتے ہوئے مجھ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ: آیت تمکین کی نص کا مصداق ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ آیت تمکین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے یہ بداہتاً غلط ہے۔ (جواب شافی، ص ۱۱)

معلوم ہوتا ہے کہ مولانا سندیلوی صرف عبارۃ النص ہی کو جانتے ہیں۔ اور نص کی باقی اقسام کو نہیں جانتے اس لیے مجھ سے عبارۃ النص ہونے کا ثبوت طلب کر رہے ہیں یا جانتے تو ہیں لیکن تجاہل عارفانہ سے کام لے کر بندہ کو مورد الزام بنانا چاہتے ہیں حالانکہ میں نے عبارۃ النص ہونے کا دعویٰ نہیں کیا، نص کی چار قسمیں ہیں: ① عبارۃ النص ② دلالت النص ③ اشارۃ النص ④ اقتضاء النص۔ اور نورالانوار وغیرہ اصول فقہ کی کتابوں

میں ان چاروں اقسام کی تعریف بھی لکھی ہے۔

② میں نے خلفائے اربعہ کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دیتے ہوئے خوارج کے جواب میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو آیت تمکین کی نص کا مصداق قرار دیا ہے اور میری مرادنص سے یہ نہیں ہے کہ آیت میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کا نام ہے یا ان کو خلیفہ بنانے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ آیت تمکین مہاجرین صحابہ کے بارے میں تو نص ہے اور جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی مہاجرین میں سے ہیں اور آپ کو بھی خلفائے ثلثہ کے بعد خلافت ملی ہے۔ لہٰذا آپ بھی آیت تمکین (اور آیت استخلاف) کا مصداق بن گئے اور یہ آیت آپ کی خلافت پر نص ہوگئی۔ اور خود مولانا سندیلوی بھی اس قسم کے مصداق پر نص کا اطلاق کرتے ہیں چنانچہ حدیث فئة باغیہ سے مودودی صاحب کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں: نص صریح ثبوت حکم کے اعتبار سے قطعی الدلالۃ ہوتی ہے مگر اپنے مصداق پر قطعی الدلالۃ صرف اسی وقت ہوتی ہے جب مصداق کا مصداق ہونا قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہو جب تک یہ بات یقینی نہ ہو کہ اس کا مصداق فلاں ہے اس وقت تک اس فلاں کے لیے حکم نص ثابت نہیں ہو سکتا۔

(اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۲۴۰)

فرمایئے! مولانا سندیلوی خود تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے۔ (جواب شافی، ص ۱۰)

جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت آیت تمکین اور آیت استخلاف کا قطعی مصداق ثابت ہوگئی تو پھر سندیلوی صاحب کی اپنی مذکورہ تشریح کے تحت آیت تمکین (اور آیت استخلاف) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے بھی نص صریح ثابت ہوگئی۔ اب مولانا خود اپنی عقل سے دریافت کرتے رہیں کہ اس کا کیا جواب دینا چاہیے:

اُلجھا ہے پاؤں یار کا زُلفِ دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

③ بعض احباب کی خواہش پر مولانا سندیلوی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

خلافت کی حقانیت کے اثبات کے لیے بعنوان ''خلافت صدیق'' ایک مضمون مورخہ ۱۸/ محرم ۱۳۹۳ھ لکھا تھا جس کے حسب ذیل اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

① خلیفہ اوّل سیدنا وامامنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ و جانشین مقرر کیا۔ اور آں ممدوح اس منصب عظیم پر انتخاب کے ذریعہ سے فائز ہوئے۔ (ص ۱)

② اپنے اس مضمون کے (ص ۳) پر عنوان یہ لکھا ہے: ''نص قرآنی سے خلافت صدیقی کا ثبوت'' اس کے تحت لکھتے ہیں: خلافتِ صدیقی مرضی الٰہی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا کہ انہیں کو خلیفہ و امام بنایا جائے۔ (ص ۳)

③ اس کے بعد آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اگر خلافتِ صدیقی کو موعودہ اور مامور بہا خلافت نہ سمجھا جائے تو آیت کے اس جزو کے کوئی صحیح معنی نہیں بن سکتے اور نہ وعدہ الٰہی کا ایفاء سمجھ میں آسکتا ہے اس لیے اس نص قرآنی کا اقتضاء یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو موعودہ منصوصہ خلافت اور آں ممدوح کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بلا فصل اور امت کا امام برحق تسلیم کیا جائے۔ (ص ۸)

④ فرماتے ہیں: یہ آیت خلافت صدیقی کے لیے نص ہے جس کا اقتضاء یہ ہے کہ آں محترم کو خلیفہ منتخب کرنا رضائے الٰہی اور حکم الٰہی کے مطابق تھا۔ (ص ۱۱)

⑤ آیت استخلاف کی بحث کے آخر میں لکھا ہے: خلافت صدیقی کا کتاب الٰہی میں منصوص ہونا ثابت ہو چکا۔ (ص ۱۱)

مذکورہ مضمون کے عنوان سمیت سندیلوی صاحب نے مندرجہ عبارتوں میں پانچ جگہوں پر آیت استخلاف کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے نص ہونا لکھا ہے اور نص ہونے کی دلیل بھی یہی دی ہے کہ آپ آیت استخلاف کا قطعی مصداق ہیں۔ اور میں نے بھی دفاع صحابہ میں اسی دلیل کے تحت یہ لکھا ہے کہ: تحقیق اہل سنت حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق قرار دیتے ہیں اور میری مراد بھی نص سے اقتضاء النص ہے نہ کہ عبارۃ النص۔ اور خود سندیلوی صاحب بھی حضرت

صدیق اکبر کے لیے اقتضاء النص ہی تسلیم کر رہے ہیں۔

مولانا سندیلوی یہ بھی لکھتے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق ہے یعنی حضرات خلفاء ثلثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیتِ استخلاف میں فرمایا گیا ہے۔ (جواب شافی، ص ۱۰) تو جب سندیلوی صاحب کی سابقہ تشریح کے تحت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت آیتِ استخلاف کی نص سے ثابت ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت چاروں خلفاء کی خلافتوں کے لیے آیت استخلاف (اور آیت تمکین) کا نص ہونا ثابت ہو گیا۔

اگر آیت استخلاف و آیت تمکین نص ہیں تو چاروں خلفاء کے لیے ہیں اور اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے یہ نص نہیں تو باقی تین خلفائے راشدین کے لیے بھی نص نہیں ہیں۔ پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ خود تو آیت استخلاف کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لیے نص قرار دیتے ہیں لیکن جب میں نے حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے لیے آیت تمکین کا نص ہونا لکھا تو اس کی تردید کردی۔ کیا سندیلوی صاحب کے اس طرز عمل سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ان کے دل میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ ہے۔ وہ یہ نہیں برداشت کر سکتے کہ اہل سنت والجماعت اس بات سے واقف ہو جائیں کہ حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کی خلافت قرآن کی منصوص خلافت موعودہ ہے اور آپ کا انتخاب بھی مثل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے مرضی الٰہی تھا۔ اور آپ کے منتخب خلیفہ ہونے اور منصوص خلیفہ ہونے میں کوئی تعارض نہیں ہے اور جو خارجی گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب خلافت کو اب بھی چیلنج کر رہا ہے وہ گویا نص قرآنی کو چیلنج کر رہا ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ مولانا سندیلوی نے جو اپنی زیر بحث کتاب اظہار حقیقت جلد دوم میں حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو عارضی، عبوری اور غیر مستقل ثابت کرنے میں بیسیوں اوراق سیاہ کیے ہیں یہ سب نص قرآنی کے تقاضا کے خلاف ہے۔

میرا یہ لکھنا بالکل صحیح ہے کہ مولانا سندیلوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کا مصداق نہیں قرار دیتے کیونکہ اگر وہ اس کا مصداق قرار دیتے تو آیتِ تمکین کے نص

ہونے کی تردید نہ کرتے۔ اب یا تو اظہار حقیقت کی تردید کریں یا اس غیر مطبوعہ مضمون کی۔ واللہ الہادی۔

حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ، آیت:

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ﴾

''اے ہمارے پروردگار! اور اس جماعت کے اندر انہی میں سے ایک ایسے پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سنایا کریں۔''

(حضرت تھانویؒ)

حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل کی نص صریح ہے بیچ اس کے کہ پیغمبر آخر الزمان اللہ کی طرف سے مبعوث ہیں اور امت ان کی امت مسلمہ مقبولہ اور اسی نص کے ساتھ الزام یہود اور نصاریٰ کو ہوسکتا ہے اور تنقیص بالصفات قوی تر تنقیص بالاسماء اور القاب سے ہے نزدیک محققین کے البتہ اس قدر شرط ہے کہ سیاق اس صفات کا ساتھ ایسی وجہ کے واقع ہو کہ کلی منحصر فرد واحد میں ہو تو احتمال شرک کا نہ رہے اور اسی واسطے اہل تحقیق اس امر پر ہیں کہ خلافت خلفائے اربعہ مانند ان نصوص کے منصوص ہے جبکہ تفصیل اس کی آیت استخلاف میں کہ اندر سورۂ نور کے ہے اور آیت قتال مرتدین میں کہ اندر سورۂ مائدہ کے ہے اور آیت مخلفین میں غزوہ حدیبیہ سے کہ اندر سورۂ فتح کے مذکور ہے۔

(تفسیر عزیزی پارہ اوّل، مترجم، ص ۲۷۶)

آیت مذکورہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک نہیں ہے لیکن حضرت شاہ صاحب اس آیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے اثبات میں اس لیے نص صریح فرما رہے ہیں کہ اس آیت کا مصداق صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

اسی بناء پر آیت استخلاف وغیرہ کو بھی خلفائے اربعہ کے حق میں نص قرار دے رہے ہیں کیونکہ اس کا مصداق یہی خلفائے اربعہ ہیں لہٰذا خلفائے اربعہ کے لیے (جس میں آخری خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں) آیت استخلاف کا نص ہونا ثابت ہوگیا اور حضرت شاہ صاحب نے یہ بھی لکھ دیا کہ اہل تحقیق اس پر ہیں کہ خلافت خلفائے اربعہ مانند ان

نصوص کے منصوص ہے۔

اور میں نے بھی یہی لکھا ہے کہ: محققین اہل سنت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق قرار دیتے ہیں۔

مولانا سندیلوی نے تو ایک محقق کا قول طلب کیا ہے لیکن میں نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث اور امام اہل سنت مولانا لکھنوی [1] کے علاوہ حضرت شاہ صاحب کی عبارت سے ہی ثابت کر دیا کہ دوسرے اہل تحقیق (یعنی محققین) کے نزدیک بھی آیت استخلاف وغیرہ ان چاروں خلفاء کی خلافت کے لیے نص ہے۔

اب خدا جانے محقق سندیلوی اس کا کیا جواب دیںگے؟

قول سندیلوی:

مولانا سندیلوی لکھتے ہیں، قاضی صاحب فرماتے ہیں: مولانا سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر عام استصواب رائے ضروری تھا تو اس کے بغیر یہ کیوں تسلیم کر رہے ہیں کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بیشک وہ خلیفہ برحق تھے۔ علاوہ ازیں بقول آپ کے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہنگامی تھی تو پھر آپ سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے؟ اس صورت میں تو فریق ثانی پر لازم تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ کی خلافت کے لیے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کرتے اور آپ اگر اس طریق انتخاب میں کامیاب ہو جاتے تو آپ سے قصاص کا مطالبہ کیا جاتا۔ (ص ۳۸)

جواب: دونوں اعتراضات تو بے جان اور بے بنیاد ہیں ہی البتہ ان سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ جناب قاضی صاحب ''فقہ دستوری'' سے بالکل ناواقف اور نظامِ خلافت کے مسائل سے بے خبر ہیں ابھی چند سطور پیشتر استصواب رائے کے بارے میں موصوف

---

[1] امام اہل سنت نے لکھا ہے حضرات مہاجرین کے لیے تو خاص قرآن شریف میں نص موجود ہے۔ (تفسیر آیات قرآنی، ص ۵۱)

کے اعتراض کا جو جواب دیا گیا ہے وہی اس سوال کا شافی جواب ہے۔ مزید یہ کہ قاضی صاحب کے سوالات مذکورہ کی بنیاد یہ ہے کہ ان کے نزدیک "خلیفہ برحق ہونے" اور استصواب رائے ضروری ہونے میں تعارض اور تنافی ہے حالانکہ یہی بات غلط ہے۔ موصوف پہلے یہ تعارض اور تنافی ثابت کریں اس کے بعد انہیں ان سوالات کا حق پہنچتا ہے...... خلیفہ برحق ہونے کے معنی یہ ہیں کہ از روئے دستور شریعت و آئین اسلام وہ خلیفۃ المسلمین ہوگئے ان کی خلافت جائز تھی اور ان پر فرائض منصب خلافت عائد ہوگئے۔ نیز انہیں وہ حقوق حاصل ہوگئے جو شریعت سربراہ مملکت اسلامیہ کو عطاء کرتی ہے۔ بحیثیت خلیفہ جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی تھیں ان میں ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ اپنے انتخاب کے بارے میں ان ارباب حل وعقد کی رائے بھی معلوم کریں جو آں محترم کے انتخاب کے وقت اپنی رائے نہیں دے سکے تھے۔ کوئی صاحب فرمائیں کہ ان دونوں باتوں میں تعارض اور تنافی کیا ہے؟ (جواب شافی، ص ۱۲)

الجواب:

مولانا سندیلوی نے جو بندہ کے متعلق لکھا ہے کہ: فقہ دستوری سے بالکل ناواقف اور نظام خلافت کے مسائل سے بے خبر ہیں۔ تو میں نے اپنے محقق ہونے کا کب دعویٰ کیا ہے؟ میں نہ محدث ہوں نہ مفسر نہ مورخ نہ فقیہ اور نہ سابق شیخ الحدیث نہ متکلم۔ میں تو حضرات اکابر کا خوشہ چین ہوں اور انہی کے توسل کی برکت سے آپ کے ان افکار و نظریات کا ابطال کر رہا ہوں جو اہل حق کے خلاف ہیں۔

متاخرین فقہاء و متکلمین بھی دستوری نکتہ سے بے خبر تھے (سندیلوی):

میری کیا حیثیت ہے آپ تو تمام متاخرین محققین کو فقہ دستوری سے ناواقف قرار دیتے ہیں چنانچہ آپ کی چند تنقیدی عبارتیں پہلے پیش کر چکا ہوں۔ آپ نے تو فقہاء اسلام کو بھی انہی بے خبروں کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

یہاں اس دستوری نکتہ کی وضاحت لازم ہے جس کی طرف عام طور پر مورخین اور

متاخرین۔ فقہاء و متکلمین کا ذہن نہیں گیا کہ ان سب حضرات کا بیعت سے انکار خلافت مرتضوی تسلیم کرنے سے انکار کے مترادف نہیں تھا۔

(اظہار حقیقت جلد دوم حاشیہ، ص ۱۸۷)

آپ نے جو مسندِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لیے استصواب رائے عامہ کو لازم قرار دیا ہے اس کا جواب پہلے عرض کر چکا ہوں کہ یہ امر شرعاً لازم نہیں اور نہ ہی خلفائے ثلثہ نے اس کا التزام کیا ہے۔ اور آپ کی ایک ایسی عبارت بھی پیش کر چکا ہوں جس میں آپ نے استصواب عام کو مناسب قرار دیا ہے نہ کہ لازم۔

میں نے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا موقف انہی کی دلیل کی روشنی میں پیش کیا تھا۔ چنانچہ آپ نے بھی لکھا ہے کہ: ان دستوری مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حق انتخاب خلیفہ، بدری مہاجرین و انصار کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ جب صفین کے موقع پر بعض قرائے عراق نے بیچ میں پڑ کر فریقین کے درمیان مصالحت کی کوشش شروع کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ ہم لوگوں کے مشورے کے بغیر ان کا انتخاب کیسے مکمل ہو گیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:

۱۔ انما الناس مع المهاجرين والانصار فهم شهود الناس علی ولايتهم وامر دينهم ورضوا وبا يعونیُ۔

(البدایہ والنہایہ ج۷، بیان واقعہ صفین)

"سب لوگ (یعنی عام مسلمان) مہاجرین و انصار کے ساتھ ہیں کیونکہ یہی حضرات ان کی حکومت اور دینی امور کے بارے میں ان کے نمائندے ہیں، اور وہ لوگ (مہاجرین و انصار)، (میری خلافت پر) راضی ہو گئے اور انہوں نے مجھ سے بیعت کی۔"

اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ بہت سے مہاجرین و انصار یہاں (شام میں) بھی موجود ہیں ان کی شرکت اور ان کے ووٹوں کے بغیر انتخاب کو کیسے صحیح کہا جا سکتا ہے۔ جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا انما هذا للبدر بين دون غيرهم

(البدایہ والنہایہ ج۷، بیان واقعہ، صفین ص ۲۵۸) یہ (انتخاب خلیفہ کا حق) صرف ان مہاجرین وانصار کو حاصل ہے جو غزوہ بدر میں شریک تھے (اور کسی کو نہیں حاصل ہے) ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے کا مأخذ سورۂ توبہ، پارہ ۱۱ کی مندرجہ ذیل آیت تھی۔ السبقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضوا عنه۔ مہاجرین وانصار میں سابقین اولین اور جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ ان کی پیروی کی۔ اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں۔ وجہ استدلال واستنباط یہ ہے کہ آیت مہاجرین وانصار میں سے سابقین اولین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے اور ان کی اتباع کو دوسرے مسلمانوں کے لیے رضائے الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے اس لیے نصب خلیفہ کے معاملے میں بھی وہی متبوع اور مقتدا سمجھے جائیں گے اور بدری ہی حضرات سابقون اولون بھی تھے۔ ان کے اوّل الذکر قول منقولہ بالا میں ان کی دوسری دلیل یعنی تعامل کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ حضرات خلفائے ثلثہ کا انتخاب مہاجرین وانصار ہی نے کیا تھا۔ اس تعامل (Eonvention) میں تبدیلی کو وہ صحیح نہ سمجھتے تھے۔ شرعی زاویہ نظر سے ان کا موقف بالکل صحیح تھا اس پر کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ الخ (ایضاً جلد ۲، ص ۴۱۳۔۴۱۴)

مولانا سندیلوی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا جو موقف پیش کیا ہے اس کی اتباع میں بندہ نے یہ عرض کیا تھا کہ فریق ثانی پر لازم تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ کی خلافت کے لیے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کرتے۔ اور اگر آپ اس طریق انتخاب میں کامیاب ہو جاتے تو آپ سے قصاص کا مطالبہ کیا جاتا۔ مولانا سندیلوی جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو بالکل صحیح مان رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موقف یہی تھا کہ وہ ہنگامی نہیں مستقل خلیفہ ہیں اور ان کی اطاعت لازم ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ رعیت پر آپ کی اطاعت واجب ہو گئی تھی۔

حضرت مرتضیٰ باوجود رسوخ قدم در سوابق اسلامیہ و وفور اوصاف خلافت خاصہ و انعقاد بیعت برائے او وجوب انقیاد رعیت فی حکم اللہ بہ نسبت او۔ متمکن نشد در خلافت

”حضرت مرتضیٰ باوجود سوابق اسلامیہ میں راسخ القدم ہونے اور باوصف کثرت اوصاف خلافت خاصہ کے (ان کی ذات میں پائے جانے کے) اور باوجود اس کے کہ ان کے لیے بیعت کا انعقاد ہوا۔ اور رعیت کا احکام الٰہی میں ان کے لیے مطیع ہونا ثابت ہوگیا۔ خلافت میں متمکن نہ ہوئے۔“

(ازالۃ الخفاء مترجم حصہ اوّل فصل پنجم، ص ۴۷۹، ۴۸۰)

انعقاد خلافت کے سلسلے میں حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں:

واہل علم تکلم کردہ اند درانکہ خلافت حضرت مرتضیٰ بکدام طریق از طرق مذکورہ واقع شد بمقتضائے کلام اکثر آنست کہ بہ بیعت مہاجرین وانصار کہ در مدینہ حاضر بودند خلیفہ شدند واکثر نامہائے حضرت مرتضیٰ کہ باہل شام نوشتہ اند شاہد ایں معنیٰ است۔“ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل، ص ۲۶)

”اہل علم نے اس بات میں کلام کیا ہے کہ حضرت (علی رضی اللہ عنہ) مرتضیٰ کی خلافت (چار) مذکورہ طریقوں میں سے کس طریق پر واقع ہوئی، اکثر (علماء) کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) ان مہاجرین و انصار کے بیعت کر لینے سے خلیفہ ہوئے جو مدینہ میں موجود تھے، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے اکثر وہ خطوط جو مولانا سندیلوی لکھتے ہیں کہ: خلیفہ برحق ہونے اور استصواب ضروری ہونے میں قطعاً کوئی تعارض اور تنافی نہیں۔ آپ نے اہل شام کو لکھے اس پر شاہد ہیں۔“

خلیفہ برحق ہونے اور استصواب رائے ضروری ہونے میں تعارض ہے:

ان کی یہ بات غلط ہے اس لیے کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو مستقل موعودہ خلیفہ تسلیم کیا جائے تو پھر استصواب رائے جائز نہیں رہتا۔ اور اگر استصواب رائے ضروری قرار دی جائے جیسا کہ سندیلوی صاحب کا نظریہ ہے تو پھر تعارض نہیں ہے۔ لیکن اس صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو غیر مستقل خلیفہ ماننا پڑے گا۔ لہٰذا مولانا سندیلوی کو ایک موقف متعین کر لیں۔ اگر وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ہنگامی یعنی غیر مستقل قرار دیتے ہیں

(جیسا کہ ان کی بعض عبارتیں نقل کی جاچکی ہیں) تو پھر استصواب رائے عامہ ضروری ہوگا نہ کہ محض مناسب (جیسا کہ انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ مناسب یہ تھا)۔

ان کی اپنی تحریر میں تعارض ہے کبھی استصواب کو ضروری اور لازمی قرار دیتے ہیں اور کبھی مناسب بتاتے ہیں اس سے ان کا ذہنی اور فکری انتشار ہی ثابت ہوتا ہے۔ بہر حال ان کا زور اسی بات پر ہے کہ استصواب رائے عامہ ضروری تھا۔ لیکن اس کے لیے وہ کوئی ٹھوس علمی و شرعی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔ محض قیاس آرائیوں اور سیاسی دلیلوں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو مجروح نہیں کیا جا سکتا اور اس لیے وہ خود بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کو بالکل صحیح قرار دے رہے ہیں۔

مولانا سندیلوی کی ایک اور غلط بیانی:

موصوف لکھتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے منصب خلافت قبول کرنے کے لیے اصرار کیا گیا اس وقت انہوں نے مندرجہ ذیل بات کہی تھی جو اس سلسلہ میں قابل ذکر ہے۔ فامهلوا حتى يجتمع الناس ويتشاوروا (طبری جلد۴، ص۴۳۳ حوادث ۳۵) ''اتنی مہلت دو کہ لوگ جمع ہو کر مشورہ کر لیں۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولاً وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق تھے اور مستقل خلافت کے لیے عام اعیان و اکابر کا اجتماعی مشورہ اور آزادانہ انتخاب ضروری سمجھتے تھے مگر جب جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہ نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا۔ اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ یہ اختلاف کھلا ہوا اجتہادی تھا جو دونوں حضرات کے درمیان آئین کی ایک اہم دفعہ میں پیدا ہو گیا تھا۔

(اظہار حقیقت جلد۲، ص۳۱۲)

الجواب:

① سندیلوی صاحب کے نزدیک ابن جریر طبری کٹر شیعہ اور سبائی ہے۔ اس کی

تاریخ طبری میں مکذوبہ روایتیں ہیں۔ پھر ایک اہم اصولی آئینی بحث میں وہ طبری کی روایت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مؤقف کیوں ثابت کر رہے ہیں کیا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی معاذ اللہ شیعوں کا امام سمجھتے ہیں۔

② اس روایت میں تو بالکل ابتدائی حال کا تذکرہ ہے جبکہ لوگ آپ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے اور آپ پس و پیش فرما رہے تھے اس سے یہ کیسے لازم آگیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا شروع سے ہی یہی موقف تھا کہ استصواب رائے عامہ کے بغیر خلافت مستقل نہیں ہو سکتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر جنگ و قتال تک کیوں نوبت پہنچتی اور خود سندیلوی صاحب کی حسب ذیل عبارت جو اوپر نقل کر چکا ہوں کہ:

> ان دستوری مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حق انتخاب خلیفہ بدری مہاجرین و انصار کے ساتھ مخصوص ہے۔ (ص ۴۱۳)

پھر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے دلائل بھی پیش فرمائے ہیں اور خود سندیلوی صاحب نے بھی تسلیم کیا کہ ان کی دلیل کا ماخذ آیت **السابقون الاولون من المهاجرين والانصار** تھی یہ سب کچھ لکھنے کے باوجود تعجب ہے کہ مولانا سندیلوی یہ غلط بیانی فرما رہے ہیں اور وہ بھی طبری کی روایت کی بنا پر کہ:

> اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصولاً وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ متفق تھے۔

لاحول ولا قوة الا باللہ۔ اپنی ہی تحریر کے خلاف یہ غلط بیانی آخر کس ذہنیت کی عکاسی کرتی ہے؟ بینوا توجروا۔

③ سندیلوی صاحب یہ بھی لکھ رہے ہیں: مگر جب جنگِ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہ نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ (ص ۴۱۲)

④ محقق سندیلوی صاحب فرماتے ہیں: اور واقعہ یہ ہے کہ آں محترم (یعنی حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ) کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے کوئی اختلاف نہ تھا ان کا اختلاف اصولی تھا۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جگہ کوئی دوسرا شخص ہوتا اور واقعات یہی ہوتے تو انہیں اس سے بھی یہی اختلاف ہوتا۔ (ص ۲۲۲)

نیز لکھتے ہیں: اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ذات سے کوئی اختلاف نہ تھا بلکہ وہ صرف آزادانہ انتخابات چاہتے تھے۔ کچھ مدت کے بعد تو وہ اتحاد بین المسلمین کے پیش نظر اس مطالبہ سے بھی دستبردار ہو گئے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کے لیے بھی تیار تھے صرف سبائیوں کی سرکوبی کی شرط انہوں نے لگائی تھی۔

(ص ۲۲۳)

مولانا سندیلوی نے ہتھیار ڈال دیئے:

ناظرین غور فرمائیں! مولانا سندیلوی نے یہ بھی مان لیا کہ: جنگِ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ نے ان کی خلافت تسلیم کرلی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔

اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہ مان لیا کہ ''کچھ مدت کے بعد تو وہ اتحاد بین المسلمین کے پیش نظر اس مطالبہ سے بھی دستبردار ہو گئے۔''

فرمائیے! جس مسئلہ کو مولانا موصوف آئینی، اصولی قرار دے رہے تھے اور یہ فرما رہے تھے کہ اس دستوری نکتہ کی طرف فقہاء اور متکلمین کی نظر نہیں گئی اور صدیوں کے محققین مجتہدین پر غضب کے شعلے برسا رہے تھے۔ آخر اس موضوع پر کئی صفحات سیاہ کرنے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور تصریح کردی کہ:

> ''اتحاد بین المسلمین کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس مطالبہ سے دستبردار ہو گئے۔''

اس سے ثابت ہوا کہ استصواب رائے عامہ کا مطالبہ ضروری نہ تھا اور نہ یہ کوئی اصولی اختلاف تھا ورنہ اپنے اجتہاد کی بناء پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس سے دستبردار نہ ہوتے۔ علاوہ ازیں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اگر اتحاد بین المسلمین کے لیے اس مطالبہ سے دستبردار

ہونے میں کوئی قباحت نہ تھی تو اگر اس مطالبہ پر زور نہ دیا جاتا اور اتحاد بین المسلمین کی خاطر ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی جاتی تو سوائے سبائی پارٹی کے تمام اہل اسلام کی ایک متحدہ طاقت قائم ہو جاتی جس کے ذریعہ بلوائیوں کا قلع قمع بہت آسان ہو جاتا اور بیعت نہ کرنے کی صورت میں باہمی جنگ وقتال میں جو ہزارہا جانیں قربان ہوئی ہیں اس المیہ سے بھی امت محفوظ ہو جاتی۔

مولانا سندیلوی کی چوٹ:

موصوف فرماتے ہیں: اعتراض کا ''جواب شافی'' تو دیا جا چکا مگر یہ بات کہہ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ اعتراض مجھ پر نہیں بلکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جناب قاضی صاحب مودودی صاحب کے راستہ کی طرف مائل ہو رہے ہیں ورنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مؤید دوسرے صحابہ پر اعتراض کرنے کی جسارت نہ کرتے خصوصاً جبکہ اس کی کوئی ضرورت بھی نہ تھی بلکہ جس شخص نے اظہار حقیقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کی بحث غور سے پڑھی ہو اس کے ذہن میں اس طرح کا اشکال ہی نہیں ہو سکتا۔ ''عقیدہ امام اعظم'' **یکف عن ذکر الصحابة الا بخیر** (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوائے اچھائی کے تذکرہ نہ کیا جائے)۔

(نبراس شرح لشرح العقائد، ص ۳۵۶)، (جواب شافی، ص ۱۴)

الجواب:

① مولانا سندیلوی کو الزام تراشی کے بغیر اپنی تحقیق کا لطف نہیں آتا۔

فرمائیے! میرے الفاظ میں کیونکر حضرت معاویہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تنقیص پائی جاتی ہے۔ میں نے تو قرآن کے موعودہ خلیفہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے موقف کی روشنی میں ہی یہ بات عرض کی ہے۔ اور سندیلوی صاحب کی اس بات کا جواب دیا ہے کہ: اس صورت میں شرعاً وعقلاً لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا'' حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے آخر تک استصواب رائے عامہ کا

مطالبہ پورا نہیں کیا جس کو سندیلوی صاحب شرعاً و عقلاً لازم قرار دے رہے ہیں اگر اس میں سندیلوی صاحب کے نزدیک کوئی تنقیص و توہین نہیں پائی جاتی تو اگر میں نے یہ لکھ دیا ہے کہ: اس صورت میں تو فریق ثانی پر لازم تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ کی خلافت کے لیے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کرتے الخ۔ اس کو سندیلوی صاحب کیوں تنقیص پر مبنی جسارت قرار دے رہے ہیں۔

جس ضرورت کے تحت آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر استصواب رائے عامہ کا مطالبہ لازم قرار دیا ہے۔ اسی ضرورت کے تحت میں نے فریق ثانی پر سب سے پہلے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ لازم قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ: بحیثیت خلیفہ جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی تھیں ان میں ایک ذمہ داری یہ بھی تھی کہ وہ اپنے انتخاب کے بارے میں ان ارباب حل و عقد کی رائے بھی معلوم کریں جو آں محترم کے انتخاب کے وقت اپنی رائے نہیں دے سکے تھے۔

کوئی صاحب فرمائیں کہ ان دونوں باتوں میں تعارض و تنافی کیا؟ (ص ۱۲) کیا یہ سندیلوی صاحب کا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر اعتراض نہیں ہے کہ انہوں نے خلافت کی یہ ذمہ داری پوری نہیں کی؟ حالانکہ آپ یہ اعتراض نہیں کر سکتے کیونکہ آپ یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ "حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے اور آں محترم کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ خلافت تھی جیسا کہ آیتِ تمکین سے سمجھ میں آتا ہے۔" (ایضاً ص ۱۰)

تو جب حسبِ وعدہ قرآنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ تھی تو یہ بھی لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ خلافت کی مستقل اور اصولی پالیسی بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اختیار فرمائی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ تھی۔ اور اسی بنا پر جمہور اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ اس نزاع میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حق اور صواب پر تھے یعنی آپ کا اجتہاد صحیح تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہاد میں خطاء ہوگئی (اس کی مزید بحث آگے آرہی ہے)۔

سندیلوی صاحب کی حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید:

اسی بحث میں مودودی صاحب کا جواب دیتے ہوئے سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:

”ان جوابات پر یہاں اتنا اضافہ اور کیجئے کہ اگر واقع یہی تھا کہ آزادانہ انتخاب میں ان کی کامیابی یقینی تھی تو کیا حرج تھا اگر انتخاب دوبارہ ہو جاتا اور آزادانہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو باہمی اختلاف بھی ختم ہو جاتا۔ ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہو جاتی اور مسلمانوں کی اتنی خونریزی نہ ہوتی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کیوں نہ منظور فرمائی؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔“ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۴۴۲)

مقام عبرت:

① حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق سندیلوی صاحب نے تنقید واعتراض کا جو لہجہ اختیار کیا ہے کیا اس میں ان کو تنقیص وتوہین کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا؟

② سندیلوی صاحب یا تو اپنی تحریر کا مطلب ہی نہیں سمجھتے اور اگر سمجھتے ہیں تو پھر یہ لازم آتا ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو موعودہ خلافت نہیں تسلیم کرتے اور اگر تسلیم کرتے ہیں تو موعودہ خلافت کا مفہوم بھی نہیں سمجھتے۔ کیونکہ جو شخص فہم ودیانت سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق بطور پیش گوئی کے چوتھا خلیفہ راشد مانتا ہے وہ یہ تصور ہی نہیں کرسکتا کہ: اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔

کیا سندیلوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ دوبارہ انتخاب ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں پورا نہ کرسکتا؟ ہم کہتے ہیں کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا تو اللہ تعالیٰ خود ہی اپنی قدرت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کامیاب کرتا۔ لیکن دوبارہ انتخاب اللہ تعالیٰ کو منظور ہی نہ تھا۔ کیونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا پہلا انتخاب ہی وعدۂ خداوندی کے تحت بالکل صحیح اور مستقل تھا۔ اور اگر دوبارہ انتخاب ہونے کی صورت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

کامیاب ہوتے تو یہ احتمال پایا جاتا تھا کہ اس سے پہلے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے مستقل اور موعودہ خلیفہ نہ تھے دوبارہ انتخاب کے بعد آپ کو یہ منصب عطا ہوا۔ لیکن یہ اعتراض حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے آیتِ استخلاف اور آیت تمکین کے خلاف عملاً کیوں کیا۔ اس لیے کہ اس وقت یقینی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ ان آیات کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ بلکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد اس بات پر نہیں یقین ہوا۔ مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو خلافت دینے کا وعدہ فرما دیا گیا ہے اس کا چوتھا مصداق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہیں اور اسی بنیاد پر اہل سنت والجماعت کا بعد میں اجماع ہوگیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ چاروں خلفاء بالترتیب قرآن کے موعودہ خلفائے راشدین ہیں۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند رحمۃ اللہ علیہ نے اس اجماعی عقیدے کا اظہار آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ:

اس سے یہ ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیل امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہی چار یار کے لیے تھا۔

(ہدیۃ الشیعہ طبع قدیم، ص ۵۶)

فرماتے ہیں: مگر چونکہ یہ انعام خلفائے راشدین پر ہوا۔ اور یہ وعدہ خلفائے اربعہ کے ساتھ بترتیب معلوم وفا میں آیا تو یہ شہادت خداوندی معلوم ہوا کہ یہ اصحاب اربعہ ایمان اور عمل صالح میں اوروں سے بڑھ کر تھے اور وہ بھی اس قدر کہ ان کے ہوتے ہوئے قابلیت اس انعام خاص کی ان کے سوا کسی میں نہ تھی اور باہم بترتیب خلافت ایک دوسرے پر ایمان اور عمل صالح میں مقدم تھا اوّل اوّل، دوم دوم اور سوم سوم اور چہارم چہارم۔

(ایضاً، ص ۴۹)

محققین اہل سنت تو مسئلہ خلافت اور مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حل کتاب اللہ کی روشنی میں اصولی طور پر کرتے ہیں لیکن ططیلوی صاحب اپنے اوہام و وساوس کی بھول بھلیوں میں بھٹک رہے ہیں ورنہ یہ کہنے کی جسارت نہ کرتے کہ:

''اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔''

مودودی موقف کیا ہے؟

مولانا سندیلوی پر مودودی بھوت (پنجابی میں اس کو ہوا کہتے ہیں) کا تصور اس طرح غالب ہے کہ وہ جمہور اہل سنت اور مودودی نظریہ و موقف میں فرق نہیں سمجھتے ورنہ مجھ پر یہ الزام نہ لگاتے کہ: ''قاضی صاحب مودودی صاحب کے راستہ کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔'' حالانکہ سندیلوی صاحب جانتے ہیں کہ بندہ نے مودودی نظریات کی تردید ہی میں حسبِ ذیل کتابیں لکھی ہیں:

① مودودی جماعت کے عقائد و نظریات پر ایک تنقیدی نظر۔

② مودودی مذہب

③ مفتی محمد یوسف صاحب مودودی کے ''علمی جائزہ'' کا جواب ''علمی محاسبہ''

④ مودودی صاحب کے نام ''کھلی چٹھی'' (جس کی سندیلوی صاحب خود تصویب کر چکے ہیں)

⑤ ''دفاع صحابہ'' جس میں مودودی نظریات کا رد بھی ہے

⑥ ''حضرت لاہوری فتنوں کے تعاقب میں'' (اس میں مودودیت کا رد بھی ہے)

علاوہ ازیں بندہ مودودی جماعت سے سیاسی طور پر بھی اشتراک و اتحاد نہیں کرتا۔ اور یہ پالیسی غیرت صحابہ کرام کی بنیاد پر ہی ہے۔

مودودی صاحب نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کی پالیسی پر جو اعتراضات کئے ہیں وہ بھی ان کے اوہام و وساوس کا نتیجہ ہیں۔ ورنہ اگر وہ خلافت کی بحث میں قرآن کی موعودہ خلافت کو پیش نظر رکھتے تو اس طرح جسارت نہ کرتے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ مولانا سندیلوی خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کی پالیسی پر تنقید کر کے مودودی موقف کی طرف مائل ہو رہے ہیں تو کیا یہ غلط ہوگا؟

مودودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے قائل نہیں ہیں وہ تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص نیت کو بھی تسلیم نہیں کرتے چنانچہ لکھتے ہیں:

مال غنیمت کی تقسیم کے معاملہ میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی۔ (خلافت وملوکیت طبع اول، ص ۱۷۴)

زیاد بن سمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لیے شریعت کے ایک مسلم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی۔

(ایضاً، ص ۱۷۵)

فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں: اس کو دیکھتے ہوئے یہ کہنے کے سوا چارہ نہیں ہے کہ یہ محض غلطی تھی۔ اس کو اجتہادی غلطی قرار دینے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔ (ایضاً، ص ۲۴۴)

اصحاب احد پر مودودی کا بہتان:

﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ [آل عمران: ۱۳۰]

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو، اور اللہ سے ڈرو۔''

اس آیت کے ترجمہ کے تحت (۹۸) میں مودودی صاحب لکھتے ہیں: ''احد کی شکست کا بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمان عین کامیابی کے موقع پر مال کی طمع سے مغلوب ہو گئے اور اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کے بجائے غنیمت لوٹنے میں لگ گئے۔ اس لیے حکیم مطلق نے اس حالت کی اصلاح کے لیے زر پرستی کے سرچشمے پر بند باندھنا ضروری سمجھا اور حکم دیا کہ سود خوری سے باز آ جاؤ جس میں آدمی رات دن اپنے نفع کے بڑھنے اور چڑھنے کا حساب لگاتا رہتا ہے اور جس کی وجہ سے آدمی کے اندر روپے کی حرص بے حد بڑھتی چلی جاتی ہے۔'' اس کے بعد (۹۹) کے تحت لکھتے ہیں: سود خوری جس سوسائٹی میں

موجود ہوتی ہے اس کے اندر سود خوری کی وجہ سے دو قسم کے اخلاقی امراض پیدا ہوتے ہیں۔ سود لینے والوں میں حرص و طمع، بخل اور خود غرضی اور سود دینے والوں میں نفرت۔ غصہ اور بغض و حسد۔ اُحد کی شکست میں ان دونوں قسم کی بیماریوں کا کچھ نہ کچھ حصہ شامل تھا۔ (تفسیر تفہیم القرآن جلد اوّل، سورۂ آل عمران ص ۲۸۷، ۲۸۸ تیرہواں ایڈیشن جنوری ۱۹۷۶ء، آیت ۱۳۴،۱۳۳)

ناظرین اندازہ لگائیں کہ ابوالاعلیٰ صاحب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بدظنی کرنے کے نتیجہ میں اصل معاملہ کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔ قرآن حکیم میں اس امر کا نام ونشان بھی نہیں ہے کہ احد کی شکست کے اسباب میں سود خوری کا بھی کوئی دخل تھا۔ واقعہ صرف اتنا ہے کہ شروع میں جب لشکر قریش شکست کھا کر پیچھے ہٹ گیا اور میدان صحابہ کرام کے ہاتھ میں رہا تو اس فتح و غلبہ کے بعد وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے۔ کیا مال غنیمت کا جمع کرنا سود خوری اور غلبہ طمع مال کی وجہ سے ہی ہوا کرتا ہے۔ ع

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

لغزش ہونا اور بات ہے اور غلبہ طمع مال اور سود خواری کا تقاضا اور ہے۔ کیا مودودی صاحب انصار و مہاجرین صحابہ کے بارے میں یہی تصور رکھتے ہیں جن کے نفوس کو حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے پاک صاف کر دیا ہے۔ اور وہ محض رضائے الٰہی کے طالب بن گئے تھے۔

صدر ضیاء الحق اور عقیدت صحابہ رضی اللہ عنہم:

ابوالاعلیٰ مودودی صاحب سے تو صدر مملکت جنرل محمد ضیاء الحق صاحب چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر آف پاکستان اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شرعی عظمت کو زیادہ سمجھتے ہیں جو نہ مفسر قرآن ہیں نہ محقق دوراں۔ چنانچہ صدر صاحب نے ۱۲ ربیع الاوّل ۱۴۰۲ھ مطابق ۹ جنوری ۱۹۸۲ء کو جو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عنوان پر تقریر کی ہے۔ اس کے شائع شدہ متن میں حسب ذیل الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

واقعات کی اس ترتیب سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے حکومت قائم کرنے اور قوانین جاری کرنے سے پہلے افراد کی ذاتی اصلاح، ان کے اخلاق و اعمال کی درستی اور ان کے تزکیہ نفس پر زیادہ زور دیا۔ چنانچہ مکی زندگی کے تیرہ سال اسی کام میں صرف ہوئے۔ اس دوران آپ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان و یقین، اللہ تعالیٰ کی عظمت و محبت ہر معاملے میں اللہ ہی کی طرف رجوع کا جذبہ، دنیائے فانی کی حقیقت اور آخرت کی جواب دہی کا احساس پیدا فرمایا۔ اور یہی وہ بنیادی اخلاقی جوہر تھے جنہوں نے ایک ایک صحابی کو ایثار، قناعت، فیاضی، رحم دلی، شجاعت غرض یہ کہ تمام اعلیٰ اخلاق کا پیکر بنا دیا۔ ان کے دلوں سے دنیا پرستی، خودغرضی اور ظلم و ستم کے جذبات مٹ گئے۔ دوسروں کا خون چوس کر اپنا مفاد حاصل کرنے کا جذبہ اپنی موت آپ مر گیا۔ اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کی جدوجہد ہر فرد کی زندگی کا سب سے بڑا نصب العین بن گئی۔ (چھٹی قوت سیرت کانفرنس میں افتتاحی خطاب (ص۱۰) وزارت اطلاعات و نشریات اسلام آباد)

''ہم نے اپنے مشن (تحفظ عظمتِ صحابہ رضی اللہ عنہم) کے تحت مطبوعہ تقریر کا فوٹو ایک ٹریکٹ کی شکل میں شائع کر دیا ہے۔''

نبراس کی عبارت سے سندیلوی صاحب کا غلط استدلال:

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب '' نبراس شرح لشرح العقائد کی عبارت جو مولانا سندیلوی نے پیش کی ہے یکف عن ذکر الصحابة الا بخیر '' (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سوائے اچھائی کے تذکرہ نہ کیا جائے) تو اس سے میرے خلاف استدلال بالکل غلط ہے۔ کیونکہ باتباع جمہور بندہ کا مسلک یہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے میں اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے۔ اور یہ بات خیر و بھلائی کے ذکر کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اجتہادی خطا پر بھی مجتہد کو

حسب حدیث بخاری ایک اجر ملتا ہے۔ اور مجتہد مصیب کو (یعنی جس کا اجتہاد صحیح ہو) دو اجر ملتے ہیں۔ کیا جس عمل پر ثواب ملتا ہے وہ خیر و بھلائی کے خلاف ہو سکتا ہے اور اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت کرنا مذموم ہے تو اس کا ارتکاب تو خود مولانا فرہاروی رحمہ اللہ نے بھی کیا ہے جن کی کتاب کا حوالہ سندیلوی صاحب پیش فرما رہے ہیں۔ چنانچہ مولانا فرہاروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وما وقع من المخالفات والمحاربات من عائشة وطلحة والزبير ثم من معاوية رضی اللہ عنهم لم يكن عن نزاع فی خلافة بل كان المحاربون يسلمون خلافته بل عن خطا فی الاجتهاد من معاويةؓ خصه بالذكر لان حربه اشهر من حرب الباقين والخطا هو الاستعجال فی طلب قصاص عثمانؓ زعماً ان التاخير يوجب جراة العوام علی الاكابر و كثيراً ما يفوت المطلوب ...... وقال اهل السنة كان الحق مع علیؓ وان من حاربه مخطی فی الاجتهاد فهو معذور وان كلا من الفريقين عادل صالح ولا يجوز الطعن فی احد منهم۔ (النبراس طبع جدید، ص ۵۰۲)

اور جو مخالفتیں اور جنگیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوئی ہیں وہ (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق نزاع کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ لڑنے والے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم کرتے تھے بلکہ وہ جنگیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اجتہادی خطا کی وجہ سے ہوئی تھیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہاں خصوصیت کے ساتھ اس لیے ذکر کیا ہے کہ آپ کی جنگ بہ نسبت دوسروں کے زیادہ مشہور ہے اور آپ کی یہ خطا تھی کہ آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص طلب کرنے میں جلدی کی اس گمان پر کہ قصاص میں تاخیر کرنے سے عوام کو اکابر حضرات کے خلاف جرأت پیدا ہو جائے گی جس کی وجہ سے بسا اوقات مطلوب فوت

ہو جائے گا...... اور اہل سنت کہتے ہیں کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا جن حضرات نے آپ سے جنگ کی ہے ان سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی اور وہ اس میں معذور ہیں اور بلاشک دونوں فریق عادل اور صالح ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر بھی طعن جائز نہیں ہے۔"

انہی حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب فرہاروی رحمہ اللہ کی ایک کتاب الناهية عن طعن امير المومنين معاويةؓ ہے۔ اس میں آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف لگائے گئے مطاعن کا جواب دیا ہے لیکن مشاجراتِ صحابہ کی بحث کے سلسلہ میں اس میں لکھتے ہیں:

والصحابة الاربعة مجتهدون فى الحرب مخطئون فيه وعلى مجتهد مصيب۔ (ص ۷)

"اور چاروں صحابہ اس لڑائی میں اپنے اجتہاد کی بنا پر خطا کرنے والے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں اپنے اجتہاد میں مصیب ہیں یعنی ان کا اجتہاد صحیح تھا۔"

اس کے بعد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے تحت کہ: تقتلك الفئة الباغية (تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کریگا) لکھتے ہیں:

فان اهل السنة اجمعوا علىٰ ان من خرج على علىٍّ كرم الله وجهه خارج على الامام الحق الا انّ هذا البغي الاجتهادى معفو عنه۔

"تحقیق اہل سنت کا اس پر اجماع ہے کہ جنہوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف خروج کیا ہے انہوں نے امام حق کے خلاف خروج کیا ہے مگر یہ بغاوت چونکہ اجتہادی ہے اس لیے معاف ہے۔"

مولانا علامہ فرہاروی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب مرام الکلام فی عقائد الاسلام (ص ۴۸) پر بھی اس بحث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصیب قرار دیا ہے۔ ناظرین اندازہ فرمائیں مولانا سندیلوی نے مولانا فرہاروی رحمہ اللہ کی کتاب نبراس کا حوالہ تو دیا لیکن ان

کو لینے کے دینے پڑ گئے۔ ع

تماشا خود نہ بن جانا

تماشا دیکھنے والو

تہذیب التہذیب کا حوالہ:

مولانا سندیلوی لکھتے ہیں، متقدمین کا عقیدہ بتاتے ہوئے شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

خیر القرون (اچھے زمانے) کے بزرگوں کا نقطہ نظر یہ تھا کہ جو شخص یا جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے یا جنگِ جمل و صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھنے کے ساتھ آپ کے مخالفین کو خطا کار کہتا ہے وہ بھی شیعہ ہے۔ (تہذیب التہذیب مطبوعہ دکن ج ۱، ص ۹۴)

یہ قول نقل کرنے کے بعد تنظیم اہل سنت پاکستان (ملتان) کے صدر حضرت مولانا نورالحسن بخاری اپنی کتاب ''عادلانہ دفاع'' بجواب خلافت وملوکیت (ص ۴۱۲) پر لکھتے ہیں:

(اس سے واضح ہوتا ہے کہ) اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت تو نہیں دیتا لیکن جنگوں میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا پر سمجھتا ہے تو وہ بھی شیعہ ہے اسے سنی کہلانے کا کوئی حق نہیں۔ اس موضوع پر تائید مزید کے لیے دیکھئے شیخ الاسلام حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ کی کتاب ''براءۃ عثمان'' بجواب خلافت و ملوکیت شائع کردہ مولانا ابو ذر بخاری ابن امیر شریعت رحمہ اللہ، کوٹ تغلق شاہ، ملتان شہر، از ناشر)

حاشیہ میں مولانا سندیلوی نے تہذیب التہذیب کی اصل عربی عبارت بھی لکھ دی ہے (فالتشیع فی عرف المتقدمین ھو اعتقاد تفضیل علیؓ علیٰ عثمانؓ وان علیًا کان مصیباً فی حروبہ وان مخالفہ مخطیء مع تقدیم الشیخین وتفضیلھما)۔ (جواب شافی، ص ۱۴)

الجواب:

① تہذیب التہذیب کی مندرجہ عبارت کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے یہ عبارت لکھی ہے: **واما التشیع فی عرف المتاخرین فھو الرفض المحض فلا تقبل روایۃ الرافضی الغالی** ’’اور متاخرین حضرات کے عرف میں تشیع محض رفض کو کہتے ہیں، پس غالی رافضی کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔‘‘ اگر مولانا سندیلوی یہ عبارت بھی لکھ دیتے تو زیر بحث مسئلہ واضح ہو جاتا۔ اسی لیے غالباً یہ عبارت حذف کر دی حالانکہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔ ان دونوں عبارتوں سے معلوم ہوا کہ لفظ شیعہ کے استعمال میں متقدمین اور متاخرین کے اندر فرق پایا جاتا ہے۔

لفظ متقدمین کا ترجمہ سندیلوی صاحب نے خیر القرون (اچھے زمانے کے لوگ کیا ہے)۔ حالانکہ حسب حدیث خیر القرون قرنی (سب سے بہتر زمانہ میرا ہے) دور رسالت میں لفظ شیعہ کی کوئی اصطلاح رائج نہ تھی۔

② اختلاف صحابہ کے بعد شروع شروع میں تو اہل سنت والجماعت پر بھی لفظ شیعہ کا اطلاق کیا جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ابن سبا یہودی کے فتنہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

پس لشکر والے جناب امیر کے اس شیطان کے وسواس سے چار فریق ہو گئے۔ ایک فرقہ شیعہ اُولیٰ اور شیعہ مخلصین کہ اہل سنت والجماعت کے پیشوا ہیں اور حضرت امیر رضی اللہ عنہ کے چال چلن پر حقوق اصحاب کبار اور ازواج مطہرات کے پہچانتے تھے اور ان کی پاسداری ظاہر و باطن کرتے تھے۔ باوصف لڑائیوں اور جھگڑوں باہمی کے سینہ بے کینہ سے مکر و نفاق کو نکال دیا تھا اور صفاء و براءت حاصل کی تھی۔ انہیں کو شیعہ اولیٰ اور شیعہ مخلصین کہتے ہیں۔

دوسرا فرقہ تفضیلیہ کہ جناب امیر کو سب صحابہ پر فضیلت دیتے تھے۔ یہ فرقہ ادنیٰ شاگردوں اس لعین سے تھا کہ انہوں نے تھوڑا سا وسوسہ اس لعین کا قبول کیا۔ اور جناب

امیر نے ان کو بہت ڈرایا دھمکایا کہ اگر میں نے کسی کو سنا کہ مجھ کو شیخین پر فضیلت دیتا ہے تو اس کو سزا افتراء کی دوں گا جو اسّی (۸۰) کوڑے ہیں۔

تیسرا فرقہ شیعہ سبیہ، سب بمعنی دُشنام کہ ان کو، تبرائین بھی کہتے ہیں جو تمام صحابہ کو ظالم و غاصب بلکہ کافر و منافق جانتے ہیں اور یہ اس کے اوسط درجے کے شاگردوں سے ہوئے اور وہ جھگڑے جو حضرت عائشہ اور طلحہ اور زبیر اور حضرت امیر کے باہم ہوئے تھے۔ موید ان کے مذہب اور محرک ان کے دغدغے کے ہوئے اور جو یہ سب جھگڑے باہمی بابت خون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے تھے بالضرور ان لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں بھی زبان لعن وطعن کھولی اور جو خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مبنی بر خلافت شیخین تھی اور بانی مبانی خلافت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف اور مثل ان کے تھے لہٰذا سب کو نشانہ تیر طعن کا بنایا۔ ہر گاہ کہ یہ خبر بواسطہ مخلصین جناب امیر کے سمع شریف میں نہیں پہنچی تھی خطبے فرماتے تھے اور بُرا بھلا کہہ کے اپنی بیزاری ان سے ظاہر کرتے تھے۔ چوتھا فرقہ شیعہ غلاۃ یعنی نہایت حد سے بڑھا ہوا کہ یہ لوگ اس خبیث کے خاص الخاص اور ارشد شاگردوں سے تھے کہ قائل الوہیت جناب امیر رضی اللہ عنہ کے ہوئے ....

پس یہ اصل راہ پیدا ہونے مذہب شیعہ کی ہے۔ اب اس سے معلوم ہوا کہ اصل اصول شیعوں کے تین فرقوں کا وہی ایک یہودی خبیث الباطن نفاق پیشہ تھا۔ اس کے بعد نواصب اور خوارج وغیرہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

حالانکہ یہ فرقہ یعنی اہل سنت فرقہ شیعہ خاص جناب امیر رضی اللہ عنہ کا ہے کہ بدل وجان فدا خاندان نبوت کے ہیں اور ہمیشہ نواصب شام و مغرب اور عراق کے ساتھ لڑائیاں تیغ وسناں کی لڑتے رہے اور مناظرے علمی و زبانی کرتے رہے اور مدد شعائر شریعت اور کھونے بدعات مروانیہ میں ساعی و سرگرم ہوئے اور نواصب کو بدترین کلمہ گویوں بلکہ ہمسر سگ و خوک کا جانتے رہے۔ (تحفہ اثناعشریہ مترجم اردو، ص ۹)

حضرت شاہ صاحب دہلوی رحمہ اللہ نے یہاں چاروں فرقوں پر لفظ شیعہ کا اطلاق کیا ہے اور اہل سنت والجماعت کے پیشواؤں کو شیعہ اولیٰ مخلصین قرار دیا ہے۔ دیکھئے اب

مولانا سندیلوی بھی اس فرقہ اولیٰ شیعہ میں شامل ہونا قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

حضرت شاہ صاحب نے ان لوگوں کو بھی شیعہ کہا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین (حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق رضی اللہ عنہ) پر فضیلت دیتے تھے۔ اس میں اس امر کا ذکر نہیں فرمایا کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر بھی فضیلت دیتے تھے۔ حالانکہ حافظ ابن حجر کی مندرجہ زیر بحث عبارت میں ان لوگوں پر بھی لفظ شیعہ کا اطلاق کیا گیا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں۔ لیکن متاخرین ان لوگوں کو شیعہ نہیں کہتے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ متاخرین کی اصطلاح میں شیعہ وہ ہے جس کا ذکر حضرت شاہ صاحبؒ نے تیسرے فرقہ یعنی سبیہ میں کیا ہے اور انہی کو رافضی کہا جاتا ہے۔

فضیلت عثمان رضی اللہ عنہ و علی رضی اللہ عنہ

④ گو جمہور اہل سنت والجماعت کا یہی عقیدہ ہے کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے اور بہ ترتیب خلافت خلفائے اربعہ کو باہم فضیلت حاصل ہے۔ لیکن اس بارے میں اکابر کا اختلاف بھی ہے۔ چنانچہ علامہ ملا علی قاری حنفی محدث فرماتے ہیں:

ولا یخفی ان تقدیم علیؓ علے الشیخین مخالف لمذھب اھل السنة والجماعة علی ما علیه جمیع السلف وانما ذھب بعض الخلف الی تفضیل علی علے عثمان و منھم ابو الطفیل من الصحابة۔ (شرح فقہ اکبر، ص ۷۷)

”اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر فضیلت دینا مذہب اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے جس پر تمام سلف کا اتفاق ہے اور بعض خلف اس طرف بھی گئے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے اور ان قائلین میں ابوالطفیل رضی اللہ عنہ بھی ہیں جو صحابی ہیں۔“

وھذا الترتیب بین عثمان وعلی وھو ما علیه اکثر اھل

السنة خلافاً لما رُوی عن بعض اهل الکوفة والبصرة من عکس القضیه ثم اعلم ان جمیع الروافض واکثر المعتزله یفضلون علیًا علی ابی بکر وروی عن ابی حنیفة تفضیل علیؓ علی عثمان والصحیح ما علیه جمهور اهل السنة وهو الظاهر من قول ابی حنیفة۔ (ایضاً، ص ۷٦)

"اور (فضیلت کی یہ ترتیب) بہ ترتیب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین بھی ہے اور اکثر اہل سنت کا یہی عقیدہ ہے۔ لیکن بعض اس کے خلاف ہیں، جیسا کہ بعض اہل کوفہ وبصرہ سے اس کے برعکس مذکور ہے، پھر یہ جان لیں کہ تمام روافض اور اکثر معتزلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینے کی بھی روایت مذکور ہے، اور صحیح یہی ہے جس پر جمہور اہل سنت ہیں اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ظاہر قول یہی ہے۔"

(ایضاً، ص ۷٦)

علامہ علی قاری محدث رحمہ اللہ کی منقولہ عبارتوں سے معلوم ہوا کہ اہل سنت کے بعض اکابر کے نزدیک بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت حاصل ہے حتیٰ کہ حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی پہلے یہی اعتقاد رکھتے تھے چنانچہ لکھتے ہیں:

وکان سفیان الثوریؒ یقول بتقدیم علیؓ علیٰ عثمان ثم رجع عنه وقال بتقدیم عثمان علیٰ علیؓ۔

(ایضاً شرح فقه اکبر، ص ۸۳)

"اور سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے تھے پھر اس قول سے رجوع کرلیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے قائل ہوگئے۔"

بہرحال اگر مولانا سندیلوی اور مولانا نور الحسن بخاری کو تہذیب التہذیب کی عبارت کی بنا پر اصرار ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی

خطا کا قائل ہو وہ شیعہ ہے تو اسی عبارت کے تحت یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو اکابر اہل سنت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتے رہے ہیں وہ شیعہ تھے اور ایک زمانہ میں حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ بھی شیعہ تھے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے کہ متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ اس کو کہتے تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے افضل مانتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑائی کرنے کی وجہ سے خطا کرنے والا قرار دے نہ کہ وہ جو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دیتا ہے یا صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا کرنے والا کہتا ہے تو مسئلہ کی نوعیت دوسری ہو جاتی ہے۔ لیکن اس صورت میں سندیلوی اور بخاری فتویٰ بے اثر ہو جاتا ہے۔

④ لغت میں شیعہ کا معنیٰ کسی گروہ (ٹولہ) یا پیروی کرنیوالوں کو کہتے ہیں۔ چنانچہ شیعان علی رضی اللہ عنہ، شیعان عثمان رضی اللہ عنہ اور شیعان معاویہ رضی اللہ عنہ کے الفاظ کتابوں میں مذکور ہیں۔ اسی بنا پر اہل سنت والجماعت پر بھی شیعہ اولیٰ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ کیونکہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حامی اور پیروکار تھے۔ اسی وجہ سے متقدمین نے اہل تشیع یا شیعہ کے الفاظ ان لوگوں کے لیے استعمال کیے جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں افراط کیا۔ لیکن حضرات شیخین کی خلافت راشدہ کا انکار نہیں کیا۔ اس قسم کے لوگوں کو تفضیلی شیعہ بھی کہتے ہیں (یہ جدا بحث ہے کہ اس قسم کے لوگ از روئے تقیہ حضرات شیخین کو مانتے تھے یا حقیقتاً) اور یہی وجہ ہے کہ تہذیب التہذیب میں ایک راوی ابان بن تغلب کو اہل تشیع کہنے کے باوجود ثقہ بھی قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حجر اس کے متعلق ابن عدی کا قول یہ لکھتے ہیں:

وھو من اھل الصدق فی الروایات وان کان مذھبه مذھب الشیعة۔ (ص ۹۳)

''یعنی وہ روایات میں اہل صدق میں سے ہے، اگرچہ اس کا مذہب، مذہب شیعہ تھا۔''

اس پر حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:

هذا قول منصف (یہ قول انصاف پر مبنی ہے) اور یہ بھی لکھا ہے کہ: قال احمد ویحیٰ وابو حاتم والنسائی ثقه (امام احمد، یحیٰ، ابو حاتم اور نسائی جیسے محدثین نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے) اس کے بعد حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وربما اعتقد بعضهم ان علیًا افضل الخلق بعد رسول اللّٰہ ﷺ واذا كان معتقد ذلك ورعادينا صادقًا مجتهداً فلا ترد روايته لاسيما ان كان غير داعية۔

"اور بسا اوقات ان میں سے بعض یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے بعد تمام مخلوق سے افضل ہیں اور جب یہ اعتقاد رکھنے والا شخص متقی، دیندار، سچا اور مجتہد ہو تو اس کی روایت رد نہیں کی جائے گی، خصوصاً جبکہ وہ اس عقیدے کی دوسروں کو دعوت نہیں دیتا۔"

فرمایئے! متقدمین کے نزدیک تو وہ شخص بھی متقی اور سچا ہو سکتا ہے (روایت میں) جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کے بعد افضل الخلق مانتا ہے۔ لیکن کیا آج کسی شیعہ کے اندر یہ اوصافِ حسنہ تسلیم کیے جا سکتے ہیں۔

⑤ اگر مولانا سندیلوی اور بخاری صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کے قائلین کو شیعہ قرار دیتے ہیں تو پھر ان کے نزدیک تمام اکابر دیوبند شیعہ ہیں۔ کیونکہ وہ اجتہادی خطا کے قائل ہیں۔ چنانچہ اس کے بعد خود ہی مولانا نور الحسن بخاری لکھتے ہیں: مخدوم العلماء استاذی و مخدومی حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند رقم طراز ہیں:

علمائے دیوبند انہیں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو) غیر معصوم کہنے کے باوجود بوجہ محفوظیت دین کے بارہ میں قابل تنقید و تبصرہ نہیں سمجھتے کہ بعد والے انہیں اپنی تنقید کا ہدف بنالیں بلکہ ان کی باہمی تنقید کو (جس کا انہیں حق تھا) نقل کرنے میں بھی رشتہ ادب کو ہاتھ سے چھوڑ دینا جائز نہیں سمجھتے چہ جائیکہ ان کے باہمی تنقید و تبصرہ کے فعل سے امت مابعد کو ان پر تنقید کرنے کا حق دار

سمجھتے بلکہ ان کی پاک باطنی اور تقویٰ قلب کے منصوص ہو جانے کے بعد دین کے معاملات میں ان کی لغزش تا بحد خطارہ جاتی ہے جس میں معصیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا اسی لیے ان کے مشاجرات اور باہمی نزاعات میں خطاء و صواب کا تقابل ہے۔ حق و باطل یا طاعت و معصیت کا نہیں اور سب جانتے ہیں کہ مجتہد خاطی کو بھی اجر ملتا ہے نہ کہ زجر۔ پس ان کے باہمی معاملات (جو نیک نیتی اور پاک نفسی پر مبنی تھے) نہ بدگمانی جائز ہے نہ بدزبانی، یہ توجیہ کا مقام ہے نہ تنقید کا۔ تلك دماء طهر الله عنها ايدينا فلا نلوث بها السنتنا (حضرت عمر بن عبدالعزیز کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باہمی خونریزی سے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا تو ہم اپنی زبانوں کو اس سے ملوث نہ کریں گے۔" (علماء دیوبند کا مسلک، ص ۳۵)

مندرجہ عبارت میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند دام مجدہم نے تصریح فرمادی ہے کہ اکابر دیوبند مشاجراتِ صحابہ میں خطاء و صواب کا تقابل مانتے ہیں نہ کہ حق اور باطل کا لیکن مولانا سندیلوی اور مولانا بخاری تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف خطاء کی نسبت کرنے کو شیعیت قرار دیتے ہیں اور اسی کی تائید میں انہوں نے تہذیب التہذیب کی زیر بحث عبارت پیش کی۔ لہٰذا ان کے اس موقف کی بنا پر تو تمام اکابر دیوبند شیعہ قرار دیئے جائیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ بخاری صاحب موصوف بھی شیعوں کی صف میں آجائیں گے کیونکہ انہوں نے اکابر دیوبند کا مسلک اپنی تائید میں ہی پیش کیا ہے۔

کیا ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی شیعہ ہیں:

(۶) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ محدث بھی جمہور اہل سنت کا مسلک یہی پیش کر رہے ہیں۔ چنانچہ مشاجراتِ صحابہ کی بحث میں فرماتے ہیں:

وذهب جمهور اهل السنة الىٰ تصويب من قاتل مع علیؓ لامتثال قوله تعالىٰ وان طائفتان من المومنين اقتتلوا ففيها الامر بقتال الفئة الباغية وقد ثبت ان من قاتل عليًا كانوا

بُغاة وھؤلاءِ مع ھذا التصویب متفقون علی انه لایذم واحد من ھؤلآء بل یقولون اجتھدوا فاخطئوا وذھب طائفة قلیلة من اھل السنة وھو قول کثیر من المعتزلة الی ان کلاًّ من الطائفتین مصیب وطائفة الی ان المصیب طائفة لا بعینھا۔(فتح الباری جلد ۱۳، ص۵۸، کتاب الفتن)

"اور جمہور اہل سنت کا یہ مسلک ہے کہ جو حضرات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں وہ ثواب پر ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل کیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں سے دو گروہ آپس میں لڑائی کریں تو تم باغیوں کے ساتھ جنگ کرو۔" پس اس آیت میں باغی گروہ کے ساتھ لڑنے کا حکم اور یہ ثابت ہے کہ جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کی ہے وہ باغی تھے اور یہ حضرات باوجود اس کے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت کو ثواب پر سمجھتے ہیں اس بات پر بھی متفق ہیں کہ ان (بغاوت کرنے والوں) میں سے کسی کی بھی مذمت نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے بوجہ اجتہاد کے خطاء کی ہے اور اہل سنت میں سے ایک قلیل گروہ اور اکثر معتزلہ کا یہ مسلک ہے کہ دونوں گروہ مصیب ہیں اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ بلا تعیین ایک گروہ مصیب ہے۔"

مندرجہ عبارت سے ثابت ہوا کہ دونوں گروہوں کو مشاجرات صحابہ میں ثواب پر سمجھنا اہل سنت کے قلیل گروہ اور اکثر معتزلہ کا مسلک ہے۔ جمہور اہل سنت کا مسلک حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ثواب پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو اجتہادی خطاء پر ماننا ہے تو اس بنا پر تو مولانا سندیلوی اور مولانا نور الحسن بخاری کے نزدیک حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ بھی شیعہ قرار پاتے ہیں جن کی تہذیب التہذیب کے حوالہ سے ان دونوں حضرات نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصیب اور فریق ثانی کو مخطی کہنے والوں کو شیعہ قرار دیا ہے۔ ع

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

سندیلوی بھی شیعہ ہیں:

⑦ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مولانا محمد عثمان صاحب الوری (توحید نگر۔ چاکیواڑہ کراچی) کے چند استفسارات کا جواب دیتے ہوئے اپنے مکتوب محررہ ۱۸/ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ میں لکھا ہے کہ:

① ...... حضرت حسین صحابی بھی ہیں

② ...... یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی کوئی گناہ نہ تھا بلکہ مجتہد کو اجتہاد غلط ہونے کی صورت میں بھی ثواب ملتا ہے اس لیے انہیں بھی ثواب ملا۔

③ ...... بیشک شہید ہوئے اپنے اجتہاد کے لحاظ سے وہ حق پر تھے۔ اگرچہ واقع کے لحاظ سے ان کی غلطی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

آں محترم کا طرز عمل بھی اپنی جگہ شرعاً بالکل جائز تھا ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ان کے اخلاص وتقویٰ میں بھی کلام کی گنجائش نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے ان کی سیاسی غلطی کہا جاسکتا ہے مگر عرض کیا جاچکا ہے کہ اس میں بھی وہ معذور تھے۔ سبائی انہیں غلط خبریں پہنچاتے تھے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۴۳۹)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرعی نہیں بلکہ سیاسی غلطی تھی۔ (ایضاً، ص ۱۹۳)

یہاں سندیلوی صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف غلطی کی نسبت کردی ہے خواہ وہ سیاسی ہی ہو۔ فرمایئے! حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے غلطی کا صدور مان لیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی غلطی کی نسبت کردی تو مولانا سندیلوی شیعہ نہ بنے۔ لیکن اگر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف کوئی شخص اجتہادی غلطی کی نسبت کردے تو وہ شیعہ بن جاتا ہے۔ ایں چہ بوالعجبیست

بہرحال حافظ ابن حجر کی عبارت سے اپنے استدلال کی بنا پر بوجہ حضرت حسین کی خطائے اجتہادی ماننے کے سندیلوی صاحب اور بوجہ اکابر دیوبند کا مسلک اجتہادی خطا

مانتے کے بخاری صاحب شیعہ ہی قرار پاتے ہیں۔ ع

وہ الزام ہم کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اب سندیلوی ❶ اور بخاری سر جوڑ کر بیٹھیں اور باہمی مشورہ کر کے اس تحقیقی دلدل سے نکلنے کی کوشش کی:

آعندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں
تُو ہائے گل پکار، پکاروں میں ہائے دل

---

❶ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ بھٹو دورِ حکومت میں جب شیعہ سنی مشترکہ کمیٹی نے سنی شیعہ مشترک نصاب دینیات کی سرکاری سکولز کے لیے منظوری دیدی تھی تو مولانا نور الحسن صاحب بخاری موصوف نے بھی اس کو منظور کرلیا تھا اور خلافت راشدہ کانفرنس ملتان منعقدہ ۲۷، ۲۸، ۲۹ اپریل ۱۹۷۳ء کے خطبہ صدارت میں اس کو اپنی کامیابی قرار دیا تھا اس پر بندہ نے شاہ صاحب موصوف کو ان کی اس شدید غلطی کی طرف اپنے مکتوب میں توجہ دلائی تھی بعد میں اس خط کو ''مکتوب مرغوب'' کے نام سے شائع کردیا گیا تھا اور مولانا سندیلوی نے اس کے متعلق مجھے اپنے مکتوب محررہ ۱۸ جون ۱۹۷۳ء میں یہ لکھا تھا کہ:

تاخیر جواب خط کی معافی...... خوب اور مناسب ہے اللہ تعالیٰ نافع فرمائیں...... یہاں کے سب اخبارات شیعوں کے زیر اثر ہیں۔ ان کی مرضی کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں شائع کرسکتے۔ علماء کی معتدبہ تعداد بھی انہی کا ہم پیالہ بنے ہوئے ہے۔ شیعوں کے خلاف لب کشائی سے اس طرح محترز رہتے ہیں جیسے کوئی متقی مسلمان گناہ کبیرہ سے احتراز کرتا ہے الخ۔ علاوہ ازیں اپنے مکتوب محررہ ۲۸ شوال ۱۳۹۳ھ میں بندہ کو یہ لکھا کہ: درحقیقت جب حمیت دینی مردہ ہوچکی ہو تو کوئی چیز آنکھیں کھولنے کے لیے کافی نہیں ہوتی۔ فالی اللہ المشتکیٰ محترما۔ سبائی جال اتنا وسیع ہے کہ پاکستان کی کوئی سیاسی جماعت ایسی نہیں ہے۔ الخ۔

کاش کہ جس طرح مولانا سندیلوی سبائی تحریک کی ایک شاخ کے خلاف ہیں اسی طرح دوسری شاخ (خارجیت وعباسیت) سے بھی متنفر ہوجاتے اور اکابر مجتہدین اہل سنت کی اتباع میں مذہب اہل سنت والجماعت کی خدمت کرتے۔ واللہ الہادی۔

کیا تمام متاخرین اہل سنت شیعہ ہیں؟

مولانا سندیلوی اجتہادی خطاء کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔ ''سب سے آخر میں اس مسلک کا تذکرہ مناسب ہے جو متاخرین نے عموماً اختیار کیا ہے یعنی یہ کہ اختلافات اجتہادی تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب تھے جبکہ ان سے اختلاف کرنے والے خواہ اصحاب جمل ہوں یا اصحاب صفین مجتہد مخطی تھے۔ یہ مسلک اس قدر مشہور ہوا کہ مذکورہ بالا مسالک اکابر سلف اس کے پیچھے چھپ گئے۔ لیکن شہرت وصحت لازم وملزوم نہیں۔ جنگ جمل وصفین پر جو بحث صفحات سابق میں کی گئی ہے اسے دیکھ کر ہر قاری سہولت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ یہ مسلک باوجود شہرت ومقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط، بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۱)

چونکہ مولانا سندیلوی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تہذیب التہذیب کے تحت یہ فرما چکے ہیں کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی کا قائل ہو وہ شیعہ ہے اور متاخرین کے متعلق سندیلوی صاحب خود تسلیم کر رہے ہیں کہ وہ فریق ثانی کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں اس سے یہ نتیجہ لازم آتا ہے کہ متاخرین فقہاء ومحدثین، مجددین ومصلحین امت سب شیعہ تھے۔ العیاذ باللہ پھر کس قدر بے باکی سے فرما رہے ہیں کہ متاخرین کا مسلک بالکل غلط، بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے۔ اگر یہ الفاظ محمود احمد عباسی کے قلم سے نکلتے تو اور بات تھی لیکن سندیلوی صاحب کے قلم کا یہ شاہکار ہے جو ندوۃ العلماء لکھنو کے سابق شیخ الحدیث کہلاتے ہیں اور جن کو ان کے اندھے مقلدین مفکر اسلام اور امام اہل سنت قرار دیتے ہیں۔ اگر کوئی ناواقف سندیلوی صاحب کی یہ لاف زنی تسلیم کرلے تو کیا اس کے بعد اس مسلک اور دین پر اعتماد رہ سکتا ہے۔ جو صدیوں سے انہی حضرات محققین اہل سنت سے ہمیں ملا ہے۔ مرزائی، شیعہ، خارجی، پرویزی، مودودی، نیچری لوگ بھی یہی کہتے ہیں کہ علماء نے دین کو نہیں سمجھا۔ قرآن وحدیث کے حقائق سے ناواقف رہے۔ یہ لوگ لکیر کے فقیر تھے اور کمیونسٹ بھی اپنے مشن کے تحت یہی کہتے ہیں

کہ علماء عموماً بادشاہوں کے درباری اور سرمایہ داروں کے ایجنٹ رہے ہیں سندیلوی صاحب کے نزدیک مشاجرات صحابہ کے بارے میں (جو ایک خالص شرعی مسئلہ ہے) حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اور تمام حضرات اکابر دیوبند، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، فقیہ العصر حضرت گنگوہی، حکیم الامت حضرت تھانوی، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مدنی، شیخ الاسلام علامہ سید محمد انور شاہ صاحب محدث کشمیری شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی اور امام اہل سنت حضرت مولانا ❶ عبدالشکور صاحب لکھنوی وغیرہ اکابر علمائے دیوبند اور ان حضرات سے پہلے شارح صحیح مسلم امام نووی رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن حجر عسقلانی شارح بخاری، حافظ ابن حجر مکی، حافظ ابن کثیر، ملا علی قاری حنفی محدث اور ان سے پہلے کے اکابر محققین سب علم وفہم سے محروم تھے اور وہ قرآن وحدیث سے مسئلہ خلافت کی تحقیق نہ کر سکے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بند قبا دیکھ

مسئلہ خطائے اجتہادی کی بحث

مولانا سندیلوی باب چہارم کے تحت بعنوان:۔ مذکورہ مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں مسلک اہل سنت لکھتے ہیں:۔ جماعت صحابہ کی اتباع ہم اہل السنۃ والجماعت کی خصوصیت امتیازی ہے۔ اس لئے سب سے پہلے حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے مسلک کی

---

❶ ''جواب شافی'' ص ۱۴ پر جو سندیلوی صاحب نے حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''براءۃ عثمان'' کا ذکر کیا ہے اس میں انہوں نے چونکہ مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی عبارت پیش نہیں کی اس لئے جواب کی حاجت نہیں (ب) کیا مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حضرت مولانا تھانوی اور دیگر اکابر دیوبند کے مسلک کے خلاف تھے؟ (ج) مولانا عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اولی الطائفتین بالحق قرار دیا ہے (اعلاء السنن جلد ۱۲ ملاحظہ ہو عرض حال ص ۱۹)

جانب دیکھنا چاہیے۔ جمل وصفین وغیرہ مشاجرات پیش آنے کے وقت صحابہ کرام تین جماعتوں میں منقسم ہو گئے تھے۔ ایک جماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ساتھی تھی جو انہیں حق پر سمجھتی تھی اور ان کے مخالفین کو غلطی پر۔ دوسری جماعت اصحاب جمل رضی اللہ عنہم اور ان کے مؤیدین کی تھی جو انہیں حق پر سمجھتی تھی اور حضرت علی کو غلطی پر۔ تیسری جماعت غیر جانبدار تھی اور صحابہ کرام کی اکثریت اسی جماعت میں تھی۔

پہلا مسلک

اوّل الذکر دونوں جماعتیں فریق کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میں ہر فریق کی رائے دوسرے فریق کی رائے سے متصادم ہے۔ اس لئے کسی کو ترجیح نہ دی جائے گی اور دونوں سے قطع نظر کر کے غیر جانبدار حضرات کی رائے پر نظر کی جائے گی اور اسی کی پیروی کرنا صحیح راستہ ہے۔ ان حضرات کا مسلک بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حزم رحمہ اللہ اپنی مشہور کتاب الفصل فی الملل والاھوآء والنحل ج ۴ میں ص ۱۵۳ پر زیر عنوان الکلام فی حرب علی رضی اللہ عنہ ومن حاربہ من الصحابة تحریر فرماتے ہیں:۔ **وذهب سعد بن ابی وقاص و عبدالله بن عمر وجمهور الصحابة الی الوقوف فی علی واهل الصفین وبه یقول جمهور اهل السنة وابوبكر بن كيسان** (حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کا مسلک۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور اہل جمل واہل صفین کے بارے میں توقف تھا۔ جمہور اہل السنّت اور ابوبکر بن کیسان کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس نقل کے علاوہ غیر جانبدار صحابہ کی غیر جانبداری خود اس بات کی برہان جلی ہے کہ ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہی تھا۔ فریقین میں کسی کو وہ غلطی پر نہیں سمجھتے تھے عام طور پر یہ حضرات اسے قتال فتنہ کے نام سے موسوم کرتے تھے جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ فریقین کے بارے میں صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا یاد رکھنا چاہیے کہ ان لڑائیوں میں صحابہ کرام کی اکثریت غیر جانبدار رہی اور ان حضرات کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ الفصل کی مندرجہ بالا عبارت بتا رہی ہے کہ صحابہ

کرام کے بعد جمہور اہل سنت نے بھی یہی مسلک اختیار کیا۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۰، ۴۴۱)

الجواب:

(۱) یہ تو صحیح ہے کہ جنگ جمل و صفین میں صحابہ کرام تین جماعتوں میں منقسم ہو گئے تھے لیکن مولانا نے پہلا مسلک رکھنے والوں کی جو وجہ بیان کی ہے وہ صحیح نہیں کیونکہ مسلمانوں کے درمتحارب گروہوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تو یہ حکم دیا ہے کہ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِ فَاِنْ فَآءَتْ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَاَقْسِطُوْا اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ (سورۃ الحجرات ع ۱)

ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ”اور اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان اصلاح کر دو۔ پھر اگر ان کا ایک گروہ دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خدا کے حکم کی طرف رجوع ہو جائے۔ پھر اگر رجوع ہو جائے تو ان دونوں کے درمیان عدل کے ساتھ اصلاح کر دو اور انصاف کا خیال رکھو بے شک اللہ انصاف والوں کو پسند کرتا ہے۔

آیت میں غیر جانبدار رہنے کا حکم نہیں ہے بلکہ حکم یہ ہے کہ فریقین کے درمیان صلح کرا دو۔ اگر صلح نہ کریں تو ان میں سے جو فریق بغاوت کرتا ہے اس سے قتال کرو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اب مولانا سندیلوی سے ہمارا سوال یہ ہے کہ آپ ثابت کریں کہ حضرت عبداللہ بن عمر وغیرہ حضرات نے پہلے صلح کی کوشش فرمائی اور جب مصالحت نہ ہو سکی تو انہوں نے باغی گروہ کے ساتھ قتال کیا تھا۔ یہاں میرا سوال آپ کے اس بیان کردہ توجیہ کی بنا پر ہے کہ فریقین کی رائے ایک دوسرے سے متصادم تھی اس لئے غیر جانبدار صحابہ کے موقف کی پیروی کرنا صحیح راستہ ہے۔

(۲) مولانا کا یہ کہنا کہ:۔ غیر جانبدار صحابہ کا مسلک اس بارہ میں توقف ہی تھا۔ وہ

فریقین کے بارے میں صواب وخطا کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ توقف کا یہ مطلب بھی صحیح ہے۔ لیکن اس کے باوجود مولانا موصوف اس کو قتال فتنہ بھی قرار دے رہے ہیں اور قتال فتنہ کا حکم یہ ہے کہ باوجود خطاء وصواب سمجھنے کے کسی کا ساتھ نہ دیا جائے چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک بیان کرتے ہیں کہ:۔ وَکَانَ رَأیُ ابن عمر رضی اللہ عنہ ترک القتال فی الفتنة ولو ظهر انّ احدی الطائفتین مُحِقةٌ وَالاُخری مُبْطلة (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰ مطبوعة بیروت) ''یعنی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی رائے فتنہ کے زمانے کے متعلق یہ تھی کہ جنگ نہ کریں اگرچہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ دونوں گروہوں میں سے ایک حق پر ہے اور دوسرا باطل پر''۔

(۳) سندیلوی صاحب کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں ہے کہ: فریقین میں کسی کو وہ غلطی پر نہیں سمجھتے تھے کیونکہ اس میں ایک پہلو متعین ہو گیا کہ فریقین میں سے کسی نے غلطی نہیں کی۔ حالانکہ توقف میں اشتباہ حال کی وجہ سے خطا وصواب دونوں کا احتمال ہوتا ہے اور مولانا خود بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ:۔ فریقین کے بارے میں خطا وصواب کا کوئی فیصلہ نہ کر سکے۔

(۴) علامہ ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ کی جو عبارت مولانا موصوف نے نقل کی ہے اس کے بعد متصلاً ہی یہ عبارت ہے جس کو انہوں نے ترک کر دیا ہے کہ: وذهب جماعة من الصحابة وخیار التابعین وطوائف ممن بعدهم الی تصویب محاربی علیّ من اصحاب الجمل واصحاب صفین وهم الحاضرون لقتاله فی الیومین المذکورین و قد اشار الی هذا ایضاً ابوبکر بن کیسان (ص ۱۵۳) ''اور صحابہ کرام کی ایک جماعت اور تابعین کے بہتر ہزرات اور ان کے بعد کے بعض گروہ اس طرف گئے ہیں کہ اصحابِ جمل اور اصحاب صفین میں سے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے ہیں اور وہ جمل وصفین دونوں میں ان کے ساتھ لڑائی کرنے میں موجود تھے وہ صواب پر ہیں (یعنی ان کا اجتہاد صحیح ہے) اور ابوبکر بن کیسان نے بھی اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس کے بعد توقف کرنے والوں کے متعلق لکھتے ہیں:۔

واما من وقف فلا حجة له اكثر من انه لم يتبيّن له الحق ومن لم يبين له الحق فلا سبيل الى مناظرته باكثر من ان بنيّن له وجه الحق حتى يراه وذكروا ايضاً احاديث في ترك القتال في الاختلاف سنذكر لكم جملتها ان شآء الله تعالىٰ فلم يبق الا الطائفة المصوبة لعليّ في جميع حروبه والطائفة المصوبة لمن حاربه من اهل الجمل واهل صفين

"اور جس نے اس میں توقف کیا ہے تو اس سے زیادہ اس کے لئے حجت نہیں ہے کہ اس پر حق واضح نہیں ہوا۔ تو اس کے ساتھ مناظرہ کی اس سے زیادہ کوئی صورت نہیں ہے کہ ہم اس کے سامنے حق کی وجہ واضح کر دیں۔ اور انہوں نے ان احادیث کا بھی ذکر کیا ہے جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف کے زمانہ میں قتال نہ کیا جائے اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان سب کو بیان کریں گے"۔

تو اب دو ہی گروہ باقی رہ جاتے ہیں (۱) تمام لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صواب پر ماننے والے (۲) اصحاب جمل اور اصحابِ صفین کو ان لڑائیوں میں صواب پر ماننے والے۔

اس کے بعد علامہ ابن حزم نے فریق ثانی کے مفصل دلائل بیان کر کے ان کا جواب دیا ہے پھر جو لوگ توقف کرنے والوں کو صواب پر سمجھتے ہیں ان کا بھی جواب دیا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔ ولم يقاتله علي رضي الله عنه لا متناعه من بيعة لانه كان يسعه في ذلك ما وسعه في ذلك ما وسع لابن عمر رضی اللہ عنہ مصيبٌ في هذا ولم ينكر معاوية قط فضل علي رضی اللہ عنہ واستحقاقه الخلافة لكن اجتهاده اداه الى ان رأى تقديم اخذ القود من قتلة عثمان رضي الله عنه على البيعة ورأى تقديم اخذ القود من قتلة عثمان رضي الله عنه البيعة ورأى نفسه احق بطلب دم عثمان . فلم يطلب معاوية رضی اللہ عنہ من ذلك الاماله

من الحق ان يطلبه واصاب في ذلك الاثر الذي ذكرنا وانما اخطاء في تقديمه ذلك على البيعة فقط فله اجر الاجتهاد ولا اثم عليه فيما حرم من الاصابة كسائر المخطئين في اجتهادهم (ايضاً ص ١٦٠) ''اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس بنا پر لڑائی نہیں کی کہ انہوں نے آپ کی بیعت نہیں کی کیونکہ اس میں ان کے لئے وہی گنجائش تھی جو حضرت عبداللہ بن عمرو غیرہ کے لئے تھی۔ مگر آپ نے ان سے اس وجہ سے لڑائی کی کہ انہوں نے ملک شام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے احکام نافذ نہیں کیے تھے۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے جن کی اطاعت واجب تھی پس اس میں حضرت علی مصیب ہیں اور حضرت معاویہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور ان کے خلافت کے لئے مستحق ہونے کا انکار نہیں کیا۔ لیکن انہوں نے اپنے اجتہاد کی وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قصاص لینے کو بیعت پر مقدم سمجھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص کے طلب کرنے میں اپنے آپ کو زیادہ حقدار سمجھا۔ اور اس میں حضرت معاویہ نے وہی کچھ طلب کیا جو ان کا حق تھا اور جس اثر کا ہم نے ذکر کیا ہے اس بارے میں ان کی رائے صحیح تھی۔ لیکن انہوں نے بیعت پر قصاص کو مقدم سمجھنے میں خطا کی۔ پس ان کو اپنے اس اجتہاد پر بھی ثواب ملے گا اور جس طرح دوسرے مجتہدین پر خطا کرنے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح آپ پر بھی اس خطا کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں ہے۔ اس کے بعد مزید بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:۔

فبهذا قطعنا على صواب على رضى الله عنه وصحة امامت وانه صاحب الحق وان له اجرين اجر الاجتهاد واجر الاصابة وقطعنا ان معاوية رضى الله عنه ومن معه مخطؤن مجتهدون ماجورون اجراً واحدًا. (ص ١٦١)

''پس اس بنا پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں صحیح ہیں اور آپ کی امامت وخلافت بھی صحیح ہے اور آپ اس میں حق پر ہیں اور آپ کے لئے اس میں دو اجر ہیں ایک اجتہاد کا اور دوسرا صواب کا (یعنی اجتہاد کے

صحیح ہونے کا) اور ہماری قطعی رائے ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی اجتہاد میں خطا کرنے والے ہیں اور ان کو اس میں ایک اجر ملے گا"۔

علاوہ ازیں علامہ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وما خالفهم قط عليٌ في ذلك ولا في البراءة منهم ولكنهم كانوا عدداً ضخما حتى لاطاقة له عليهم فقط سقط عن على رضى الله عنه مالا يستطيع عليه كما سقط عنه وعن كل مسلم ما عجز عنه من قيام بالصلوٰة والصوم ولحج ولا فرق قال الله تعالىٰ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا . وقال رسول الله عليه وسلم اذا امرتكم بشيء فاتوا منه ما استطعتم ولو ان معاوية رضى الله عنه بايع عليا لقوى به على اخذ الحق مِن قتلة عثمان فصَحّ ان الاختلاف هو الذى اَضعف يد على رضى الله عنه عن انفاذ الحق عليهم ولو لا ذلك لا نفذ الحق عليهم. (ص ۱۶۲)

"اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص لینے میں انکی مخالفت نہیں کی۔ اور نہ ان سے براءۃ کرنے میں۔ لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ تھی ان پر آپ کو (اس کے لئے) طاقت حاصل نہ تھی اس لئے آپ سے وہ فریضہ ساقط ہو گیا جس کی آپ استطاعت نہ رکھتے تھے جس طرح آپ سے اور ہر مسلمان سے نماز، روزہ اور حج ساقط ہو جاتا ہے جب کہ اس کے ادا کرنے سے عاجز ہوں۔ اور ان میں کوئی فرق نہیں ہے"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کسی نفس کو اللہ اس کی استطاعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب میں تم کو کسی کام کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس کو بجالاؤ۔ اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیتے تو اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص لینے کے لئے قوت حاصل ہو جاتی۔ پس صحیح یہی ہے کہ اس اختلاف نے

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کمزور کر دیا اور آپ قاتلین پر قصاص کا حکم نافذ نہ کر سکے۔

مولانا سندیلوی نے کتاب کا ایک ٹکڑا تو اپنی تائید کے لئے پیش کر دیا۔ لیکن علامہ ابن حزم کی وہ عبارت پیش نہ کی جو ان کے موقف کے خلاف ہے اور جس میں انہوں نے دلائل سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس اجتہاد میں مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی قرار دیا ہے۔

(ب) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ علامہ ابن حزم کے نزدیک حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وغیرہ اصحابؓ اور جمہور اہل سنت کے نزدیک توقف کا مطلب یہ ہے کہ کسی فریق کو باطل پر نہ سمجھا جائے۔ کیونکہ ابن حجر عسقلانی۔ امام نووی وغیرہ محققین نے تصریح کی ہے کہ جمہور کا مسلک حضرت علی کو مصیب اور حضرت معاویہ کو مخطی قرار دینے کا ہے۔

تفسیر قرطبی کا حوالہ

مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:۔ تفسیر قرطبی جلد ۱۶ سورۃ الحجرات میں قاضی علامہ ابوبکر ابن العربی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

قال المحاسبی امّا بالدمآءِ فقد استشکل علینا القول فیھا باختلافھم وسئل الحسن البصری عن قتالھم فقال شھدہٗ اصحاب محمد صلی اللّٰہ علیہ وسلم وغبنا وعلموا وجھلناً واجتمعوا فاتّبعنا واختلفوا فوقفنا قال المحاسبی فنحن نقول کما قال الحسن ونعلم ان القوم کانوا علم بما دخلوا فیہ منا ۔ونتبع ما اجتمعوا علیہ ونقف عند ما اختلفوا فیہ ولا نبتدع رأیا منّا ونعلم انھم اجتھدوا وارادوا اللّٰہ عزوجلّ اذ کانوا غیر متھمین فی الدین ونسأل اللّٰہ التوفیق ۔

"ترجمہ: محاسبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی آپس میں جو خونریزی ہوئی ہوئی اس کے بارے میں کوئی بات کہنا مشکل ہے اور حضرت حسن بصری سے ان (حضرات صحابہ) کے باہمی قتال کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے

کہا کہ اصحاب محمد ﷺ ان لڑائیوں میں موجود تھے اور ہم موجود نہ تھے۔ انہیں علم تھا اور ہم ناواقف ہیں وہ متفق تھے تو ہم نے ان کی پیروی کی اور جب انہوں نے باہم اختلاف کیا تو ہم نے توقف کیا۔ محاسبی فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو حسن بصری فرماتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ یہ قوم (صحابہ) جس معاملے میں پڑتے تھے وہ ہم سے زیادہ اسے جانتے بوجھتے تھے۔ تو ہم اس کام میں ان کی پیروی کرتے ہیں جس پر ان کا اجماع ہوا اور جہاں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے وہاں توقف کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں کوئی رائے قائم نہیں کرتے اور ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لئے اجتہاد کیا کیونکہ وہ دین کے بارے میں متہم نہیں تھے اور ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر کی دعاء کرتے ہیں"۔

توقف کا مطلب ان کے نزدیک کیا ہے؟ اس کا جواب ان کے مندرجہ ذیل قول سے سمجھ میں آ جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم (الف) فریقین (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان سے اختلاف کرنے والے حضرات صحابہ مثلاً حضرت طلحہ وحضرت معاویہ) کو نیک نیت اور مخلص مجتہد سمجھتے ہیں۔ یہ بات تو قطعی اور یقینی ہے۔

(ب) لیکن اس اجتہاد میں فریقین میں سے کسی سے غلطی ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کس سے؟ اس کے بارے میں ہم کوئی رائے قائم نہیں کرتے اس کا مطلب یہ ہے کہ اجتہادی غلطی کا احتمال دونوں جانب ہے۔ مگر متعین طریقہ سے کسی فریق کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا۔ علی ہذا فریقین میں سے ہر فریق کے بارے میں یہ احتمال نکلتا ہے کہ اس کا اجتہاد صحیح اور صواب ہو مگر متعین اسے بھی نہیں کر سکتے۔ توقف کا دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کے متعلق ظن غالب یہ ہے کہ وہ حق پر تھا مگر کسی کے بارے میں ہم تعین کے ساتھ کہہ نہیں سکتے کہ اس کا اجتہاد یقیناً صحیح تھا اور اس کے مقابل فریق کا اجتہاد یقیناً غلط تھا۔ بظاہر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وحضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر جانبدار صحابہ اور جمہور سلف کے مندرجہ بالا قول کا یہی

مطلب ہے کیونکہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ فریقین میں سے ہر ایک کا اقدام علم پر مبنی تھا اور جو بات علم پر مبنی ہو اس کے متعلق ظن غالب یہ ہے کہ وہ صحیح اور صائب ہو گی۔ توقف کی مذکورہ دونوں تشریحوں میں سے جو تشریح بھی پسند کی جائے بہر کیف ماحصل یہی ہے کہ مشاجرات مذکورہ میں کسی فریق کو متعین طریقہ سے اجتہادی غلطی کا مرتکب بھی نہ کہا جائے۔ بلکہ ہر فریق کے متعلق اس کے اخلاص اور حسن نیت پر پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ یہ حسن ظن رکھا جائے کہ بظن غالب اس کا اجتہاد صحیح تھا اگرچہ غلطی کا بھی احتمال ہے اور اس بارے میں فریقین کے درمیان کوئی فرق نہ رکھا جائے۔

(ایضاً، اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۱ تا ص ۴۴۴)

مولانا سندیلوی کی علمی خیانت

مولانا سندیلوی نے بظاہر اپنے مطلب کی عبارت تفسیر قرطبی سے قاضی ابوبکر بن العربی ﷫ کے حوالہ سے پیش کر دی ہے لیکن اس میں علمی خیانت یہ کی ہے کہ ماسبق یعنی اس سے پہلی عبارت نہیں لکھی جو ان کے موقف کو رد کرنے والی تھی۔ چنانچہ مسئلہ رابعہ کے تحت امام قرطبی ﷫ لکھتے ہیں:۔

قال القاضی ابوبکر بن العربی ھذہ الأیة اصل فی قتال المسلمین والعمدة فی حرب المتأولین و علیھا عوّل الصحابة والیھا لجاء الأعیان من اھل الملّة وإیّاھا عنَی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم بقوله: تقتل عمّاراً ؓ الفئة الباغیة وقوله علیہ الاسلام فی الخوارج: یخرجون علی خیر فرقة او علی حین فرقةٍ والروایة اُولٰی اَصَحُ لقوله علیہ الاسلام: تقتل اولی الطائفتین الی الحق . وکان الذی قتلھم علیؓ بن ابی طالب ومن کان معه . فتقرّر عند علمآء المسلمین وثبت بدلیل الدین ان علیًا رضی اللّٰہ عنه کان اماماً وان کل من خرج علیه باغٍ وان قتاله واجب حتی یفیئی الی الحق

وينقاد الى الصلح (تفسیر قرطبی ج ۱۶ ص ۳۱۸ مطبوعہ قاہرہ)

ترجمہ: قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ یہ آیت (یعنی سورۃ الحجرات والی) مسلمانوں کے باہمی قتال کے بارے میں ایک اصل (بنیاد) ہے اور تاویل کرنے والوں کے ساتھ جنگ کرنے میں عمدہ (سہارا) ہے۔ اور صحابہ کرام نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اور اکابر ملت نے اسی کی طرف رجوع کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس ارشاد سے یہی آیت مراد لی ہے کہ:۔ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا اور حضور کا یہ ارشاد خوارج کے بارے میں ہے کہ:۔ وہ ایک بہتر گروہ کے خلاف خروج کریں گے یا یہ فرمایا کہ:۔ تفرقہ کے وقت اور پہلی روایت اصح ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں گروہوں میں سے زیادہ حق والا ان سے لڑائی کرے گا۔ اور ان (خوارج) کے ساتھ جنہوں نے قتال کیا وہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور آپ کے ساتھی تھے۔ پس یہ امر علمائے مسلمین کے ہاں مقرر ہو چکا ہے اور دینی دلیل سے ثابت ہو چکا ہے کہ (اس وقت) حضرت علی رضی اللہ عنہ امام تھے اور جس نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے وہ باغی ہے اور اس کے ساتھ لڑائی کرنا واجب ہے یہاں تک کہ وہ حق کی طرف رجوع کرے اور صلح کے تابع ہو جائے۔

(۲) اس کے بعد قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں:

فلما بويعَ له طلب اهل الشام فى شرط البيعة التمكّن من قتلة عثمانؓ و اخذ القود منهم فقال لهم على رضى الله عنه ادخلوا فى البيعة واطلبوا الحق تصلُوا اليه . فقالوا لا تستحقّ بيعة وقتلة عثمان معك تراهم صباحاً ومساءً . فكان علىؓ فى ذلك اسدّ رأيا واصوب قيلاً لان عليًا لو تعاطى القود منهم لتعصبت لهم القبائل وصارت حرباً ثالثة فانتظر بهم ان يستوثق الامر وتنعقد البيعة ويقع الطلب من الاولياء فى مجلس الحكم فيجرى القضاء بالحق . ولا

خلاف بین الامة ان یجوز للامام تاخیر القصاص اذا اذی ذلك الی اثارة الفتنة او تشیت الكلمة وكذلك جری لطلحة والزبیر فانهما ما خلعا علیًا من ولایة ولا اعتراضا علیه فی دیانة وانما رأیا ان البداءة بقتل اصحاب عثمانؓ اولیٰ. قلت هذا قول فی سبب الحرب الواقع بینهم وقال جلة من اهل العلم. ان الوقعة بالبصرة بینهم كانت علی غیر عزیمة منهم علی الحرب بل فجاة وعلی سبیل دفع كلّ واحد من الفریقین عن انفسهم لظنه ان الفریق الأخر قد غَدَرَ بِه لان الامر كان قد انتظم بینهم وتم الصلح وانتفرق علی الرضا. وهذا صواب من الفریقین وطاعة للّٰه تعالٰی اذ وقع القتال والامتناع منهما علی هذه السبیل وهذا هو الصحیح المشهور (ایضاً تفسیر قرطبی ص ۳۱۸)

ترجمہ:- ”پس جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی گئی تو اہل شام نے بیعت کے لئے یہ شرط پیش کی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو اُن کے سپرد کیا جائے اور ان سے قصاص لیا جائے۔ پس حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ بیعت میں داخل ہو کر یہ حق طلب کرو تو تم اس کو پالو گے اس پر انہوں نے کہا آپ اس حال میں بیعت کے مستحق نہیں ہیں جبکہ آپ دیکھ رہے ہیں کہ صبح وشام حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل آپ کے ساتھ ہیں۔ پس اس امر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے بہت صحیح تھی کیونکہ اگر آپ ان سے قصاص لیتے تو قبائل عصبیت کی بنا پر ان کے ساتھ ہو جاتے اور تیسری جنگ ہو جاتی اس لئے آپ نے اس بات کا انتظار کیا کہ امر خلافت مضبوط ہو جائے اور بیعت (عام) منعقد ہو جائے تو مجلسِ عدالت میں ان کے وارثوں کی طرف سے قصاص کا مطالبہ کیا جائے پھر حق پر فیصلہ کیا جائے۔ اور امت کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کے لئے قصاص میں تاخیر کرنا

جائز ہے کیونکہ جلدی قصاص لینے میں فتنہ کے اٹھنے اور اہل اسلام کے کلمہ امر دین کے متفرق ہونے کا خطرہ ہے اور اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے لئے واقع ہوا۔ کیونکہ ان دونوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلافت سے نہیں ہٹایا۔ اور نہ دین و دیانت میں ان پر کوئی اعتراض کیا۔ ان دونوں کی رائے یہ تھی کہ قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو پہلے قتل کرنا بہتر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ان کے درمیان جنگ واقع ہونے کا سبب یہ بات ہے اور بڑے بڑے علماء نے یہ فرمایا ہے کہ ان کے مابین جو بصرہ کی جنگ ہوئی ہے وہ بلا ارادہ اچانک ہو گئی تھی جس کی صورت یہ ہوئی کہ فریقین میں سے ہر فریق نے اپنی طرف سے اس گمان پر دفاع کیا کہ فریق ثانی نے ان کے ساتھ دھوکا کیا ہے کیونکہ قبل ازیں ان کے مابین امر (صلح) کا انتظام ہو گیا تھا اور صلح مکمل ہو گئی تھی اور اس بات پر راضی ہو گئے تھے کہ بلا جنگ فریقین وہاں سے چلے جائیں گے اور یہ فریقین کی طرف سے صحیح صورت تھی اور اللہ تعالیٰ کی طاعت تھی کیونکہ جنگ اور اس کا دفاع دونوں طرف سے اس صورت پر ہی ہوا تھا اور یہی بات صحیح اور مشہور ہے۔"

(۳) امام قرطبی نے قاضی ابوبکر بن عربی کی جو عبارت پیش کی ہے وہ ان کی کتاب "احکام القرآن" جلد ۴ سے ماخوذ ہے۔ اس میں حضرت طلحہ اور حضرت زبیر کے متعلق جو یہ عبارت ہے کہ:۔ وانما رأیا ان البداءۃ بقتل اصحاب عثمان اولیٰ

اس کے بعد یہ عبارت ہے:

فبقی هو علی رأیه لم یُزعزعه عما رأی وهو کان الصواب کلامهما (احکام القرآن ج ۴ ص ۱۷۱۸)

"پس حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی رائے پر قائم رہے اور ان کی یہ رائے صحیح تھی اور ان دونوں حضرات کی بات حضرت علی کو ان کی رائے سے نہ ہلا سکی۔"

(۴) قاضی ابوبکر عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

اما وجود الحرب بینهم فمعلوم قطعاً واما کونه بهذا

السبب فمعلوم کذلک قطعاً واما الصواب فیه فقع علیؓ لان الطالب بالدم لا یصح ان یحکم وتهمة الطالب للقاضی لا توجب علیه ان یخرج علیه بل یطلب (الحق) عنده فان ظهر له قضاء والاسکت و صبر فکم من حق یحکم اللّٰہ فیه وان لم یکن له دین فحینئذٍ یخرج علیه فیقوم له عُذرٌ فی الدنیا ولئن اتّهم علیؓ بقتل عثمانؓ فلیس فی المدینة احد من اصحاب النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم الا وهو مُتّهم به اوقل معلوم قطعاً انه قتله لان الف رجل جاء والقتل عثمانؓ لا یغلبون اربعین الفا.

(العواصم من القواصم ص۱۶۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی شاہ عالم مارکیٹ لاہور)

''اور یہ جوان میں جنگ ہوئی تھی وہ تو قطعی معلوم ہے اور اس کا اس سبب سے ہونا بھی قطعی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا کیونکہ خون کا مطالبہ کرنے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرلے اور اگر مدعی کو قاضی پر شک ہو تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس کے خلاف بغاوت کرے بلکہ حق کا اس سے مطالبہ کرے اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو فبہا ورنہ خاموش رہے اور صبر کرے۔ کتنے ہی ایسے حق ہیں جن کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے اور اگر قاضی بے دین ہو تو پھر اس کے خلاف بغاوت ہو سکتی ہے) پھر اس کے لئے دنیا اور آخرت میں ایک عذر ہو گا اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا الزام حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لگایا جائے تو پھر مدینہ منورہ کے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کوئی بھی اس الزام سے نہیں بچ سکتا اور یا پھر یقین سے کہو کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کے لئے ایک ہزار آدمی تھا۔ یہ ایک ہزار آدمی چالیس ہزار صحابہ پر غالب نہ آ سکتا تھا'' (العواصم من القواصم اردو ص۲۷۳ مطبوعہ ادارہ احیاء السنہ گرجاکھ۔ گوجرانوالہ)

یہاں قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے مخالفین کے الزامات کا جواب دے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ المرتضیٰ کے متعلق جنگ صفین کے سلسلہ میں تصریح کر دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق وصواب پر تھے۔ تفسیر قرطبی میں منقولہ قاضی ابوبکر بن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ اس سے قارئین اندازہ فرمائیں کہ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی نے تفسیر قرطبی سے قاضی ابن العربی کی ایک عبارت پیش کر کے کس قدر تلبیس سے کام لیا ہے اور یہ بھی ملحوظ رہے کہ قاضی ابوبکر بن عربی متقدمین میں سے ہیں اور انہوں نے امام غزالی سے استفادہ کیا ہے چنانچہ یزید کی بحث میں سندیلوی صاحب نے خود یہ لکھا ہے کہ:

"امام غزالی کے شاگرد اور قاضی عیاض مالکی وعلامہ سہیلی کے استاد قاضی ابوبکر بن العربی مالکی نے اپنی کتاب العواصم من القواصم میں امیر یزید کے فسق وفجور کی تردید کر کے ان کی عدالت ثابت کی ہے (جواب شافی ص ۱۸)

(ب) قاضی ابوبکر بن العربی نے جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر تسلیم کر کے سندیلوی صاحب کے اس نظریہ کی تردید کر دی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطائے اجتہادی کا قول صرف متاخرین کا ہے۔

(ج) امام عبدالقاہر بغدادی متوفی ۴۲۹ھ عقائد اہل السنت والجماعت کے بیان میں لکھتے ہیں:۔ وقالوا بامامة علیؓ فی وقته وقالوا بتصویب علیؓ فی حروبه بالبصرة وبالصفین وبنهروان (الفرق بین الفرق ص ۳۴۲ طبع بیروت)

"اور اہل السنت والجماعت کا قول یہ ہے کہ جمل، صفین اور نہروان کی جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر تھے۔ امام عبدالقاہر بغدادی بھی متقدمین میں سے ہیں اور قاضی ابوبکر بن العربی بلکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۰۵ھ سے بھی متقدم ہیں۔ لہٰذا مولانا سندیلوی کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہوگیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خطا پر سمجھنا متاخرین کا عقیدہ ہے نہ کہ متقدمین کا۔ بلکہ اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ متاخرین ومتقدمین میں جمہور اہل سنت کا یہی مسلک ہے۔

قرطبی کی عبارت:

(۵) خطائے اجتہادی کی بحث کے سلسلہ میں سندیلوی صاحب نے تفسیر قرطبی سے قاضی ابوبکر بن العربی کی جو عبارت پیش کی ہے وہ بھی ان کے لئے مفید نہیں کیونکہ اس میں تو یہ لکھا ہے کہ:۔

لا یجوز ان ینسب الی احد من الصحابة خطأ مقطوع به اذ کانوا کلهم اجتهد وافیما فعلوه وارادوا اللّٰه عزّوجلّ وهم کلهم لنا ائمة وقد تعبّدنا بالکف عما شجر بینهم والاّ نذکرهم الا باحسن الذکر بحرمة الصحبة ولنهی النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن سبّهم وان اللّٰه غفرلهم واخبر بالرضا عنهم (تفسیر القرطبی ص ۲۲۱)

"کسی ایک صحابی کی طرف سے قطعی طور پر خطا کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے جبکہ ان سب نے جو کچھ کیا اپنے اجتہاد سے کیا ہے اور انہوں نے اللہ ہی کی رضا کا ارادہ کیا ہے اور وہ سب ہمارے پیشوا ہیں۔ اور ہمیں اس بات کا حکم ہے کہ ان کے مابین جو جھگڑے ہوئے ہیں ان سے اپنی زبانوں کو روکیں اور ہم ان کا ذکر بہتر طور پر کریں اس وجہ سے کہ وہ حضور ﷺ کے صحبت یافتہ ہیں اور نبی کریم ﷺ نے ان کو بُرا کہنے سے منع فرمایا ہے اور بوجہ اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی غلطیاں معاف کر دی ہیں اور ان سے اپنے راضی ہونے کی خبر دی ہے"۔

مندرجہ بالا عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کسی کے متعلق قطعی طور پر یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ غلطی پر تھے۔ کیونکہ یہ اجتہادی اختلاف ہے اور اجتہادی مسائل میں فیصلہ ظن غالب کی بناء پر ہی ہوتا ہے نہ کہ قطعیت کی بنا پر۔ تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو کچھ کیا ہے اجتہاد پر مبنی ہے اس کو خطا تو کہہ سکتے ہیں لیکن باطل نہیں کہہ سکتے۔ یعنی صحابہ کرام کی ان جنگوں میں جو اجتہاد پر مبنی ہیں خطا و صواب کا تقابل ہے نہ کہ حق اور باطل کا۔

اور مجتہد کی تاویل کو قطعی البطلان نہیں کہہ سکتے۔

ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

حافظ ابن حجر مکی ہیتمی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۹۷۴ھ/۹۷۳ھ مصنف "صواعق مُحرقہ" نے ہمایوں بادشاہ کے حکم سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کے بیان اور معترضین کے جواب میں ایک کتاب "تطہیر الجنان" لکھی تھی۔ جس کا ترجمہ امام اہل السنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بنام "تنویر الایمان" کیا ہے۔ اس میں ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے (کہ:۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خروج کیا اور ان سے لڑے باوجودیکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ امام برحق تھے باجماع اہل حل وعقد اور افضل واعدل واعلم تھے) فرماتے ہیں:۔ اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ ہاں اگر وہ یہ کام بغیر کسی تاویل محتمل کے کرتے تو البتہ اعتراض ہوسکتا تھا اور یہ کئی مرتبہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک تاویل محتمل کی بنا پر یہ کام کیا تھا۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کلام سے یہ بات معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ وہ مجتہد تھے غایت یہ ہے کہ وہ مجتہد مخطی تھے بہرحال وہ مستحق ثواب ہیں نہ گناہگار۔ (تنویر الایمان ص ۵۳) اس کے بعد اصحاب جمل اور اصحاب صفین دونوں کو معذور قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ اور تاویل ان لوگوں کی یہ تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وارثان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قاتلان حضرت عثمان کے قتل کرنے سے روک دیا تھا یہی تاویل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھی تھی پس جیسا کہ ان جلیل القدر صحابہ نے بوجہ اس تاویل کے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنا جائز سمجھ لیا تھا اور باوجودیکہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنا جائز سمجھتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف سے عذر خواہی کی بوجہ اس کے کہ ان کی تاویل قطعی البطلان نہ تھی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہمارے بھائیوں نے ہم سے بغاوت کی۔ اس کو ابن ابی شیبہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے (ایضاً ص ۵۳) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے لئے جہاں لفظ باغی کا اطلاق کرتے ہیں اس سے مراد صورتاً

بغاوت ہوتی ہے نہ کہ حقیقتاً۔ اسی طرح لفظ باطل کا استعمال بھی کیا گیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن حجر مکی حضرت عمار بن یاسر کے متعلق حدیث تقتلك الفئة الباغية پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ انتہائی نتیجہ جو اس حدیث سے نکل سکتا ہے یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی باغی ہوں اور یہ اوپر بیان ہو چکا ہے کہ باغی ہونا ان کے لئے کچھ نقص نہیں اور باوجود اس کے بھی وہ لوگ مستحق ثواب ہیں۔ گناہگار نہیں ہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجتہد جب اجتہاد کرے اور اس سے خطا ہو جائے تو اس کو ایک ثواب ملتا ہے اور یہ بات خوب بسط سے بیان ہو چکی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور اعلیٰ درجہ کے مجتہد تھے انہوں نے اس حدیث کی تاویل بھی ایسی کی ہے جو قطعی البطلان نہیں ہے یہی کیفیت اس باغی کی ہوتی ہے جو فاسق اور گناہگار نہیں ہوتا۔ (ایضاً ص ۴۷)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ باغیوں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ تیسری صورت (خلیفہ سے بغاوت کرنے کی) یہ ہے کہ دین قائم کرنے کی غرض سے لوگ بغاوت کریں اور خلیفہ (کی حقیقت) اور اس کے احکام (کے وجوب اطاعت) میں شبہ بیان کریں۔ پس اگر (باغیوں کی) یہ تاویل قطعی البطلان ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں مرتدوں کی اور زکوۃ دینے سے صاف انکار کرنے والوں کی تاویل (ناقابل اعتبار تھی) اور تاویل کے قطعی البطلان ہونے کے یہ معنی ہیں کہ (یہ تاویل) نص قرآنی یہ سنت مشہورہ یا اجماع یا قیاس جلی کے مخالف ہو اور اگر وہ تاویل قطعی البطلان نہ ہو بلکہ مجتہد فیہ ہو تو وہ گروہ باغی تو ضرور ہوگا مگر قرن اول میں ایسے گروہ کا حکم وہی ہے جو مجتہد مخطی کا ہوتا ہے کہ اگر وہ خطا کرے تو اس کے لئے ایک اجر ہے لیکن جب کہ (خلیفہ وقت سے) بغاوت کرنے کی ممانعت کی حدیثیں جو صحیح مسلم وغیرہ میں مستفیض ہیں شائع ہو گئیں اور امت کا اجماع اس پر منعقد ہو گیا تو اب (اگر کوئی بغاوت کرے (اس) باغی کے عاصی ہونے کا حکم ہم دیتے ہیں۔

(ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۳۲ مترجم اردو از امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا سندیلوی خطائے اجتہادی کا مطلب نہیں سمجھتے

مولانا سندیلوی نے تفسیر قرطبی کی عبارت سے حضرت محاسبی کا یہ قول نقل کیا ہے کہ:۔ ونتبع ما اجتمعوا علیه ونقف عند ما اختلفوا فیه ولا نبتدع رأیا منا ونعلم انهم اجتهدوا وارادوا اللّٰه عزوجل اذ کانوا غیر متهمین فی الدین (محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو حسن بصری فرماتے ہیں اور ہم جانتے ہیں کہ قوم (صحابہ رضی اللہ عنہم) جس معاملے میں پڑے تھے وہ ہم سے زیادہ اسے جانتے بوجھتے تھے تو ہم اس کام میں ان کی پیروی کرتے ہیں جس پر ان کا اجتماع ہوا اور جہاں ان کے درمیان اختلاف واقع ہوا ہے وہاں توقف کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں کوئی رائے نہیں قائم کرتے اور ہم جانتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی کے لئے اجتہاد کیا کیونکہ وہ دین کے بارے میں متہم نہیں تھے اور ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق خیر کی دعاء کرتے ہیں (اظہار حقیقت جلد۲ ص ۲۴۲)۔ اس کے بعد سندیلوی صاحب توقف کی مراد بتاتے ہوئے دو مطلب لکھتے ہیں:۔

(۱) متعین طریقہ سے کسی فریق کے متعلق نہیں کہہ سکتے کہ اس سے خطائے اجتہادی کا صدور ہوا۔

(۲) توقف کا دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فریقین میں سے ہر ایک کے متعلق ظن غالب یہ ہے کہ وہ حق پر تھا مگر کسی کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اجتہاد یقیناً صحیح تھا اور اس کے مقابل فریق کا اجتہاد یقیناً غلط تھا بظاہر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت محاسبی کے نزدیک غیر جانبدار صحابہ اور جمہور سلف کے مندرجہ بالا قول کا یہی مطلب ہے کہ کیونکہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ فریقین میں سے ہر ایک کا اقدام علم پر مبنی تھا اور جو بات علم پر مبنی ہو اس کے متعلق کم از کم ظن غالب یہ ہے کہ وہ صحیح اور صائب ہوگی۔ توقف کی مذکورہ دونوں تشریحوں میں سے جو تشریح بھی پسند کی جائے

بہر کیف ماحصل یہی ہے کہ مشاجرات مذکورہ میں کسی فریق کو متعین طریقہ سے اجتہادی غلطی کا مرتکب بھی نہ کہا جائے بلکہ ہر فریق کے متعلق اس کے اخلاص اور حسن نیت پر پورے اعتماد و وثوق کے ساتھ یہ حسنِ ظن بھی رکھا جائے کہ بظن غالب اس کا اجتہاد صحیح تھا اگر چہ غلطی کا بھی احتمال ہے اور اس بارے میں فریقین کے درمیان کوئی فرق نہ کیا جائے (ایضاً ص ۴۴۳)

سندیلوی صاحب کی مندرجہ بالا تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسئلہ اجتہاد کو سمجھتے ہی نہیں۔ انہوں نے توقف کا جو دوسرا مطلب بیان کیا ہے۔ ہر اجتہادی اختلاف کی یہی صورت ہوتی ہے۔ جن حضرات نے مشاجرات صحابہ میں توقف کا قول کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ قطعی اور یقینی طور پر ان میں سے کسی ایک کو صائب مخطی نہیں کہتے کیونکہ ہر ایک نے تاویل پیش کی ہے جو قطعی البطلان نہیں جیسا کہ علامہ ابن حجر مکی اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارتوں سے واضح ہوتا ہے۔ اور یہی مطلب تفسیر قرطبی کی منقولہ بالا ان الفاظ کا ہے لا یجوز ان یُنسب الی احدٍ من الصحابۃ خطأ مقطوع به (کسی ایک صحابی کی طرف سے قطعی طور پر خطا کی نسبت کرنا جائز نہیں ہے) اور علامہ ابن حزم کی جو عبارت سندیلوی صاحب نے اپنی تائید میں پیش کی ہے کہ:۔

حضرت سعد بن ابی وقاص، حضرت عبداللہ بن عمر اور جمہور صحابہ کا مسلک حضرت علی و حضرات اہل جمل اور اہل صفین کے بارے میں توقف تھا۔ جمہور اہل سنت اور ابو بکر بن کیسان کا بھی یہی مسلک ہے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۱)

اس کا بھی یہی مطلب ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ قاضی ابو بکر بن عربی نے بھی حضرت حسن بصری اور حضرت محاسبی کے قول توقف کے باوجود یہ بھی لکھ دیا ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے۔

جیسا کہ ان کی منقولہ بالا عبارت سے ثابت ہے۔ اسی طرح علامہ ابن حزم بھی جمہور صحابہ کے قول توقف کے باوجود اسی کتاب فصل فی الملل والنحل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مصیب ہونا دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود وہ فریقین میں سے کسی

کے لئے خطاء وصواب کا قطعی فیصلہ نہیں کرتے اور خود سندیلوی صاحب بھی مندرجہ عبارت میں یہی لکھ رہے ہیں کہ:۔

”فریقین میں سے ہر ایک شخص کے متعلق ظن غالب یہ ہے کہ وہ حق پر تھا مگر کسی کے بارے میں ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ اس کا اجتہاد یقیناً صحیح تھا اور حضرت محاسبی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک غیر جانبدار صحابہ اور جمہور سلف کا بھی یہی مسلک تھا“۔

تو گویا توقف اور عدم توقف کا یہ اختلاف لفظی ہے نہ کہ حقیقی۔ کیونکہ جو حضرات توقف کرتے ہیں وہ قطعی اور یقینی حکم لگانے میں توقف کرتے ہیں اور جو حضرات حضرت علی المرتضٰی کو حق وصواب پر قرار دیتے ہیں وہ بھی ظن غالب کی بنا پر نہ کہ قطعیت کی وجہ سے۔

(۲) سندیلوی صاحب کا یہ فرمانا کہ:۔”جو بات علم پر مبنی ہو اس کے متعلق کم از کم ظن غالب یہ ہے کہ وہ صحیح اور صائب ہوگی“۔ کم فہمی پر مبنی ہے کیونکہ ہر مجتہد کی رائے علم پر مبنی ہوتی ہے نہ کہ جہل پر۔ اور باوجود علم پر مبنی ہونے کے خود رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:۔

عن عمروؓ بن العاص انه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اَجران واذا حكم فاجتهد ثم اخطأ فله اجرٌ .

(بخاری شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ)

”حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب کوئی حاکم اپنے حکم میں اجتہاد کرتا ہے اور وہ صواب کو پہنچتا ہے تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب حاکم اپنے اجتہاد میں خطا کرتا ہے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے“۔

فرمایئے کہ رسول اللہ ﷺ مجتہد کے لئے صدور خطا کی صورت بھی بیان فرما رہے ہیں اور پھر اس کے لئے ایک اجر بھی بیان فرما رہے ہیں۔ اگر اس کا اجتہاد علم پر مبنی نہ ہوتا تو

اس کو اجر کیونکر ملتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:۔

فالاول له اجران اجر الاجتهاد واجر الاصابة والآخر له اجر الاجتهاد فقط (فتح الباری جلد ۱۳ ص ۲۶۸)

''یعنی اوّل کے لئے دو اجر ہیں۔ ایک اجتہاد کا اور ایک اصابت کا (یعنی اجتہاد صحیح ہونے کا) اور دوسرے کے لئے صرف ایک اجر ہے اجتہاد کرنے کا''۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی مجتہد کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنا گناہ نہیں ہے اور نہ ہی اس میں اس مجتہد کی تنقیص وتوہین ہے لیکن احتیاط اس میں ہے کہ مشاجرات صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے۔ لیکن اگر کسی ضرورت کے تحت کرنا پڑے تو طرز بیان ایسا نہ ہو جس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین لازم آئے۔

بیان خطائے اجتہادی اور کف لسان میں کوئی منافات نہیں

(۱) حافظ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس بحث میں تحریر فرماتے ہیں:۔ ا۔ ہمارے ائمہ محدثین نے بیان کر دیا ہے کہ اکثر باتیں جو ان لڑائیوں کے متعلق منقول ہیں جھوٹی ہیں یا ان کی سند میں کوئی خرابی ہے جیسا کہ میں نے اپنی اس کتاب میں اکثر حدیثوں کی بابت بیان کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ صحابہ کی لڑائیوں کو اس طرح بیان کرنا جس سے کسی پر الزام عائد ہو یا عوام کو کسی کی بدگوئی کا موقع ملے نہ چاہیے۔ بعض جاہل لوگ جن کی عادت یہ ہے کہ جو کچھ دیکھ لیتے ہیں نقل کر دیتے ہیں اور ظاہری مطلب مراد لے لیتے ہیں نہ سند پر غور کرتے ہیں نہ حدیث کا صحیح مطلب بیان کرتے ہیں اس میں بڑا فساد ہوتا ہے اور عوام کو سبّ صحابہ کا موقع ملتا ہے۔ صحابہ کی شان یہ ہے کہ انہیں نے قرآن کو ہم تک پہنچایا اور اسی وجہ سے دین اسلام قائم ہے اور جو روشن سنت انہوں نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی یا دیکھی ہم تک پہنچائی اور وہ احکام جن کا علم ان کے سوا کسی کو نہیں ہوسکتا تھا ہم کو تعلیم کیے پس اللہ ان سے راضی رہے اور ان کو راضی کرے اور اسلام و مسلمین کی طرف سے انہیں جزائے خیر دے۔ (تنویر الایمان ص ۴۶)

(۲) علامہ ملا علی قاری حنفی محدث تحریر فرماتے ہیں:۔

وقد قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم اذا ذکرا صحابی فامسکوا عن الطعن فیھم فان رضا اللّٰہ تعالٰی فی مواضع من القرآن تعلق بھم فلابد ان یکون مآلھم الی التقوی ورضا المولی وجنت المأوی وایضالھم حقوق ثابتۃ فی ذمۃ الامۃ فلا ینبغی لھم ان یذکروھم الا بالثناء الجمیل والدعاء الجزیل وھذا ممالا ینافی ان یذکر احد مجملا او معیناً بان المحاربین مع علیؓ ما کانوا من المخالفین اوبان معاویۃ وحزبہ کانوا باغین علی مادلّ علیہ حدیث عمارؓ تقتلک الفئۃ الباغیۃ لان المقصود منہ بیان الحکم الممیّز بین الحق والباطل والفاصل بین المجتھد المصیب والمجتھد المخطیء مع توقیر الصحابۃ وتعظیمھم جمیعا فی القلب لضا الرب ولذا لمّا سئل بعض الاکابر عمر بن عبدالعزیز افضل ام معاویۃ قال لغبار انف فرس معاویۃؓ حین غزا فی رکاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم افضل من کذا وکذا من عمر بن عبدالعزیز ازمن القواعد المقررۃ ان العلماء والاولیاء من الامۃ لم یبلغ احدمنھم مبلغ الصحابۃ الکبرآء (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۱۰ ص ۱۳۱) مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب میرے اصحاب کا ذکر آئے تو ان پر طعن کرنے سے رک جاؤ۔ کیونکہ قرآن کے متعدد مقامات میں ان کا اللہ تعالیٰ کی رضا کا تعلق ثابت ہوتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ ان کا انجام تقویٰ رضائے خداوندی اور جنت المأوی کی طرف ہو۔ علاوہ ازیں امت کے ذمہ ان کے حقوق بھی ثابت ہیں۔ پس مسلمانوں کو بجز ثنائے جمیل اور دعائے جزیل

(کثیر) کے ان کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔ اور یہ بات اس بات کے منافی (خلاف) نہیں ہے کہ کوئی شخص اجمالی طور پر یا معیّن کر کے یہ بیان کرے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والے مخالفین میں سے نہ تھے اور یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت (لشکر) باغی تھے جن پر یہ حدیث عمار رضی اللہ عنہ دلالت کرتی ہے کہ تجھ کو باغی گردہ قتل کرے گا۔ کیونکہ اس (ارشاد نبوی) سے مقصود حق اور باطل کے مابین فرق کرنا ہے اور مجتہد مصیب (جن کا اجتہاد صحیح ہے) اور مجتہد مخطی ء (جن کے اجتہاد میں خطا ہے) کے درمیان مین فرق رکھنا ہے مگر اس کے ساتھ تمام صحابہ کرام کی توقیر و تعظیم کو بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے دل میں قائم رکھنا ہے اسی بنا پر جب بعض بزرگوں سے یہ دریافت کیا گیا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز افضل ہیں یا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ؟ تو فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جہاد میں جس گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں اس کے ناک کا غبار بھی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے افضل ہے۔ اس لئے کہ یہ بات مقررہ قواعد میں سے ہے کہ امت کے علماء اور اولیاء میں سے کوئی بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کبار کے درجہ کو نہیں پہنچتا"

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ کا ارشاد

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی قدس سرہٗ مشاجرات صحابہ میں صحابہ کرام کے تینوں گروہوں کے متعلق فرماتے ہیں:۔ "پس ہر سہ فرقہ بمقتضائے اجتہاد خود عمل نمودند و آنچہ برایشاں لازم و واجب بود بجا آوردند پس ملامت چہ گنجائش دارد و طعن چہ مناسب بود امام شافعی فرمائید و نیز منقول از عمر بن عبدالعزیز تلک دمآء طھر اللہ تعالیٰ عنا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا ازیں عبارت مفہوم می شود کہ حقیت یکے و خطاے دیگرے ہم لب نباید کشود و ہمہ را جز بہ نیکی یاد نباید کرد و ہم چنیں در حدیث نبوی آمدہ است علیہ و علی آلہ الصلوٰۃ والسلام اذا ذکر اصحابی فامسکوا یعنی چوں اصحاب من مذکور گردند و از منازعات ایشاں یاد کردہ شود شما خود را نگاہ دارید و یکے را بر دیگرے اختیار نکنید۔ لیکن جمہور

اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد برانند کہ حقیت در جانب امیر رضی اللہ عنہ بودہ ومخالف اور راہ خطارا پیمودہ لیکن ایں خطاچوں خطائے اجتہادی است از ملامت وطعن دوراست و از تشنیع وتحقیر پاک ومبرا۔ از امیر رضی اللہ عنہ منقول است کہ فرمودہ برادران مابرما باغی گشتند۔ ایشاں نہ کافراند ونہ فاسقاں زیراکہ ایشاں راتا ویلے است کہ منع کفر وفسق می کند پس اہل سنت ورفضہ ہر دو تخطیہ محاربان امیری نمایند وہر دو بحقیت جانب امیر قائل لیکن اہل سنت زیادہ از اطلاق لفظ خطا کہ ناشی از تاویل است درحق محارباں امیر تجویز نمی کنند وزبان را از طعن وتشنیع ایشاں نگاہ می دارند ومحافظت حق صحبۃ خیر البشر نمایند علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب ۳۶۔ طبع قدیم ص۵۴/۵۳)

ترجمہ: "پس تینوں فرقوں (گروہوں) نے اپنے اجتہاد کے مقتضیٰ پر عمل کیا ہے اور جو (بوجہ اجتہاد) ان پر لازم وواجب تھا اس کو پورا کیا۔ پس اس میں نہ ملامت کی گنجائش ہے اور نہ کسی پر طعن مناسب ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی یہی منقول ہے کہ یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے بچایا ہے پس ہم کو چاہیے کہ اپنی زبانوں کو بھی ان سے بچائیں۔ اس عبارت سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ایک فریق کے حق پر ہونے اور دوسرے کے خطا پر ہونے سے بھی لب کشائی نہیں کرنی چاہیے اور بجز نیکی کے کسی کو بھی یاد نہ کرنا چاہیے۔ اور اسی طرح حدیث نبوی میں آیا ہے کہ جب میرے اصحاب کا اوران کے باہمی جھگڑوں کا ذکر کیا جائے تو تم احتیاط رکھو اور ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دو لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو ان پر ظاہر ہوئی ہے اس پر ہیں کہ حضرت امیر (علی المرتضیٰ) حق پر تھے اور آپ کے مخالف غلط راہ پر چلے۔ لیکن یہ چونکہ اجتہادی خطا ہے اور اس لئے ملامت اور طعن سے دور ہے اور تشنیع وتحقیر سے پاک اور مبرا ہے۔ حضرت امیر (علی رضی اللہ عنہ) سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہمارے بھائی ہمارے خلاف باغی ہو گئے۔ لیکن یہ نہ کافر ہیں اور نہ فاسق کیونکہ ان کے پاس تاویل ہے جو کفر اور فسق سے روکتی ہے پس اہل سنت اور رافضی دونوں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑنے والوں کو خطا پر قرار دیتے ہیں اور دونوں حضرت امیر کے حق پر ہونے کے

قائل ہیں لیکن اہل سنت خطا سے زیادہ کوئی لفظ حضرت امیر سے لڑنے والوں کے بارے میں نہیں بولتے۔ کیونکہ ان کی خطا کا منشاء تاویل ہے۔ اور ان پر طعن و تشنیع کرنے سے زبان کو روکتے ہیں اور حضرت خیر البشر ﷺ کے صحابی ہونے کے حق کی حفاظت کرتے ہیں۔ (علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات)۔

(ب) نیز حضرت مجدد فرماتے ہیں:۔

ناچار ہمہ را دوست می داریم بدوستی پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات واز بغض وایذائے ایشاں گریزاں کہ آن بغض وایذاء منجر بآں سرور می شود لیکن محق را محق گوئیم ومخطی را مخطی۔ حضرت امیر برحق بودند ومخالفان ایشان برخطا زیادہ بریں فضولست۔

(مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب نمبر ۲۶۶)

(ارشاد نبوی کے تحت) ناچار تمام صحابہ کو ہم دوست رکھتے ہیں بوجہ پیغمبر خدا ﷺ کی دوستی کے اور ان کے بغض اور ایذاء سے بھاگتے ہیں کیونکہ صحابہ کرام کا بغض اور ایذا آنحضرت ﷺ تک پہنچتا ہے۔ لیکن حق والے کو حق پر کہتے ہیں اور خطا کرنے والے کو خطاء پر۔ (ان جھگڑوں میں) حضرت امیر رضی اللہ عنہ (علی) حق پر تھے اور آپ کے مخالفین خطاء پر۔ اس سے زیادہ کہنا فضول ہے۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی کے ارشادات سے معلوم ہوا کہ بطور مسئلہ کے حضرت علی المرتضیٰ کو اہل السنت والجماعت کے عقیدہ کے مطابق حق وصواب پر کہنا اور آپ سے اختلاف کرنے والوں کو یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو خطا پر سمجھنا رسول اللہ ﷺ کے مذکورہ ارشاد اور امام شافعی اور حضرت عمر بن عبد العزیز وغیرہ، بزرگوں کے فرمان کے خلاف نہیں ہے نہ ہی اس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین لازم آتی ہے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطاء (سندیلوی)

مولانا سندیلوی ایک قلمی مکتوب میں بعض استفسارات کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ حضرت حسین صحابی بھی ہیں:۔ (۲) یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی کوئی گناہ نہ تھا بلکہ

مجتہد کو اجتہاد غلط ہونے کی صورت میں ثواب ملتا ہے اس لئے انہیں بھی ثواب ملا۔
(۳) بیشک شہید ہوئے اپنے اجتہاد کے لحاظ سے وہ حق پر تھے اگرچہ واقع کے لحاظ سے ان کی غلطی تھی۔ (مکتوب مورخہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ)

اس مکتوب کا حوالہ پہلے بھی دے چکا ہوں اب محقق سندیلوی سے سوال یہ ہے کہ آپ زیر بحث مسئلہ میں یہ لکھ چکے ہیں کہ ''فریقین میں سے ہر ایک کا اقدام علم پر مبنی تھا اور جو بات علم پر مبنی ہو اس کے متعلق کم از کم ظن غالب یہ ہے کہ وہ صحیح اور صائب ہوگی''۔

بہرکیف ماحصل یہی ہے کہ مشاجرات مذکورہ میں کسی فریق کو متعین طریقہ سے اجتہادی غلطی کا مرتکب بھی نہ کیا جائے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۳) تو کیا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ مجتہد نہ تھے۔ کیا ان کا اقدام علم پر مبنی نہ تھا؟ تو پھر آپ حضرت حسین کی طرف اجتہادی غلطی کیوں منسوب کرتے ہیں حالانکہ آپ کی مخالفت یزید سے تھی جو نہ صحابی ہے نہ مجتہد۔ لیکن باوجود اس کے آپ کی کسی تحریر سے یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ یزید نے بھی اپنے دور حکومت میں کوئی غلطی کی تھی؟ ایں چہ بوالعجبی است۔

عبارت قرطبی کا مطلب از حضرت مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ

مخدوم العلماء، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر معارف القرآن بانی دارالعلوم کراچی (سابق مفتی دارالعلوم دیوبند) نے مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث میں تفسیر قرطبی کی مفصل عبارت پیش فرمائی ہے (جس کا ایک ٹکڑا پیش کر کے مولانا سندیلوی نے اصل مسئلہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے)۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ علامہ ابن فورک، امام حسن بصری اور حضرت محاسبی رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال پیش کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔ اس طویل عبارت میں علامہ قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اہل سنت کے عقیدے کی بہترین ترجمانی فرمائی ہے۔ عبارت کے شروع میں انہوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی شہادت کے متعلق جو حدیثیں نقل فرمائی ہیں ان سے اس مسئلہ پر بطور خاص روشنی پڑتی ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے

جانثار صحابہ میں سے ہیں اوران دس خوش نصیب حضرات میں آپ کا بھی نام ہے جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے نام لے کران کے جنتی ہونے کی خوش خبری دی ہے اور جنہیں عشرہ مبشرہ کہا جاتا ہے۔ان دونوں حضرت نے حضرات عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقابلہ کیا اور اسی دوران شہید ہوئے آنحضرت ﷺ نے مذکورہ احادیث میں ان دونوں حضرات کو شہید قرار دیا۔دوسری طرف حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سرگرم ساتھیوں میں سے تھے اور انہوں نے پوری قوت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالفین کا مقابلہ کیا آنحضرت ﷺ نے ان کے لئے بھی شہادت کی پیشگوئی فرمائی۔غور کیا جائے تو یہی ارشاد اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ان جنگوں میں کوئی فریق بھی کھلے باطل پر نہ تھا بلکہ ہر ایک فریق اللہ کی رضا کے لئے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق کام کر رہا تھا ورنہ ظاہر ہے کہ اگر یہ اختلاف کھلے حق و باطل کا اختلاف ہوتا تو ہر ایک فریق کے رہنماؤں کے لئے بیک وقت شہادت کی پیش گوئی نہ فرمائی جاتی۔ ان ارشادات سے واضح کر دیا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ بھی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے لڑ رہے تھے اس لئے وہ بھی شہید ہیں اور حضرت عمار رضی اللہ عنہ کا مقصد بھی رضائے الٰہی کے حصول کے سوا کچھ نہ تھا اس لئے وہ بھی لائق مدح وستائش ہیں۔دونوں کا اختلاف کسی دنیوی غرض سے نہیں بلکہ اجتہاد ورائے کی بنا پر تھا اور ان میں سے کسی بھی فریق کو مجروح و مطعون نہیں کیا جا سکتا (مقام صحابہ رضی اللہ عنہ ص ۹۶)

(۲) بعنوان:۔"ایک سوال اور جواب" کے تحت حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"خصوصا یہ سوال ان معاملات میں زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جن میں ان حضرات کا اختلاف باہمی جنگ وخونریزی تک پہنچ گیا۔اس میں ظاہر ہے کہ کوئی ایک فریق حق پر ہے اور دوسرا خطا پر۔اس خطاء وصواب کے معاملے کو طے کرنا عمل وعقیدہ کے لئے ضروری ہے مگر اس صورت میں دوسری فریق کی یکساں تعظیم واحترام کیسے قائم رکھا جا سکتا ہے؟ جس کو خطا پر قرار دیا جائے اس کی تنقیص ایک لازمی امر ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ دو مختلف اقوال میں سے ایک کو حق یا راجح اور دوسرے کو خطا یا مرجوح قرار دینے میں کسی

ایک فریق کی تنقیص لازم ہے۔ اسلاف امت نے ان دونوں کاموں کو اس طرح جمع کیا ہے کہ عمل اور عقیدہ کے لئے کسی ایک فریق کے قول کو شریعت کے مسلمہ اصول اجتہاد کے مطابق اختیار کیا اور دوسرے کو ترک کیا۔ لیکن جس کے قول کو ترک کیا اس کی ذات یا شخصیت کے متعلق کوئی ایک جملہ بھی ایسا نہیں کہا جس سے ان کی تنقیص ہوتی ہو۔ خصوصاً مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو بُرا کہنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کا مقابلہ کرنے والے خطا پر۔ اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب خطا پر البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو بلکہ اصولِ اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہوگئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے ایک اجر ان کو ملتا ہے باجماع امت ان حضرات صحابہ کے اس اختلاف کو بھی اسی طرح کا اجتہادی اختلاف قرار دیا گیا ہے جس سے کسی فریق کے حضرات کی شخصیتیں مجروح نہیں ہوتیں۔ اس طرح ایک طرف خطاء وصواب کو بھی واضح کر دیا گیا دوسری طرف صحابہ کرام کے مقام اور درجہ کا پورا احترام بھی ملحوظ رکھا گیا ہے اور مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم میں کف لسان اور سکوت کو اسلم قرار دے کر اس کی تائید کی گئی کہ بلاوجہ ان روایات و حکایات میں خوض کرنا جائز نہیں جو باہمی جنگ کے دوران ایک دوسرے کے متعلق نقل کی گئی ہیں (ایضاً ص۹۰/۸۹)

حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے مندرجہ تبصرہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلم اور بہتر تو یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کے بارے میں سکوت کیا جائے اور اسی کو بعض حضرات نے توقف سے تعبیر کیا ہے۔ لیکن اگر بحث کی ضرورت پڑے تو فریقین کا احترام ملحوظ رکھا جائے اور از روئے تحقیق اس پر اجماع ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان مشاجرات میں حق و صواب پر تھے۔ بہرحال سندیلوی صاحب نے تفسیر قرطبی کی عبارت سے جو نتیجہ نکالا ہے وہ

غلط ہے۔

دوسرا مسلک

اس عنوان کے تحت مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:۔ اکابر سلف میں سے ایک بڑی جماعت نے اس سے مختلف مسلک اختیار فرمایا ہے جو اس سے کچھ مختلف ہونے کے باوجود اس کے قریب ہے۔ امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم ج ۲ میں ''الاصل السابع'' کے عنوان سے بسلسلہ بحث امامت اس جماعت سلف کی ترجمانی اس طرح فرماتے ہیں:۔

وما جری بین علیؓ و معاویۃ رضی اللّٰہ عنہما کان مبیناً علی الاجتہاد.....وقد قال افاضل العلما کل مجتہد مصیب و قال قائلون المصیب واحدٌ.

''حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مناقشہ ہوا وہ (اختلاف) اجتہاد پر مبنی تھا''۔

اور فاضل علماء نے کہا ہے کہ ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے اور بعض کہنے والوں نے کہا ہے کہ راہ صواب پر ایک ہی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو مسلک ان حضرات نے اصحاب صفین کے متعلق اختیار فرمایا ہے وہ اصحاب جمل کے متعلق بدرجہ اولیٰ اختیار فرمایا ہوگا۔ ان حضرات اکابر علمائے اہل سنت کا یہ مسلک تھا کہ ان سب مشاجرات مذکورہ میں فریقین حق پر تھے یعنی حضرات اصحاب صفین بھی حق پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مؤیدین بھی حق پر تھے۔ ان میں سے کسی سے بھی خطائے اجتہادی کا صدور نہیں ہوا۔ ان علماء کو افاضل کے لقب سے اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو ''قائلون'' کے لفظ سے ذکر کرنا واضح اشارہ ہے کہ خود امام غزالی رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ہر فریق حق پر تھا کسی سے غلطی نہیں ہوئی (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۳)

سندیلوی صاحب کی علمی خیانت

مولانا محمد اسحٰق سندیلوی نے امام غزالی کی عبارت پوری نہیں درج کی اس میں سے

صرف ایک ٹکڑا نقل کر کے اپنا موقف ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ چنانچہ امام غزالی کی پوری عبارت حسب ذیل ہے:۔

(الاصل السابع) ان الامام الحق بعد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ابوبکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللّٰہ عنہم ولم یکن نص رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم علی امام اصلاً. اذ لو لکان اولی بالظہور من نصبہ آحاد الولاۃ والامرآء علی الجنود فی البلاد ولم یخف ذلک فکیف خفی ہذا وان ظہر فکیف اندرس حتی لم ینقل الینا فلم یکن ابوبکر اماما الا بالاختیار والبیعۃ واما تقدیر النص علی غیرہ فہو نسبۃ للصحابۃ کلہم الی مخالفۃ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وخرق الاجماع وذٰلک مما لا یَسْتَجرء علی اختراعہ الا الروافض واعتقاد اہل السنۃ تزکیۃ جمیع الصحابۃ والثناء علیہم کما أثنی اللّٰہ سبحانہ و تعالیٰ و رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم. وما جری بین معاویۃ وعلی رضی اللّٰہ عنہما کان مبنیًا علی الاجتہاد لا منازعۃ من معاویۃ فی الامامۃ اذ ظن علی رضی اللّٰہ عنہ ان تسلیم قتلۃ عثمان مع کثرۃ عشائرہم واختلاطہم بالعسکر یؤدی الی اضطراب امر الامامۃ فی بدایتہا فرأی التاخیر اصوب وظن معاویۃ ان تاخیر امرہم مع عظم جنایتہم یوجب الاغراء بالائمۃ ویعرض الدماء للسفک وقد قال اافاضل العلماء کل مجتہد مصیب وقال قائلون المصیب واحد ولم یذہب الی تخطئۃ علیّ ذو تحصیل اصلاً. (ص ۱۰۲ ج اوّل)

"احیاء العلوم کی مندرجہ بالا عبارت کا جو ترجمہ حضرت مولانا محمد [1] احسن صاحب صدیقی نانوتوی رحمہ اللہ نے کیا ہے حسب ذیل ہے:۔

"ساتویں اصل یہ کہ امام برحق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نص قطعی کسی امام پر نہیں فرمائی اس لئے کہ اگر ایسا ہوتا تو اولاً یہ تھا کہ ظاہر تر ہوتا۔ جو کوئی حاکم یا امیر آپ نے شہروں میں مقرر فرمایا وہ چھپا نہیں رہا۔ یہ تو اس کی نسبت زیادہ ظاہر ہونا چاہیے تھا۔ یہ کیسے چھپا رہا اور اگر ظاہر ہو گیا تھا تو پھر کیسے مٹ گیا کہ ہم تک وہ حال نہ پہنچا۔ حاصل یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کے پسند کرنے اور بیعت کی جہت سے امام ہوئے اور اگر بالفرض کہا جائے کہ نص دوسرے کے لئے تھی تو کل صحابہ کو کہنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف کیا اور اجماع کا خلاف کرنا ہے اور یہ بات ایسی ہے کہ رافضیوں کے سوا اور کسی سے اس پر جرات نہیں ہوئی اہل سنت کا اعتقاد یہ ہے کہ سب صحابہ کو اچھا کہیں اور جس طرح کہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف کی اسی طرح ان کی تعریف کریں اور جو نزاع کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ میں ہوا اس کی بنا اجتہاد پر تھی یہ نہیں کہ امامت کے باب میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے نزاع ہوا ہو۔ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ گمان کیا کہ حضرت عثمان غنی کے قاتلوں کو سپرد کر دینے کا انجام یہ ہوگا کہ امامت کا معاملہ ابھی درہم برہم ہو جائے گا بایں لحاظ کہ ان کے قبائل بہت ہیں اور لشکر میں ملے جلے ہیں اس لئے ان کے سپرد کرنے میں تاخیر کو اچھا جانا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ باوجود اتنے بڑے قصور کے ان کے باب میں تاخیر کرنی اماموں کے

---

[1] حضرت مولانا محمد احسنؒ صاحب نانوتوی نے حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی بھی دو کتابوں کا اُردو میں ترجمہ کیا ہے (۱) کشاف ترجمہ الانصاف فی بیان سبب الاختلاف (۲) سلک المروارید ترجمہ عقد الجید۔

اوپر ان کو ابھارنا ہے اور کشت وخون ناحق کے درپے ہونا اور بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ صواب کو پہنچنے والا ایک ہی ہوتا ہے اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علی کو کہا ہو کہ خطا پر تھے''۔ (ترجمہ مذاق العارفین جلد اول ص ۱۵۸۔۱۵۹)

ناظرین غور فرمائیں کہ سندیلوی صاحب نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ماقبل کی عبارت بھی چھوڑ دی اور مابعد کی عبارت بھی اور درمیان کی عبارت بھی حذف کر دی اور خالی جگہ نقطے ڈال دیئے اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ اگر پوری عبارت لکھ دیتے تو ان کے نظریہ کی تردید ہو جاتی۔ کیونکہ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نزاع نہیں کیا بلکہ ان کا نزاع حضرت عثمان کا قصاص نہ لینے کی بنا پر تھا اور اس میں دونوں کا اختلاف اجتہادی تھا اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کی رائے کی توجیہ بھی بیان کر دی ہے کہ حضرت معاویہ نے کیوں قصاص عثمان کا مطالبہ کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیوں اس میں تاخیر کی۔ لیکن یہ بات سندیلوی صاحب کے خلاف پڑتی تھی کیونکہ وہ یہ لکھ چکے ہیں کہ: ''یہ تو غلط ہے کہ صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کے مدعی تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ نہ مدعی خلافت تھے نہ اس کے طالب'' (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۷۲)

(ب) سندیلوی صاحب خون عثمان کے مطالبہ کے علاوہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دوبارہ انتخاب خلافت کے بھی طالب تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''دونوں حضرات کے درمیان متنازعہ فیہ امور دو تھے (۱) حضرت عثمان کے قاتلوں یا بالفاظ دیگر سبائی پارٹی کا معاملہ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے قصاص لینے اور اس پارٹی کی قوت توڑنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے'' (۲) دوسرا مسئلہ خلافت کا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بیعت اور اپنی خلافت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت معاویہ ان کی خلافت کو ہنگامی اور عبوری سمجھتے تھے اور ان کے انتخاب کے طریقہ کو صحیح طریق انتخاب نہ سمجھتے تھے اور دوبارہ انتخاب و استصواب رائے کا مطالبہ کر رہے تھے'' (ایضاً ص ۳۶۱)

(۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے آخری الفاظ یہ تھے:۔ ولم یذهب الی تخطئة علی ذو تحصیل اصلاً (اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا ہو کہ خطا پر تھے)۔ چونکہ یہ الفاظ سندیلوی صاحب کے نظریہ کے خلاف تھے اس لئے ان کو ہضم کر گئے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی کے قائلین تو متقدمین میں ہوئے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی کا متقدمین میں کوئی بھی قائل نہیں ہوا۔ مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں متقدمین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں مساوی حیثیت نہیں رکھتے۔ حالانکہ سندیلوی صاحب کے نزدیک متقدمین کے نزدیک ان مشاجرات میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مساوی مقام رکھتے ہیں۔

(۳) اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

(الاصل الثامن) ان فضل الصحابة رضی الله عنهم علی حسب ترتیبهم فی الخلافة اذ حقیقة الفضل ماهو فضل عند الله عزوجل وذلك لا یطلع علیه الا رسول الله صلی الله علیه وسلم . وقد ورد فی الثناء علی جمیعهم أیات واخبار كثیرة وانما یُدرِك دقائق الفضل والترتیب فیه المشاهدون للوحی والتنزیل بقرائن الاحوال ودقائق التفصیل فلولا فهمهم ذلك لما رتبوا الأمر كذلك اذ كانوا لا تاخذهم فی الله لومة لائم ولا یصرفهم عن الحق صارف (احیاء العلوم ج ا ص ۱۰۲)

ترجمہ: ”آٹھویں اصل یہ کہ صحابہ کا فضل اس ترتیب سے ہے جس طرح پر کہ خلافت ہوئی اس لئے کہ فضل واقع میں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو اور یہ امر ایسا ہے کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اس پر مطلع نہیں ہوتا۔ اور ان سب کی تعریف میں آیات اور احادیث بہت سی وارد ہیں اور فضل کے دقائق

اوپر ان کو ابھارنا ہے اور کشت وخون ناحق کے درپے ہونا اور بڑے بڑے علماء کا قول ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہے اور بعضے یہ کہتے ہیں کہ صواب کو پہنچنے والا ایک ہی ہوتا ہے اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علی کو کہا ہو کہ خطا پر تھے"۔ (ترجمہ مذاق العارفین جلد اول ص ۱۵۸۔۱۵۹)

ناظرین غور فرمائیں کہ سندیلوی صاحب نے امام غزالی رحمہ اللہ کی ماقبل کی عبارت بھی چھوڑ دی اور مابعد کی عبارت بھی اور درمیان کی عبارت بھی حذف کر دی اور خالی جگہ نقطے ڈال دیئے اور اس کی وجہ غالباً یہی ہے کہ اگر پوری عبارت لکھ دیتے تو ان کے نظریہ کی تردید ہو جاتی۔ کیونکہ امام غزالی نے فرمایا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں نزاع نہیں کیا بلکہ ان کا نزاع حضرت عثمان کا قصاص نہ لینے کی بنا پر تھا اور اس میں دونوں کا اختلاف اجتہادی تھا اور امام غزالی رحمہ اللہ نے دونوں کی رائے کی توجیہ بھی بیان کردی ہے کہ حضرت معاویہ نے کیوں قصاص عثمان کا مطالبہ کیا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیوں اس میں تاخیر کی۔ لیکن یہ بات سندیلوی صاحب کے خلاف پڑتی تھی کیونکہ وہ یہ لکھ چکے ہیں کہ: "یہ تو غلط ہے کہ صرف خون عثمان رضی اللہ عنہ کے مدعی تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ وہ نہ مدعی خلافت تھے نہ اس کے طالب" (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۷۲)

(ب) سندیلوی صاحب خون عثمان کے مطالبہ کے علاوہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دوبارہ انتخاب خلافت کے بھی طالب تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"دونوں حضرات کے درمیان متنازعہ فیہ امور دو تھے (۱) حضرت عثمان کے قاتلوں یا بالفاظ دیگر سبائی پارٹی کا معاملہ۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان سے قصاص لینے اور اس پارٹی کی قوت توڑنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے" (۲) دوسرا مسئلہ خلافت کا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بیعت اور اپنی خلافت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت معاویہ ان کی خلافت کو ہنگامی اور عبوری سمجھتے تھے اور ان کے انتخاب کے طریقہ کو صحیح طریق انتخاب نہ سمجھتے تھے اور دوبارہ انتخاب و استصواب رائے کا مطالبہ کر رہے تھے" (ایضاً ص ۳۶۱)

(۲) امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے آخری الفاظ یہ تھے:۔ ولم یذهب الی تخطئة علی ذو تحصیلِ اصلاً (اور یہ کسی اہل علم کی تجویز نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا ہو کہ خطا پر تھے)۔ چونکہ یہ الفاظ سندیلوی صاحب کے نظریہ کے خلاف تھے اس لئے ان کو ہضم کر گئے۔ کیونکہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی کے قائلین تو متقدمین میں ہوئے ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خطاء اجتہادی کا متقدمین میں کوئی بھی قائل نہیں ہوا۔ مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں متقدمین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں مساوی حیثیت نہیں رکھتے۔ حالانکہ سندیلوی صاحب کے نزدیک متقدمین کے نزدیک ان مشاجرات میں حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مساوی مقام رکھتے ہیں۔

(۳) اس کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:۔

(الاصل الثامن) ان فضل الصحابة رضی اللّٰہ عنهم علی حسب ترتیبهم فی الخلافة اذ حقیقة الفصل ماهو فضل عند اللّٰہ عزوجل وذٰلك لا یطلع علیه الا رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم . وقد ورد فی الثناء علی جمیعهم اٰیات واخبار کثیرة وانما یُدرِك دقائق الفضل والترتیب فیه المشاهدون للوحی والتنزیل بقرائِن الاحوال ودقائق التفصیل فلولا فهمهم ذلك لما رتبوا الاَمر کذلك اذ کانوا لا تاخذهم فی اللّٰہ لومة لائم ولا یصرفهم عن الحق صارف (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۰۲)

ترجمہ: "آٹھویں اصل یہ کہ صحابہ کا فضل اس ترتیب سے ہے جس طرح پر کہ خلافت ہوئی اس لئے کہ فضل واقع میں وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہو اور یہ امر ایسا ہے کہ بجز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی اس پر مطلع نہیں ہوتا۔ اور ان سب کی تعریف میں آیات اور احادیث بہت سی وارد ہیں اور فضل کے دقائق

اوراس کی ترتیب کو وہی لوگ جانتے ہیں جو وحی اور قرآن مجید کے اترنے کو دیکھتے تھے اور قرائن حال سے فضل کے دقائق معلوم کرتے تھے پس اگر وہ لوگ بزرگی کو اس ترتیب کے ساتھ نہ سمجھتے ہوتے تو خلافت کو اس طرح ترتیب نہ دیتے اس لئے کہ وہ لوگ ایسے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے باب میں نہ ملامت گروں کے طعن سے ڈرتے تھے اور نہ ان کو امر حق سے کوئی مانع باز رکھ سکتا تھا'' (مذاق العارفین ص ۱۵۹)

امام غزالی کی یہ تحقیق وتصریح بھی (کہ صحابہ کرام نے چونکہ اسی ترتیب سے چاروں خلفائے راشدین کی خلافت کو تسلیم کیا ہے اس لئے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ صحابہ کے نزدیک ان کی باہمی فضیلت بھی اسی ترتیب سے تھی) سندیلوی نظریہ کے خلاف ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

(اولاً) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد حضرات خلفائے ثلثہ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے دورِ صحابہ میں یہ خیال عام نہ تھا۔ جمہور صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک تو ترتیب فضیلت حسب خلافت سمجھتے تھے ان کے بعد کسی کو افضلِ امت نہیں سمجھتے تھے۔ ثانیاً۔ اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احق بالخلافۃ بھی سمجھا جائے۔ بعض اوقات حکمرانی کے لئے مفضول کو افضل سے زیادہ موزوں سمجھا جاتا ہے علی ہذا شہادت فاروق اعظم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کئی سال بعد بھی جبکہ حالات میں بہت دُور رس تبدیلیاں ہو چکی تھیں وہ ویسے ہی مقبول ہوں اور عوام وخواص انہیں اسی طرح سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے ہوں۔ (اظہار حقیقت ج ۲ ص ۴۲۱)

الجواب:۔ (۱) بہرحال سندیلوی صاحب کا یہ نظریہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تصریح کے خلاف ہے (۲) خلفائے ثلثہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو احق بالخلافۃ نہ سمجھنا اور تبدیلی احوال کا سہارا لینا حضرت علی المرتضیٰ کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دینے کے خلاف ہے حالانکہ سندیلوی صاحب خود تسلیم کر چکے ہیں کہ:۔

''حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق ہے

الخ (جواب شافی ص ۱۰)

اس کے باوجود یہ سندیلوی صاحب کی ہی دیانت وفہم ہے کہ یہ بھی لکھ رہے ہیں:۔

''افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احق بالخلافۃ بھی سمجھا جائے''

یہ عام ضابطہ تو نہیں ہے لیکن حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ چونکہ اللہ تعالی کے قرآنی وعدہ کے مطابق چوتھے خلیفہ موعود ہیں لہذا اپنے دور میں وہی احق بالخلافۃ ہوں گے۔ اس کے خلاف نظریہ رکھنا گویا کہ قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ کے خلاف عقیدہ رکھنا ہے۔

خلفائے اربعہ کی افضلیت بہ ترتیب خلافت

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے خلیفہ خاص کے لئے افضل زمانہ ہونا دلائل سے ثابت کیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:۔ اما آنکہ ہر یکے از خلفاء در وقت خلافت خویش افضل امت بودہ است (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۴۴۰)۔ (ترجمہ) خلفاء کا اپنے اپنے وقت میں تمام امت سے افضل ہونا (بھی بدلائل قطعیہ ثابت ہے)

(ب) وایں مبنی است بر آنکہ استخلاف با افضلیت مساوق بود و افضلیت خلفائے اربعہ ثابت است بہ ترتیب خلافت بادلہ بسیار'' ترجمہ: اور یہ اسی پر مبنی ہے کہ خلافت خاصہ افضلیت کے ساتھ ساتھ ہے۔ خلفائے اربعہ کی افضلیت بہ ترتیب خلافت بہت سی دلیلوں سے ثابت ہے۔ (ایضاً ص ۶۶)

اگر سندیلوی صاحب یہ کہیں کہ انہوں نے دور صحابہ میں اختلافات کے پیش نظر لکھا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ مودودی صاحب کے جواب میں یہاں لکھنے کی کیا ضرورت تھی۔

(ب) اس طرح لکھنے کی وجہ سے قارئین کو اہل السنت کے اجماعی عقیدہ (افضلیت خلفائے اربعہ) میں شبہ پڑ سکتا ہے۔ اور سندیلوی صاحب کی بحث سے جابجا یہ تاثر ہوتا ہے کہ ان کے دل میں حضرت علی المرتضی کے متعلق کوئی بیماری ضرور موجود ہے۔ واللہ اعلم

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ امام غزالی رحمۃ اللہ نے خلفائے اربعہ کی بالترتیب خلافت کو تسلیم کرنا اہل السنّت والجماعت کے عقائد میں شمار کیا ہے۔

بحث کلّ مجتہدٍ مصیبٌ

سندیلوی صاحب نے اپنے موقف کی تائید میں امام غزالی کی یہ عبارت پیش کی ہے:۔

وقد قال افاضل العلماء کل مجتھد مصیبٌ وقال قائلون المصیب واحدٌ.

''اور فاضل علماء نے کہا ہے کہ ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے اور بعض کہنے والوں نے کہا ہے کہ راہ صواب پر ایک ہی ہوتا ہے''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔ ان اکابر علمائے اہل السنّت کا مسلک یہ تھا کہ ان سب مشاجرات مذکورہ میں فریقین حق پر تھے یعنی حضرات اصحاب صفین بھی حق پر تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے مؤیدین بھی حق پر تھے ان میں سے کسی سے بھی خطائے اجتہادی کا صدور نہیں ہوا۔ ان علماء کو افاضل کے لقب سے اور ان سے اختلاف کرنے والوں کو ''قائلون'' کے لفظ سے ذکر کرنا واضح اشارہ ہے کہ خود امام غزالی رحمۃ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے کہ ہر فریق حق پر تھا کسی سے غلطی نہیں ہوئی'' (ایضاً جلد دوم ص ۴۴۴)

الجواب:۔ (۱) فریقین کے حق پر ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ ان میں سے کسی سے خطا نہیں ہوئی۔ بالکل غلط ہے کیونکہ حق پر ہونے اور غلطی کرنے میں کوئی تعارض ہی نہیں ہے۔ کیونکہ اجتہادی خطاء حق کے دائرہ میں ہی رہتی ہے اس کو خلاف حق نہیں کہہ سکتے چنانچہ سندیلوی صاحب نے خود حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق ایک غیر مطبوعہ مکتوب (محررہ ۱۸ ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ جو پہلے بھی نقل کیا جا چکا ہے) میں لکھا ہے کہ:۔ ''اپنے اجتہاد کے لحاظ سے وہ حق پر تھے اگرچہ واقع کے لحاظ سے ان کی غلطی تھی''۔ یعنی حضرت حسین رضی اللہ عنہ حق پر بھی تھے اور ان سے اس میں غلطی بھی ہوگئی۔ سندیلوی صاحب یہ بھی نہیں سمجھتے کہ اجتہادی اختلاف میں حق و باطل کا تقابل نہیں ہوتا بلکہ صواب و خطا اور صحیح و غلط کا تقابل ہوتا

ہے۔ لہٰذا امام غزالی کا فریقین کو اس اجتہاد میں حق پر کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ کسی فریق سے غلطی نہیں ہوئی۔ (۲) البتہ امام غزالی نے حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے متعلق وضاحت کر دی ہے کہ:۔ کوئی عالم و محقق مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں ان کی اجتہادی خطاء کا قائل نہیں، ہے یہ بات بھی اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ ان کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اس میں اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔ (۳) اس کے بعد امام غزالی نے مسئلہ امامت کے تحت یہ لکھا ہے:۔

(الاصل التاسع) ان شرائط الامامة بعد الاسلام والتكليف خمسة الذكورة والورع والعلم والكفاية ونسبة قريش بقوله صلى الله عليه وسلم الائمة من قريش . واذا اجتمع عدد من الموصوفين بهذه الصفات فالامام من انعقدت له البيعة من اكثر الخلق والمخالف للاكثر باغ يجب ردّه الى الانقياد للحق (احياء العلوم جلد اوّل ص ۱۰۲)

ترجمہ:۔ ”نویں اصل یہ ہے کہ امامت کی شرطیں بعد اسلام اور بلوغ اور عقل اور آزادی کے پانچ ہیں۔ مرد ہونا اور ورع (یعنی تقویٰ و پرہیزگاری) اور علم اور کفایت اور قریشی ہونا۔ اس جہت سے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا الائمة من قریش یعنی امام قریش میں سے ہوتے ہیں اور جب بہت سے لوگ ایسے ہوں جن میں یہ پانچوں صفتیں موجود ہوں تو امام وہ ہوگا جس کے لئے بیعت اکثر خلق کی ہو جائے اور جو اکثر لوگوں کا خلاف کرے وہ باغی ہے اس کو حق کے انقیاد کی طرف پھیرنا واجب ہے“ (مذاق العارفین ص ۱۵۹)

یہاں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے جو ضابطہ بیان فرمایا ہے اس کے تحت بھی حضرت علی المرتضٰی کا امام ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ خود سندیلوی صاحب بھی یہ اعتراف کر چکے ہیں کہ:۔ مگر جب جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہ نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہو گئی اور مزید استصواب کی

ضرورت نہ رہی ان کا (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا) نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۱۲)

(۲) اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت استخلاف اور آیتِ تمکین کی مصداق قرار دیا جائے تو پھر اس دلیل کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ آپ کو اکثریت نے امام تسلیم کیا تھا یا نہیں۔ علاوہ ازیں خود امام غزالی بھی خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ہی امامِ برحق تسلیم کرتے ہیں۔ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام برحق تسلیم کرنے کے بعد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کردہ مذکورہ ضابطہ کے تحت یہ لازم آتا ہے کہ جن حضرات نے آپ کی بیعت خلافت نہیں کی اور آپ سے لڑائی کی ہے وہ باغی ہیں لیکن ان کے اختلاف کا منشاء چونکہ ان کا اجتہاد ہے اس لئے ان کو یعنی حضرت معاویہ وغیرہ کو حقیقتاً باغی نہیں کہا جائے گا۔ ان کی ہر مخالفت کو بجائے بغاوت کے اجتہادی غلطی پر محمول کیا جائے گا۔

امام غزالی کا مسلک

حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:۔ وکتب القوم مشحونة بالخطاء الاجتهادی کما صرح به الامام الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرهما (مکتوبات امام ربانی جلد اول مکتوب ۲۴۹) ''اور قوم (اہل سنت) کی کتابیں خطائے اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ اس کی تصریح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابوبکر وغیرہ نے کی ہے اور قاضی ابوبکر بن عربی کی عبارت پہلے پیش کی جاچکی ہے لہٰذا سندیلوی صاحب کا امام غزالی کو اپنی تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں۔ اجتہادی اختلاف میں اہل السنّت والجماعت کے دو قول ہیں (۱) ہر مجتہد صواب پر ہوتا ہے (۲) اجتہادی اختلاف میں ایک کی رائے صحیح ہوتی ہے اور دوسرے کی غلط (المجتهد یخطی و یصیب) اور یہ ایک مستقل علمی بحث ہے جس میں دوسرا قول صحیح اور راجح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

اذا حکم الحاکم فاجتهد فاصاب فله اجران واذا حکم فاجتهد فاخطأ فله اجرٌ واحد (بخاری و مسلم)

''حاکم جب اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے اور وہ فیصلہ واقع میں بھی درست ہو تو اس کے واسطے دوہرا ثواب ہے اور اگر اس میں خطا ہوئی تو اکیلا ثواب تب بھی ہے''۔

جب رسول اللہ ﷺ اجتہادی حکم میں خطاء وصواب دونوں کی تصریح فرماتے ہیں تو پھر یہ بات کیونکر قابل تسلیم ہو سکتی ہے کہ کسی مجتہد سے خطا نہیں ہوتی اور مجتہد کا ہر فیصلہ صحیح (صواب) ہی ہوتا ہے۔ لامحالہ کل مجتہد مصیب کے قول میں تاویل کی جائے گی۔ یعنی ہر مجتہد جو حکم دیتا ہے وہ اس کے نزدیک صواب ہی ہوتا ہے اور اسی بنا پر اس کو ایک اجر بھی ملتا ہے اور سندیلوی صاحب نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق بھی یہی لکھا ہے:۔ ''اپنے اجتہاد کے لحاظ سے وہ حق پر تھے اگرچہ واقع کے لحاظ سے ان کی غلطی تھی'' ان کا یہ لکھنا اس بات کے خلاف ہے کہ ہر مجتہد صواب پر ہی ہوتا ہے۔

تحقیق علامہ شبیر احمد عثمانی

اس مسئلہ کی تحقیق شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''ہدیہ سنیہ'' میں پیش فرمائی ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:۔ بہرحال عامہ معتزلہ اور چند اہل السنت والجماعت کی رائے یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ مسائل فقہیہ غیر منصوصہ میں تعدد حق کے قائل ہیں لیکن جمہور اہل السنت والجماعت کا جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں (یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ، امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ ''مذہب مختار یہی ہے کہ تمام مسائل منصوصہ اصلیہ اور فرعیہ کی طرح ان مسائل میں بھی عنداللہ کوئی ایک حق ہے کہ جس کی تلاش میں مجتہدین اپنی اپنی قوت اجتہاد صرف کرتے ہیں پس جو مجتہد اپنی سعی بلیغ سے اس حکم مطلوب پر پہنچ گیا وہ تو بالبداہت کامیاب ہو گیا اور جس کی نظر سے باوجود استفراغ وسع اور امکانی جدوجہد کے حکم مطلوب مستور رہا تو گو کہہ سکتے ہیں کہ اس کو باعتبار اصل مقصود کے کامیابی نہ ہوئی لیکن اس اعتبار سے اسکی کوشش بھی رائیگاں نہیں گئی کہ حق تعالیٰ کمال فضل واحسان کے بسبب مسائل اجتہادیہ کے غایت درجہ دقیق الماخذ

ہونے کے اس کو معذور قرار دے کر اس کی محنت وجدوجہد کی قدر کرتا ہے اور بجائے اس کے کہ ایک غیر معتد بہ رائے کے موافق اپنی اس خطاء کی وجہ سے وہ آثم (یعنی گناہگار) ٹھہرتا الٹا اجر اور ثواب کا مستحق ہوتا ہے کما فی الصحیحین مرفوعاً (صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مرفوعاً آیا ہے) اذا حکم الحاکم فاجتہد فاصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد فاخطأ فلہ اجرٌ واحد (حاکم جب اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ دے اور وہ فیصلہ واقع میں بھی درست ہو تو اس کے واسطے دوہرا ثواب ہے اور اگر اس میں خطا ہوئی تو اکہرا ثواب تب بھی ملتا ہے" (ہدیہ سنیہ ص ۹۰۸)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظم وغیرہ ائمہ اور جمہور اہل السنّت کا یہی قول ہے کہ مجتہد سے خطا بھی ہوتی ہے اور کل مجتہد مصیبٌ کا قول معتزلہ کا ہے اور چند اہل السنّت کا۔ علاوہ ازیں علامہ عثمانی رحمہ اللہ کل مجتہد مصیبٌ کی توجیہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ پس وہ مجتہد جو ایک مسئلہ اجتہادی میں پوری ہمت صرف کر لینے کے بعد بھی حق تعالیٰ شانہ کے صحیح منشا اور مطلوب پر مطلع نہ ہو سکا اگرچہ اس حکم اوّل کے فوت ہونے کے اعتبار سے جس کا معلوم کرنا ہر مجتہد کے ذمہ لازم تھا مخطی کہا جا سکتا ہے لیکن دوسرے حکم کے لحاظ سے ہر مجتہد کو مصیب بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جو کچھ اس نے اپنے علم اور اجتہاد سے معلوم کر لیا اس کے حق میں اب وہی واجب الاتباع قرار دیا گیا ہے۔ تو جن لوگوں نے کل مجتہد مصیبٌ کی آواز بلند کی اگر ان کی غرض یہی ہے جو اب ہم نے بیان کی تو بلاشبہ اس میں تمام اہل السنّت والجماعت ان کے ساتھ متفق ہیں اور یہی وجہ تھی کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد مبارک میں کوئی صحابی دوسرے پر مسائل اجتہادیہ میں اختلاف رکھنے کی وجہ سے ملامت یا طعن و تشنیع نہیں کرتا تھا اور تضلیل یا تبدیع (یعنی گمراہ اور بدعتی کہنا) تو کجا ایک طرف سے دوسرے کی تاثیم (گناہگار کہنا) بھی نہ ہوتی تھی بلکہ ایسے اختلافات کو توسع اور رحمت جان کر ایک دوسرے کے ساتھ نہایت رواداری کا برتاؤ کرتے تھے (ص ۱۰۔۱۱) بہرحال المجتہد یخطی ویصیب اور کل مجتہد مصیبٌ ایک جداگانہ مسئلہ ہے جو حضرات کل مجتہد مصیبٌ کے قائل ہیں ان کے نزدیک حق

متعدد ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتیں باوجود اختلاف کے سب حق ہیں اور جو حضرات وحدت حق کے قائل ہیں یعنی عند اللہ حق ایک ہی ہوتا ہے اجتہادی مسائل میں۔ وہ بھی خطائے اجتہادی کو حق کے اندر ہی داخل کرتے ہیں نہ کہ خارج از حق۔ البتہ وہ صواب و خطا میں فرق کرتے ہوئے مجتہد کی طرف خطا کی نسبت بھی کر دیتے ہیں۔ علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے۔ اور محققین اہل سنت کے اقوال بھی پیش کئے ہیں مثلاً:۔ (۱) شیخ محی الدین نووی رحمہ اللہ (یعنی شارح صحیح مسلم) لکھتے ہیں۔

ولقد اختلف العلماء فی ان کل مجتہد مصیب ام المصیب واحد الخ

''اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا (مسائل مختلف فیہا) میں ہر ایک مجتہد مصیب ہے یا فقط ایک''۔ اور وہی ہے جس کی رائے اس حکم کے موافق پڑ جائے جو اللہ کے نزدیک پہلے سے متعین ہے اس صورت میں دوسرا مخطی ہوگا کیونکہ وہ معذور تھا۔ امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے پیروؤں کا صحیح ترین مسلک یہی ہے کہ مصیب کوئی ایک ہوتا ہے۔ (ھدیہ سنیہ ص ۱۵)

(۲) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ اپنے فتاویٰ میں لکھتے ہیں:۔

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم اخبر ان الحاکم المجتھد المخطی لہ اجر والمصیب لہ أجران .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آگاہ فرمایا کہ حاکم مجتہد جب مخطی ہو تو اس کے لئے ایک اجر ہے اور مصیب ہو تو دو اجر ہیں''۔

اور اگر دونوں مجتہدوں میں سے ایک کی رسائی ظاہراً و باطناً ٹھیک اللہ کے حکم اور مفتی کا قول اس صورت میں نہ ٹوٹ سکتا الخ (ص ۲۱)

(۳) اور شیخ ابن ہمام تحریر الاصول میں لکھتے ہیں:۔ بل الدلیل اطلاق الصحابة الخطاء فی الاجتھاد شائعٌ متکررٌ ''بلکہ بڑی دلیل مجتہد کے مخطی ہونے کی یہ ہے کہ صحابہ صراحتاً خطائی الاجتہاد کا اطلاق کرتے تھے اور باوجودیکہ یہ بات ان میں عام تھی لیکن کسی صحابی کا اس پر انکار کرنا مسموع نہیں ہوا (ایضاً ص ۲۱)

(۴) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فتح الباری کے حوالہ سے قاضی ابوبکر بن العربی رحمہ اللہ کا

یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:۔

تعلق بهذا الحديث من قال ان الحق فی جهة واحدة للتصريح بتخطئة واحد لا بعينه (فتح الباری ج ۱۳ ص ۲۶۹)

ترجمہ: ''اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ حق کسی ایک ہی طرف ہوتا ہے کیونکہ حدیث میں لا علی التعین کسی ایک کے تخطیہ کی تصریح موجود ہے''۔

سندیلوی صاحب سے سوال

مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہو گیا کہ متقدمین حضرات میں اجتہادی مسائل میں خطاء وصواب کا قول پایا جاتا تھا۔ بلکہ صحابہ کرام میں بھی اجتہادی مسائل میں ایک دوسرے کو خطاء پر ہونا قرار دیتے تھے۔ بناء علیہ مولانا سندیلوی سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جو حضرات المجتهد يخطى ويصيب کے قائل ہیں، وہ اگر اس اصول کی بنا پر دلائل کی روشنی میں مشاجرات صحابہ کے سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حق وصواب پر اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرتے ہیں۔ (اس میں شرعاً کوئی تنقیص بھی لازم نہیں آتی) اور اس میں وہ قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک بھی فریق ثانی (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) خطا پر تھے۔ تو آپ اس قدر متاخرین پر مشتعل ہو کر غضبناک لہجہ میں ان کے مسلک پر ان الفاظ میں تبصرہ کیوں کرتے ہیں کہ:

یہ مسلک باوجود شہرت ومقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۱)

حالانکہ سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کی مصداق بھی قرار دیتے ہیں تو کیا موعودہ خلیفہ راشد کا موقف جو اسی خداداد خلافت خلافت راشدہ کے تحفظ ہی کے لئے تھا، بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہو سکتا ہے؟ اور سندیلوی صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس اختلاف میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں حق پر تھے اور ظاہر ہے کہ کسی کا حق پر ہونا دلیل، پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ بلا دلیل بلکہ خلاف دلیل ہوتا ہے چنانچہ خود لکھتے ہیں:۔

کیونکہ ان مشاجرات میں ہر فریق کے پاس ایسی دلیل شرعی موجود تھی جس کی غلطی کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہوتی اس لئے یہی کہنا پڑتا ہے کہ ہر فریق صواب پر تھا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۰)

جب فریقین کا اجتہاد دلیل پر مبنی تھا اور متاخرین نے حضرت علی المرتضیٰ کے اجتہاد کی ہی تصویب وتائید کی ہے تو پھر مولانا سندیلوی متاخرین کے اس مسلک کو: بالکل غلط، بے دلیل بلکہ خلاف دلیل کیونکر قرار دے رہے ہیں؟ کیا متاخرین کی آڑ میں حضرت علی المرتضیٰ کے موقف کو بالکل غلط، بے دلیل اور خلاف دلیل نہیں کہا جارہا۔ سندیلوی صاحب کے اس طرز بیان کو حضرت علی المرتضیٰ کی تنقیص وتوہین پر محمول کیا جائے یا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں غلو وافراط پر؟ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

امام ابوالحسن اشعری

مولانا سندیلوی لکھتے ہیں:۔ امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ کا ارشاد بھی سنئے۔ موصوف کتاب الابانۃ (طبع اول دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن) میں صفحہ ۹۵ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

فاما ماجری بین علی والزبیر وعائشة رضی اللہ عنهم فانما کان علی تاویل واجتهاد وعلی الامام وکلهم من اهل الاجتهاد وقد شهد لهم النبی صلی اللہ علیه وسلم بالجنة والشهادة فدل علی انهم کلهم کانوا علی حق فی اجتهادهم وکذلك ماجری بین علی ومعاویة رضی اللہ عنهما کان علی تاویل واجتهاد.

''پس جو مناقشات حضرات علی رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ وعائشہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آئے وہ تاویل واجتہاد پر مبنی تھے اور ان کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت اور

شہادت کی بشارت دی ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب اپنے اپنے اجتہاد میں حق پر تھے اسی طرح حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان جو مناقشہ ہوا وہ بھی تاویل و اجتہاد پر مبنی تھا"

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۵)

الجواب:۔ (۱) اس عبارت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ فریقین حق پر تھے۔ کیونکہ ان حضرات کا اختلاف اجتہادی تھا جو تاویل پر مبنی تھا۔ لیکن پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حق پر ہونے اور خطائے اجتہادی کے صدور میں کوئی تعارض نہیں ہے اس لئے مندرجہ عبارت سے یہ لازم نہیں آتا کہ امام ابوالحسن اشعری خطائے اجتہادی کے قائل نہ تھے۔

امام اسفرائینی کا مسلک

(۲) امام ابوالحسن اشعری کے شاگرد الاستاذ الامام ابواسحٰق اسفرائینی (متوفی ۳۴۴ھ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صواب پر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو خطا پر مانتے ہیں چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ صاحب تفسیر معارف القرآن فرماتے ہیں:۔ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب الدرۃ المضیئۃ میں اور پھر اس کی شرح میں اس مسئلہ پر اچھا کلام کیا ہے۔ اس کے بعد اس کی شرح میں فرمایا:۔

فانہ ای التخاصم والنزاع والتقاتل والدفاع الذی جری بینھم کان عن اجتھاد قد صدر من کل واحد من رؤسِ الفریقین ومقصد سائغ لکل فرقۃ من الطائفتین وان کان المصیب فی ذلک واحدھما وھو علی رضوان اللّٰہ علیہ ومن والاہ والمخطیء ھو من نازعہ وعاداہ غیر ان للمخطئی فی الاجتھاد اجراً و ثوابا خلافا لاھل الجفاء والعناد فکل ما صح مما جری بین الصحابۃ الکرام وجب حملہ علی وجہ ینفی عنھم الذنوب والآثار ۔

"اس لئے کہ جو نزاع وجدال اور دفاع وقتال صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آیا

وہ اس اجتہاد کی بنا پر تھا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا اگرچہ اس اجتہاد میں برحق فریق ایک ہی ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں اور خطاء پر وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نزاع و عداوت کا معاملہ کیا۔ البتہ جو فریق خطا پر تھا اسے بھی ایک اجر و ثواب ملے گا اس عقیدہ میں صرف اہل جفاء و عناد ہی اختلاف کرتے ہیں لہٰذا صحابہ کرام کے درمیان مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں ان کی بھی اس میں تشریح کرنا واجب ہے جو ان حضرات سے گناہوں کے الزام کو دُور کرنے والی ہو"۔ (مقام صحابہ ص ۱۰۴)

علامہ سفارینی متقدمین میں سے ہیں۔ ان کی اس تشریح سے ان کا مسلک واضح ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے استاذ امام ابوالحسن اشعری کا بھی یہی مسلک ہوگا۔

تیسرا مسلک

اس عنوان کے تحت سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ امام ابن تیمیہ نے بھی اپنی کتاب منہاج السنۃ جلد اوّل صفحہ ۲۷۳ پر زیر عنوان:۔ "اقوال الناس فی خلافۃ علی رضی اللہ عنہ"۔ یہ مسالک نقل فرمائے ہیں اور لکھا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری کا مشہور مسلک یہی ہے کہ یہ سب فریق حق و صواب پر تھے اس کے بعد اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

والمنصوص عن احمد وائمة السنة انه لا یذم احدٌ منهم وان علیاً اولی بالحق من غیره . اما تصویب القتال فلیس هو قول ائمة السنة بل هم یقولون ان ترکه کان اولی

"امام احمد اور ائمہ سنت سے یہ بات صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ (اصحاب جمل، اصحاب صفین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) میں سے کسی کی مذمت نہیں کی جاسکتی اور بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نسبتاً حق کے زیادہ قریب تھے مگر جنگ کو مناسب قرار دینا ائمہ حدیث (سنت) کا مسلک نہیں ہے۔ بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کا (جنگ کا) ترک کرنا اولیٰ (بہتر) تھا"

یہ مسلک گزشتہ مسلکوں سے قدرے مختلف ہے اس لئے اسے تیسرا مسلک سمجھنا چاہیے۔ امام احمد اور ائمہ محدثین کا مسلک ہونے کی وجہ سے یہ بھی بہت وزنی اور اہم ہے مگر مجمل اور محتاج تشریح ہے۔ سطور ذیل میں توضیح ملاحظہ ہو۔

(۱) لا یذم احدٌ منھم (ان میں سے کسی کی مذمت نہیں کی جاسکتی) سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات اس مسئلہ میں یا تو مصوبہ کے ہم خیال ہیں اور ہر فریق کو اس کے اجتہاد کے اعتبار سے حق وصواب پر سمجھتے ہیں۔ کسی کو خطائے اجتہادی کا مرتکب بھی نہیں سمجھتے اور یا توقف کرنے والوں کے ہم خیال ہیں جن کے مسلک کی توضیح مسلک اوّل کے ذیل میں گذر چکی ہے اس کا ماحصل بھی یہی ہے کہ متعین طور پر کسی فریق کے اجتہاد کو غلط نہ کہا جائے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہوسکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف فریقوں کو خطائے اجتہادی کا مرتکب کہا جائے کیونکہ یہ مسلک امام ابن تیمیہ نے علیحدہ اور مستقل طور پر زیر بحث مسلک کے مقابل اور اس کے قسیم کے طور پر ذکر کیا ہے اس سے پہلے بھی اسی سطر میں انہوں نے اس کا تذکرہ کیا ہے اور اس سے تین سطروں کے بعد بھی ایک مستقل مسلک کی صورت میں اس کا تذکرہ کیا جیسا کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب نقل کریں گے اس کے لئے دونوں مسلک ایک نہیں ہوسکتے اور اس کا مطلب وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ (ص ۴۴۶ ج ۲)

الجواب:۔ (۱) مولانا سندیلوی نے امام ابن تیمیہ کی ماسبق کی عبارت چھوڑ دی ہے جس میں دوسرے مسالک کا بھی ذکر ہے اور وہ درج ذیل ہے:۔

ولھذا اضطرب الناس فی خلافة علی علی اقوال . فقالت طائفة ان امام وان معاویة امام وانه یجوز نصب امامین فی وقت اذا لم یمکن الاجتماع علی امام واحد وھذا یحکی عن الاکرامیة وغیرھم . وقالت طائفة لم یکن فی ذلك الزمان امام عام بل کان زمان فتنة وھذا قول طائفة من اھل الحدیث البصریین وغیرھم ولھذا لما اظھر الامام احمد.

التربیع بعلّی فی الخلافة وقال من لم یربعّ بعلیّ فی الخلافة فهو اضل من حمار اهله انکر ذلک طائفة من هؤلآء وقالوا قد انکر خلافته من لا یقال هو اضل من حمار اهله یریدون من تخلف عنهما من الصحابة واحتج احمد وغیره علی خلافة علیؓ بحدیث سفینة عن النبی صلی اللّٰه علیه وسلم تکون خلافة النبوة ثلاثین سنة ثم تصیر ملکاً وهذا الحدیث قد رواه اهل السنت کابی داؤد وغیره . وقالت طائفة ثالثةٌ بل علیٌ هو الامام وهو مصیبٌ فی قتاله لمن قاتله وکذلک من قاتله من الصحابة کطلحةؓ و الزبیرؓ کلهم مجتهدون مصیبون . وهذا قول من یقول کل مجتهد مصیبٌ کقولالبصریین من المعتزلة ابی الهذیل وابی علی وابی هاشم ومن وافقهم من الاشعریة کالقاضی ابی بکر و ابی حامد وهو المشهور عن ابی الحسن الاشعری وهؤلآء ایضاً یجعلون معاویة مجتهد مصیباً فی قتاله کما ان علیًا مصیبٌ وهذا قول طائفة من الفقهاء من اصحاب احمد وغیرهم ذکره ابو عبداللّٰه بن حامد و ذکر لا صحاب احمد فی المقتتلین یوم الجمل وصفین ثلاثة اوجه احدها کلاهما مصیبٌ و الثانی المصیب واحد لا بعینه و الثالث ان علیًا هو المصیب ومن خالفه مخطئی.

اس کے بعد وہ عبارت ہے جو سندیلوی صاحب نے لکھی ہے کہ:۔ والمنصوص عن احمد وائمة السنة (اور اس وجہ سے مضطرب ہو کر لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں مختلف اقوال اختیار کیے ہیں۔ پس ایک گروہ نے کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امام ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی۔ اور جب کسی ایک امام پر لوگوں کا اجماع نہ ہو تو اس وقت دو اماموں کا نصب (تقرر) جائز ہے۔ اور یہ قول فرقہ کرامیہ (یہ خوارج کا

ایک فرقہ ہے) وغیرہم کا ہے۔ اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ اس زمانہ میں کوئی امام نہ تھا بلکہ یہ فتنہ کا زمانہ تھا اور یہ قول بصری اہل حدیث وغیرہم کا ہے اسی وجہ سے جب امام احمد بن حنبل نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چوتھے خلیفہ ہونے کا اعلان کیا اور فرمایا کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ نہیں مانتا وہ پالتو گدھے سے بھی زیادہ خراب ہے تو ان لوگوں میں سے ایک گروہ نے اس کا انکار کیا اور کہا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ان لوگوں نے بھی انکار کیا ہے جن کے متعلق یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ گدھے سے زیادہ خراب ہیں۔ اس سے ان کی مراد وہ صحابہ ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر امام احمد بن حنبل وغیرہ نے حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ نبی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خلافت نبوت تیس ۳۰ سال ہوگی پھر وہ بادشاہت ہو جائے گی۔ اور اس حدیث کو ابوداؤد وغیرہ اہل سنت نے روایت کیا ہے اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ (حضرت) علی رضی اللہ عنہ ہی امام ہیں اور جس کے ساتھ انہوں نے قتال کیا ہے اس میں وہ مصیب ہیں۔ اور اسی طرح حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ جن صحابہ نے آپ کے ساتھ لڑائی کی ہے وہ بھی مجتہد مصیب ہیں اور یہ قول ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے۔ جیسا کہ معتزلہ میں سے بصریوں کا قول ہے:۔ ابو ہذیل، ابو علی اور ابو ہاشم کا اور اشعریوں میں سے ان کا قول ہے جو ان سے موافقت کرتے ہیں مثلاً قاضی ابوبکر، ابو حامد اور امام ابوالحسن اشعری سے یہی قول مشہور ہے اور یہ حضرات ان کی لڑائی میں حضرت معاویہ کو بھی مجتہد مصیب قرار دیتے ہیں جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب ہیں اور یہ قول امام احمد بن حنبل کے فقہاء اصحاب وغیرہم کے ایک گروہ کا ہے۔ ابو عبداللہ بن حامد نے اس کا ذکر کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل کے اصحاب کے جنگ جمل وصفین کے بارے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ دونوں فریق مصیب ہیں۔ دوسرا یہ کہ ان میں سے ایک مصیب ہے، جس کا تعین نہیں کر سکتے۔ اور تیسرا یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی مصیب ہیں اور جنہوں نے آپ کی مخالفت کی ہے وہ مخطی (خطا کرنے والے) ہیں۔ اس کے بعد وہ عبارت ہے جو سندیلوی صاحب نے پیش کی ہے یعنی والمنصوص عن احمد وائمة

السنة حالانکہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے قبل ازیں جو مسالک بیان کیے ہیں، ان کا حوالہ بھی دینا چاہیے تھا تاکہ تمام مسالک معلوم ہو جائیں۔ پہلا مسلک خوارج کے ایک فرقہ کرامیہ کا ہے جو بیک وقت حسب ضرورت دو اماموں کے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن یہ اہل سنت کا مسلک نہیں ہے غالباً مولانا سندیلوی نے اس کا اس لئے ذکر نہیں کیا کہ وہ خود بھی حضرت علی المرتضیٰ کی موجودگی میں حکمین کے فیصلہ کے پیش نظر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے قائل ہیں اور دوسرے مسلک کے بیان میں چونکہ امام ابن تیمیہ نے حضرت امام احمد بن حنبل کا یہ قول پیش کیا ہے کہ جو شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ نہیں مانتا وہ گدھے سے بُرا ہے۔ اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اثبات کے لئے انہوں نے تیس سالہ خلافت والی حدیث پیش کی ہے اور محمود احمد عباسی کا گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ راشد نہیں مانتا اور سندیلوی صاحب گو اس کے منکر نہیں ہیں لیکن اندازہ یہ ہے کہ وہ تیس سالہ خلافت والی حدیث پر بھی تنقید کرتے ہوں گے غالباً اسی وجہ سے انہوں نے دوسرے مسلک کے متعلق ابن تیمیہ کی عبارت نہیں لکھی۔ اور سندیلوی صاحب نے تیسرے مسلک کے متعلق بھی پوری عبارت نہیں لکھی بلکہ ایک ٹکڑا اپنی تائید کے لئے پیش کر دیا ہے۔ حالانکہ تیسرے قول کے تحت ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ کل مجتهد مصیب والا مسلك ابو الهزیل، ابوعلی اور ابو ہاشم وغیرہ معتزلہ کا ہے۔ اور غالباً اس خطرہ کے تحت انہوں نے پوری عبارت نہیں لکھی کہ جس قول کا وہ وزن بڑھا رہے ہیں وہ تو اصل میں معتزلہ کا قول ہے۔ البتہ بعض اہل سنت بھی اس میں ان کے موافق ہیں اور علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ کی عبارت پہلے پیش کر چکا ہوں کہ بہر حال عامہ معتزلہ اور چند اہل السنت والجماعت کی رائے یہ بتلائی جاتی ہے کہ وہ مسائل فقہیہ غیر منصوصہ میں تعدد حق کے قائل ہیں لیکن جمہور اہل السنت والجماعت کا جن میں ائمہ اربعہ بھی شامل ہیں مذہب مختار یہی ہے کہ تمام مسائل منصوصہ اصلیہ اور فرعیہ کی طرح ان مسائل میں بھی [illegible] حق ہے جس کی تلاش میں مجتہدین اپنی اپنی قوت اجتہاد صرف کرتے ہیں (ہدیہ سنیہ ص ۸)۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحیح بات یہی ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ، امام شافعی، امام مالک

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ چاروں کے نزدیک اجتہاد میں صواب بھی ہوتا ہے اور خطا بھی اور امام ابن تیمیہ کی عبارت مذکورہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام احمد بن حنبل کے اصحاب میں مشاجرات صحابہ کے بارے میں تین اقوال پائے جاتے ہیں۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ مذکورہ بالا عبارت میں قاضی ابوبکر کے متعلق بھی کل مجتھد مصیب کا قول لکھا ہے۔ اگر اس سے مراد قاضی ابوبکر بن عربی ہیں تو یہ نسبت صحیح نہیں کیونکہ گذشتہ صفحات میں قاضی ابوبکر کی عبارتیں پیش کی گئی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ آپ حضرت علی کے مصیب ہونے اور فریق ثانی کے مخطی ہونے کے قائل تھے۔

(۳) مولانا سندیلوی نے اپنی پیش کردہ عبارت والمنصوص عن احمد وائمة السنة (اور امام احمد وائمہ سنت سے یہ بات صراحت سے منقول ہے کہ اصحاب جمل واصحاب صفین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ میں سے کسی کی مذمت نہیں کی جاسکتی اور بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ نسبتاً حق کے زیادہ قریب تھے) سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس سے مراد یا تو یہ ہے کہ دونوں فریق مصیب ہیں کسی کو خطا کرنے والا نہیں سمجھتے یا مراد اس سے توقف کا مسلک ہے اور پھر لکھتے ہیں کہ:۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف فریقوں کو خطائے اجتہادی کا مرتکب کہا جائے"۔

لیکن سندیلوی صاحب کا یہ نتیجہ نکالنا صحیح نہیں ہے کیونکہ خطائے اجتہادی کے قول میں ان حضرات کی مذمت نہیں پائی جاتی۔ اس سے مجتہد کی تنقیص وتوہین کیونکر لازم آتی ہے جبکہ اجتہادی خطا پر بھی ازروئے حدیث نبوی ایک اجر ملتا ہے۔

(ب) اور سندیلوی صاحب کا یہ لکھنا بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ:

کیونکہ یہ مسلک امام ابن تیمیہ نے علیحدہ اور مستقل طور پر زیر بحث مسلک کے مقابل اور اس کے قسیم کے طور پر پیش کیا ہے۔ اس لئے کہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے یہاں اصحاب امام احمد بن حنبل کے تین قول پیش کئے ہیں جن میں خطائے اجتہادی کا قول بھی ہے حالانکہ یہ کل مجتھد مصیب کے مسلک کے مقابل میں ہے اور اسی مناسبت سے انہوں نے یہاں امام احمد کا اپنا قول جو ان کے نزدیک راجح ہے پیش کردیا ہے۔

(ج) مندرجہ عبارت کے یہ الفاظ:۔ ان علیًا اولی بالحق بھی اس پر دلالت کرتے ہیں کہ امام احمد کا مسلک نہ مصوبہ کا ہے اور نہ توقف کرنے والوں کا۔ کیونکہ توقف کرنے والے تو کوئی فیصلہ ہی نہیں کرتے حالانکہ یہاں اولیٰ بالحق سے ایک پہلو کی تعیین کر دی گئی ہے۔ اور مصوبہ کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کے اجتہاد کا درجہ مساوی ہے دونوں صواب پر ہیں کسی کو ایک دوسرے پر ترجیح نہیں دے سکتے حالانکہ انہوں نے ان علیًا اولیی بالحق من غیرہ فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ترجیح دے دی ہے اور جو حضرات حضرت علی المرتضیٰ کو مصیب اور حضرت معاویہ کو مخطی قرار دیتے ہیں وہ حدیث أدنی الطائفتین بالحق اور اولی الطائفتین بالحق کے الفاظ ہی سے استدلال کرتے ہیں چنانچہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح مسلم اپنی روایات کے تحت لکھتے ہیں:

هذه الروايات صريحة فى ان عليًا كان هو المصيب المحق والطائفة الاخرى اصحاب معاوية رضی اللہ عنہم كانوا بغاة متاولين. (نووی جلد اول بيان الخوارج واحكامهم ص ۳۴۲)

''یہ روایات اس بارے میں صریح ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی مصیب ومحق تھے (یعنی آپ کا اجتہاد حق اور صواب پر تھا) اور دوسرا گروہ یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی باغی تھے مگر تاویل کرنے والے تھے''

اور یہی الفاظ زیر بحث عبارت میں امام احمد بن حنبل کے منقول ہیں کہ:۔

ان عليًا اولى بالحق من غيره

''بے شک حضرت علی دوسروں سے اولیٰ بالحق تھے''

یہ ملحوظ رہے کہ یہاں میں نے اولیٰ بالحق کے الفاظ کی مراد پیش کی ہے۔ لہٰذا سندیلوی صاحب یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ ان الفاظ سے مراد خطائے اجتہادی نہیں ہے۔

(ب) اسی سلسلہ میں سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ وان عليًا اولى بالحق من غيره (اور بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ بہ نسبت دوسروں کے حق سے زیادہ قریب تھے) اس فقرے کا تعلق صرف حضرت علی و حضرت معاویہ کے باہمی اختلافات سے ہے حضراتِ

اصحابِ جمل سے اسے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کا مبنیٰ ایک حدیث ہے جو آئندہ انشاء اللہ ہم نقل کریں گے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۷)

اس عبارت کے حکم سے اصحاب جمل کو مستثنیٰ کرنا بھی صحیح نہیں کیونکہ مندرجہ مسالک میں مشاجرات صحابہ کا تذکرہ ہے اور ان علیًا اولٰی بالحق من غیرہ میں غیرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اصحاب جمل سے بھی اولٰی بالحق ہیں کیونکہ وہ بھی من غیرہ میں شامل ہیں اور خود سندیلوی صاحب نے ترجمہ میں قوسین کے اندران کو بھی شامل کیا ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''امام احمد اور ائمہ سنت سے یہ بات صراحت کے ساتھ منقول ہے کہ (اصحاب جمل، اصحاب صفین اور حضرت علی رضی اللہ عنہ) میں سے کسی کی مذمت نہیں کی جاسکتی۔ اس سے واضح ہے کہ یہ سارا حکم اصحاب جمل اور اصحاب صفین دونوں کو شامل ہے۔ سندیلوی صاحب اپنا مسلک جو چاہے رکھیں۔ لیکن عبارت کے مفہوم میں تو خیانت نہ کرنی چاہیے۔ علاوہ ازیں ہم کہتے ہیں کہ اگر ان کے نزدیک امام احمد کے پیش کردہ قول کا مطلب خطائے اجتہادی ہو ہی نہیں سکتا تو پھر اصحاب جمل میں اس کو شامل کرنے سے گھبراتے کیوں ہیں؟

(۴) سندیلوی صاحب فرماتے ہیں:۔ اس فقرے کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ منصب خلافت کا استحقاق بہ نسبت دوسروں کے زیادہ رکھتے تھے اور اس تذکرے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ امام احمد کے زمانہ میں ایک جماعت اہل سنت میں ایسی تھی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان کشمکش کے دور کو زمان فتنہ کہتی تھی اور اس بات کی قائل تھی کہ اس وقت قانون کی حکومت باقی نہ رہی تھی اور مسلمانوں کا کوئی خلیفہ نہ تھا'' (ص ۴۴۸)

سندیلوی صاحب کی یہ توجیہ بھی صحیح نہیں کیونکہ علامہ ابن تیمیہ نے اس مسلک کا ذکر دوسرے نمبر کے تحت کر کے امام احمد کی طرف سے اس کا جواب بھی دے دیا ہے جس کی تیسرے مسلک کے ذکر میں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہ محض کم فہمی یا کج فہمی ہے۔

پانچواں مسلک

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں۔ چند سطروں کے بعد علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ ایک اور مسلک کا تذکرہ کرتے ہیں جس کا تعلق صرف حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے اختلاف سے ہے:

وطائفة خامسة تقول ان عليًا كان خليفة وهو اقرب الى الحق من معاوية وكان ترك القتال اولى وينبغى الامساك عن القتال لهؤلاء وهؤلاء .

"پانچواں گروہ کہتا ہے کہ حضرت علی خلیفہ تھے اور وہ بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق سے زیادہ قریب تھے اور جنگ کا ترک کرنا اولیٰ تھا اور دونوں فریق کو جنگ سے احتراز کرنا چاہیے تھا"۔

حضرت علی کی خلافت صحیح ہونے کا اقرار اس مسلک کا پہلا جزو ہے جس کی وجہ اوپر ذکر کی جاچکی (ص ۲۵۰)

الجواب:۔ (ا) علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے یہ پانچواں مسلک بیان کیا ہے مگر سندیلوی صاحب نے اپنی حکمت کے تحت بحث میں چوتھے نمبر پر بیان کیا ہے لیکن موصوف نے جو یہاں بھی یہ لکھا ہے کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہونے کا اقرار اس مسلک کا پہلا جزو ہے جس کی وجہ اوپر ذکر کی جاچکی"۔

یہ بھی سندیلوی صاحب کا تکلف ہے۔ کیونکہ حضرت علی کی خلافت کا انکار تو ابن تیمیہ کے بیان کردہ دوسرے مسلک کے تحت آتا ہے۔ حالانکہ یہ پانچواں مسلک اس کے علاوہ ہے۔

(ب) دراصل بات یہ ہے کہ جہاں کہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اقرب الی الحق من معاویہ کہا گیا ہے سندیلوی صاحب کی بے قراری اور پریشانی بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے کوئی نہ کوئی توجیہ پیش کر کے اپنے جی کو بہلا لیتے ہیں۔ ع

دل کے خوش کرنے کے غالب یہ خیال اچھا ہے

اس کے بعد مولانا موصوف لکھتے ہیں:۔ ابن تیمیہ اس مسلک کے دلائل بیان کر کے لکھتے ہیں:۔

وعلی هذا جمهور ائمة اهل الحديث والسنة وهو مذهب مالك والثوری واحمد وغيرهم (ايضاً)

''جمہور ائمہ اہل حدیث وسنت کا یہی مسلک ہے۔ امام مالک، سفیان ثوری، امام احمد اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے علماء کا بھی یہی مسلک ہے''

اقرب الی الحق کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اجتہادی غلطی بھی ترک اولیٰ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں سے سرزد ہوئی یعنی دونوں حضرات نے حدود جواز شرعی سے تو تجاوز نہیں کیا مگر خلاف اولیٰ کا ارتکاب کیا۔ اس معنی میں دونوں بزرگوں میں سے کوئی صاحب بھی حق پر نہ تھے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق کے زیادہ قریب تھے۔ ویسے دونوں کے لئے مناسب تر یا حق یہ تھا کہ قتال نہ کرتے۔ ان حضرات کے اس قول کا ماخذ مندرجہ ذیل حدیث نبوی ہے:۔

تخرج مارقة عند فرقة من المسلمين يقتلها اولى الطائفتين بالحق (مسلم)

''مسلمانوں کے باہمی افتراق کے وقت (دین سے) نکل جانے والا ایک گروہ اس سے نکل جائے گا جسے ان متحارب گروہوں میں سے وہ گروہ قتل کرے گا جو حق کے زیادہ قریب ہوگا''۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ فریقین میں سے کامل طور پر برسر حق وصواب تو کوئی نہ ہوگا یعنی خلاف اولیٰ کا ارتکاب دونوں کریں گے۔ یوں تو دونوں حق کے قریب ہوں گے یعنی کسی کا اقدام دائرہ جواز شرعی سے باہر نہ ہوگا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق سے زیادہ قریب ہوں گے۔

الجواب:۔ (۱) سندیلوی صاحب کا اولی بالحق کا یہ مطلب بیان کرنا کہ:۔ ''اس معنی میں دونوں بزرگوں میں سے کوئی صاحب بھی حق پر نہ تھے'' صحیح نہیں کیونکہ اس سے یہ لازم

آتا ہے کہ دونوں بزرگوں نے خلاف حق عمل کیا۔ گویا کہ باطل پر تھے (جبکہ حق کے تقابل میں باطل مراد ہے) اور اگر خلاف حق سے مراد یہ ہے کہ دونوں صواب پر نہ تھے تو پھر مولانا کے بیان کردہ تینوں مسلک مردود قرار پاتے ہیں۔ (۱) دونوں صواب پر تھے بقاعدہ کل مجتھد مصیبٌ (۲) دونوں خطا پر تھے اس سے المجتھد یخطی و یصیب کا قول کالعدم ہو جاتا ہے۔ (۳) توقف کا موقف بھی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں بجائے توقف کے یہ حکم لگا دیا گیا ہے کہ دونوں خطا پر تھے۔

(۲) اقرب الی الحق کا یہ بیان بھی غلط ہے کہ:۔ فریقین میں سے کامل طور پر برسر حق وصواب تو کوئی نہ ہوگا یعنی خلاف اولیٰ کا ارتکاب دونوں کریں گے۔ کیونکہ خلاف اولیٰ میں دونوں پہلو حق اور صواب ہوتے ہیں۔ البتہ ان میں سے ایک اولیٰ (بہتر) ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق بعض اجتہادی امور میں ترک اولیٰ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یعنی حضور ﷺ نے جو پہلو اختیار فرمایا وہ بھی حق اور صواب تھا البتہ دوسرا پہلو اس سے اولیٰ (بہتر) تھا۔ ترک اولیٰ میں کسی پہلو کو خلاف حق وصواب نہیں کہہ سکتے۔

(۳) سندیلوی صاحب اگر شارحین حدیث کا مطلب قبول کر لیتے تو غلط تشریحات کی نوبت نہ آتی یہ حدیث محدثین کے زیر بحث رہی ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم میں کتاب الزکوٰۃ کے تحت باب اعطاء المؤلفة و بیان الخوارج واحکامھم میں جو روایات مذکور ہیں ان میں:۔ ادنی الطائفتین الی الحق۔ اولی الطائفتین بالحق۔ اولاھا بالحق۔ اقرب الطائفتین بالحق کے الفاظ ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ ان روایات کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ هذه الروايات صريحة في ان عليًا كان هو المصيب المحق والطائفة الاخرى اصحٰب معاوية و كانوا بغاة متأولين (نووی شرح مسلم جلد اول ص ۳۴۲)

یہ روایتیں اس بارے میں صریح ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی صواب اور حق پر تھے اور فریق ثانی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت باغی تھی (تاویل کرنے والے)۔

(۲) حافظ ابن کثیر محدث ومفسر اس حدیث کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

فهذا الحديث من دلائل النبوة اذ قد وقع الامر طبق ما اخبر بہٖ عليه الصلوٰة والسلام وفيه الحكم باسلام الطائفتين اهل الشام واهل العراق لا كما يزعمه الفِرقة الرافضة والجهلة من تكفيرهم اهل الشام وفيه ان اصحٰب عليؓ ادنى الطائفتين الى الحق وهذا هو مذهب اهل السنة والجماعة انّ عليًا هو المصيب وان كان معاوية مجتهدا وهو ماجور ان شآء اللّٰه ولكن عليؓ هو الامام فله اجران كما ثبت فى صحيح البخارى.

(البدايه والنهايه جلد ۷ ص ۲۸۰ مطبوعه بيروت)

''پس یہ حدیث نبوت (محمدیہ) کے دلائل میں سے ہے جبکہ رسول اللہ ﷺ کی پیشگوئی کے بالکل مطابق یہ امر واقع ہوا ہے۔ اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل شام اور اہل عراق دونوں گروہ مسلمان ہیں۔ نہ جیسا کہ رافضی فرقہ اور جہلا اہل شام کی تکفیر کرتے ہیں اور اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اصحاب علی رضی اللہ عنہ ادنیٰ الطائفتین الی الحق تھے اور اہل السنّت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس جنگ) میں صواب پر تھے اگر چہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد تھے اور ان شاء اللہ ان کے لئے ایک اجر ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ امام ہیں پس ان کے لئے حسب حدیث بخاری دو اجر ہیں (یعنی مجتہد اگر صواب پر ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں)''

(۳) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وجماهير اهل السنة والجماعة متفقون على ان عليًا افضل من طلحة والزبير فضلا عن معاوية وغيره فيقولون ان المسلمين لما افترقوا فى خلافه فطائفة قاتلته وطائفة قاتلت معه كان هو واصحابه اولى الطائفتين بالحق كما ثبت فى الصحيح عن النبى صلى اللّٰه عليه وسلم انه قال تمرق

مارقة علی حين فرقة من المسلمين يقتلهم اولی الطائفتين بالحق فهؤلاء هم الخوارج المارقون الذين مرقوا فقتلهم علیؓ و اصحابه فعلم انهم كانوا اولیٰ بالحق من معاوية رضی اللّٰه عنه واصحابه لكن اهل لسنة يتكلمون بعلم وعدل ويعطون كل ذی حق حقه (منهاج السنة ج ۲ ص ۱۹۶)

''اور جمہور اہل السنّت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ چہ جائیکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے افضل نہ ہوں اور (اہل السنّت) کہتے ہیں کہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں مسلمانوں میں افتراق پیدا ہوا اور ایک گروہ نے آپ سے لڑائی کی اور ایک گروہ نے آپ کے ساتھ ہو کر جنگ کی۔ تو آپ اور آپ کے اصحاب (ساتھی) دونوں گروہوں میں زیادہ حق پر تھے۔ جیسا کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کے افتراق کے وقت ایک گروہ (دین سے) نکل جائے گا۔ ان سے اس گروہ والے جنگ کریں گے جو دونوں مسلمانوں کے گروہوں میں سے زیادہ تر حق پر ہوں گے۔ پس یہ لوگ (جن کا حدیث میں ذکر ہے) خوارج ہیں جو دین سے نکل گئے پھر ان سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت نے جنگ کی جس سے معلوم ہوا کہ وہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت سے اولی بالحق تھے۔ لیکن اہل السنّت والجماعت علم اور عدل کی بات کرتے ہیں اور ہر صاحب حق کو اس کا حق دیتے ہیں''

مولانا نور الحسن بخاری بھی قائل ہو گئے

(۴) سندیلوی صاحب کے ممدوح مولانا نور الحسن شاہ صاحب بخاری نے بھی بعنوان:۔ ''حضرت معاویہ اور ان کا گروہ اہل حق اور جنتی ہیں'' حدیث اولیٰ الطائفتین بالحق کے تحت ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ میں سے مندرجہ بالا عبارت اور نووی شرح

مسلم کی عبارت کتاب الفتن سے پیش کی ہے۔ جس کا یہاں صرف ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:۔

''اہل سنت کا مذہب اور حق حضرات صحابہ سے حُسنِ ظن اور ان سے باہمی اختلاف میں خاموش رہنا اور ان کی لڑائیوں کی تاویل کرنا کیونکہ وہ سب مجتہد اور متأولین ہیں۔ انہوں نے معصیت کا ارادہ نہیں کیا اور نہ محض دنیا کا۔ بلکہ ان میں سے ہر فریقین کا یقین تھا کہ وہ حق پر ہے اور اس کا مخالف باغی ہے لہٰذا اس سے لڑائی واجب ہے تاکہ امرِ حق کی طرف لوٹ آئے۔ پھر ان میں سے بعض (اپنے اس اجتہاد میں صحیح تھے اور بعض خطا پر تھے اور وہ خطاء میں معذور ہیں کیونکہ ان کی خطا اجتہادی تھی اور خطائے اجتہادی پر گناہ نہیں ہوتا۔ ان جنگوں میں حضرت علی حق و صواب پر تھے۔ اہل سنت کا یہی مذہب ہے (عادلانہ دفاع ص ۲۱۰)

نووی کے شروع کے الفاظ یہ ہیں:۔ ومذهب اهل السنة والحق احسان الظن بهم اس کا ترجمہ جو بخاری صاحب نے لکھا ہے۔ صحیح نہیں۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ:۔

''اہل سنت واہل حق کا مذہب یہ ہے کہ ان (حضرات صحابہ) سے حسنِ ظن رکھا جائے''۔

بہرحال بخاری صاحب نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ان جنگوں میں صواب پر ہونا اور فریق ثانی یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کا خطائے اجتہادی پر ہونا تسلیم کرلیا۔ حالانکہ یہی بخاری صاحب اسی کتاب کے ص ۲۱۲ پر بحوالہ تہذیب التہذیب لابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

''نیز اگر کوئی شخص حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت تو نہیں دیتا ہے لیکن جنگوں میں صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق پر سمجھتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کو خطا پر سمجھتا ہے تو وہ بھی شیعہ ہے اُسے سُنی کہلانے کا کوئی حق نہیں''۔

تو گویا بحوالہ نووی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا پر سمجھنے کی وجہ سے بخاری صاحب بھی شیعہ بن گئے۔ ایں چہ بوالعجبی است

مولانا سندیلوی نے بخاری صاحب کی یہ عبارت اپنی تائید میں پیش کی تھی جس پر گزشتہ صفحات میں بحث ہوچکی ہے۔ یہاں یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ محدثین نے حدیث کے الفاظ اولی بالحق وغیرہ کے باوجود جو یہ نتیجہ نکالا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر۔ تو اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حدیث میں اولی اور اقرب کے اسم تفضیل کے صیغے تفضیل کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہیں۔ یعنی دونوں حق پر ہیں لیکن حضرت علی احق ہیں اور حضرت معاویہ کے حق پر ہونے اور اجتہادی خطا کرنے میں کوئی تعارض نہیں۔ کیونکہ اگر تفضیل مراد لیا جائے تو پھر صحابہ کرام کے یہ دونوں فریق اپنے موقف میں حق سے جدا قرار پاتے ہیں۔

سندیلوی صاحب کی الٹی منطق

فرماتے ہیں حدیث سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ خروج خوارج کے وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان پیش آنے والے معاملات میں بحیثیت مجموعی حضرت علی رضی اللہ عنہ بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حق کے قریب ہوں گے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر تنازعہ میں وہی اولی بالحق ہوں۔ یہ عین ممکن ہے کہ بعض مناقشات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہ نسبت حضرت علی اقرب الی الحق ہوں اس سے استدلال کر کے بعض لوگ جنگ صفین میں بھی حضرت علی کو اقرب الی الحق ثابت کرتے ہیں یہ استدلال صحیح نہیں اور حدیث سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ اس کا فیصلہ دوسرے دلائل سے ہوسکتا ہے۔ واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے۔ کیونکہ انہوں نے تابہ امکان جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی اور فوج کشی حضرت نے فرمائی پھر یہ کہ صلح کی پیش کش بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف سے ہوئی''۔ (ایضاً ص ۳۴۵)

الجواب: سندیلوی صاحب کا حدیث سے معارضہ

(۱) خوارج سے قتال کرنے والوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ وہ بہ

نسبت فریق ثانی کے اقرب الی الحق اور اولی بالحق ہوں گے یہ اس جنگ کی بنا پر ہی ہے جو فریقین کے درمیان ہوئی (یعنی صفین) ورنہ خوارج کے مقابلہ میں تو وہ یقیناً حق پر تھے (کیونکہ ان کو دین سے نکلنے والے فرمایا گیا ہے) اگر اس کا تعلق جنگِ صفین سے نہ ہوتا تو خوارج کے مقابلہ میں ان کو اولی بالحق فرمانے کا کیا باعث ہوسکتا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس موقع پر مقام مدح میں اس طرح کا ارشاد اس اشتباہ کو دور کرنے کے لئے تھا جو فریقین کی جنگ میں پیدا ہوسکتا تھا۔

(۲) سندیلوی صاحب کا یہ کہنا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مجموعی حیثیت سے اولی بالحق فرمایا گیا ہے تو ہمارا سوال یہ ہے کہ مجموعی حیثیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے باہمی مناقشات میں کیا صفین سے بڑھ کر بھی کوئی بڑا اور اہم واقعہ پیش آیا ہے؟

(۳) حدیث میں اولی بالحق اور اقرب الی الحق کا مصداق اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں اور یقیناً ہیں تو سندیلوی صاحب کا اس کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الحق کہنا حدیث نبوی سے کھلا معارضہ ہے۔ اگر سندیلوی صاحب کا یہ نظریہ تھا تو ان پر لازم تھا کہ وہ حدیث مذکور کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں کوئی حدیث پیش کرتے۔ آخر یہ کتنی بڑی جسارت ہے کہ حدیث کے مصداق کو اپنے وہم و وسوسہ کی بنا پر رد کر دیا جائے۔ العیاذ باللہ۔

(۴) سندیلوی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اقرب الی الحق کہنے کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں:۔ ”کیونکہ انہوں نے تا بامکان جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی اور فوج کشی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی پھر یہ کہ صلح کی پیشکش بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کی طرف سے ہوئی“۔

(۱) یہ دلیل حدیثِ مذکور کے مقابلہ میں بالکل لغو ہے۔ علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی صلح پسندی کے متعلق خود سندیلوی صاحب لکھ چکے ہیں کہ:۔

”ان کی صلح پسندی اور اتحاد بین المسلمین کی نمایاں خواہش ایسی چیزیں ہیں جن کے لئے کسی استدلال کی حاجت نہیں۔ اگر سبائیوں کی فریب کاری آتشِ جنگ نہ بھڑکا دیتی تو

جنگ کبھی نہ ہوتی کیونکہ وہ نہ جنگ چاہتے تھے اور نہ اصحاب جمل وصفین۔ حد یہ ہے کہ خوارج کے بارے میں بھی ان کا طرز عمل مثالی رہا۔ انہوں نے ان کے خلاف اس وقت تک تلوار نہیں اٹھائی جب تک خود ان لوگوں نے ابتداء نہ کی۔ ان امور کو سامنے رکھئے تو یہ بات بالکل بعید از قیاس وفہم معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پیشکش مصالحت کو جنگی چال پر محمول کر کے رد کر دیا ہو اور جنگ جاری رکھنے کا ارادہ فرمایا ہو۔ دوسرا شبہ یہ ہوتا ہے کہ صفین کے موقع پر بھی اگرچہ وہ لشکر کشی کر کے آئے تھے لیکن عرصہ تک انہوں نے مصالحت کی کوشش جاری رکھی یہ دوسری بات ہے کہ سبائیوں کی مفسدہ پردازیوں کی وجہ سے وہ بار آور نہ ہو سکی اسی طرح انہوں نے اپنے مقدمہ الجیش کو جس کا سردار مشہور سبائی مفسد مالک اشتر تھا یہ ہدایت فرمادی تھی کہ جب تک لشکر مخالف حملہ نہ کرے۔ اس وقت تک تم حملہ نہ کرنا۔ اگرچہ اس مفسد اور فتنہ پرداز سبائی لیڈر نے اس ہدایت کی خلاف ورزی کی لیکن اتنا تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ خود ان کی شدید خواہش یہی تھی کہ کسی طرح معاملات صلح وآشتی سے طے ہو جائیں اور جنگ وجدل کی نوبت نہ آئے۔ یہ بات ہم واضح کر چکے ہیں کہ اگر سبائیوں کی دسیسہ کاریاں بروئے کار نہ آتیں تو خونریزی کبھی نہ ہوتی۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۲۷)

یہاں سندیلوی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ صلح چاہتے تھے نہ کہ جنگ۔ انہوں نے تو خوارج کے مقابلہ میں بھی ابتداء نہیں کی۔ انہوں نے جنگ صفین میں بھی فرمادیا تھا کہ جب تک لشکر مخالف حملہ نہ کرے اس وقت تک تم حملہ نہ کرنا۔ اور یہ وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جو سندیلوی صاحب کے نزدیک بھی قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق ہیں پھر بھی سندیلوی صاحب جوش تعصب میں بلا دلیل فرمارہے ہیں کہ جنگِ صفین میں حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے نہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ۔ ع

لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دراصل سندیلوی صاحب کے قلب ودماغ میں جو بیماری ہے اس کے تقاضا کے تحت موقع بہ موقع اس طرح کی تحقیقات صفحہ قرطاس کی زینت بنادیا کرتے ہیں۔ لیکن ان کی

ان رکیک، بے بنیاد تاویلات کی وجہ سے قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ راشد کی عظمت میں کمی نہیں آسکتی۔ واللہ الہادی۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل بیان کرنے کے باوجود فرماتے ہیں:

وعلیؓ افضل منه واعلی درجة وهو اولٰی بالحق منه باتفاق الناس وعسكر معاوية يعلمون ان عليًا افضل و احق بالامر منه ولا ينكر ذلك منهم الا معاندٌ او من اَعمى الهوى قلبه ولم يكن معاوية قبل تحكيم الحكمين يدعى الامر لنفسهٖ ولا يتسى بامير المومنين وانما ادعى ذلك بعد حكم الحكمين وكان غير واحد من عسكر معاوية يقول له لماذا نقاتل معك عليًا وليس لك سابقته ولا فضله ولا صهره وهو اولى بالامر منك فيعترف لهم معاوية بذلك لكن قاتلوا مع معاوية لِظَنّهم ان عسكر علیؓ فهم ظلمة يعتدون عليهم كما اعتدوا على عثمانؓ و انهم يقاتلونهم دفعًا لِصيالهم عليهم وقتال الصائِل و جائز و لهذا لم يبدوهم بالقتال حتى بدأهم اولئك ولهذا قال الاشتر النخعى انهم ينصرون علينا لا نا نحن بدأناهم بالقتال وعلى رضى الله عنه كان عاجزا عن قهر الظلمة من العسكرين ولم تكن اعوانه يوافقونه على ما يأمربه واعوان معاوية يوافقونه وكان يرىٰ ان القتال يحصل به المطلوب فما حِصل به الاضد المطلوب وكان فى عسكر معاوية من يتهم عليًا باشياء من الظلم هو برىء منها (منهاج السنة جلد دوم ص ۲۰۲)

''اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ان (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے افضل ہیں اور اعلیٰ درجہ رکھتے ہیں اور وہ ان سے اولیٰ بالحق ہیں جس پر تمام لوگوں کا اتفاق ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والے جانتے تھے کہ حضرت علی ان سے افضل ہیں اور امر خلافت میں ان سے احق (زیادہ حق رکھنے والے ہیں)۔ اور ان میں سے کوئی بھی اس کا انکار نہیں کرتا تھا بجز ایسے شخص کے جو معاند ہو (حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عناد رکھتا ہو) یا جس کی خواہش نفس نے اس کے دل کو اندھا کر دیا ہو اور حکمین کے فیصلہ سے قبل اپنے لئے امر خلافت کا دعویٰ نہیں کرتے تھے اور نہ امیر المومنین کے لقب سے پکارے جاتے تھے۔ البتہ آپ نے حکمین کے فیصلہ کے بعد خلافت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ کے لشکر کے بہت سے لوگ آپ سے کہتے تھے کہ ہم آپ کے ساتھ ہو کر کیونکر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑیں۔ حالانکہ آپ کو ان کی سابقیت (سابقون اور ان میں ہونا) اور ان کی افضلیت اور ان کی دامادی رسول کا شرف حاصل نہیں ہے۔ اور آپ سے وہ خلافت کے زیادہ حقدار ہیں اور پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی ان کی ان باتوں کا اعتراف کرتے تھے لیکن ان لوگوں نے اس گمان پر جنگ میں حضرت معاویہ کا ساتھ دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر والے ظالم لوگ ہیں ان پر اسی طرح زیادتی کریں گے جس طرح انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر کی اور وہ ان سے ان کے حملہ کے دفاع کے لئے لڑتے ہیں اور حملہ آور سے جنگ کرنا جائز ہے۔ اور اسی وجہ سے حضرت معاویہ کے لشکر والوں نے جنگ میں ابتداء نہیں کی یہاں تک کہ انہوں نے ابتدا کی۔ اور اسی وجہ سے اشتر نخعی نے کہا تھا کہ وہ (فریق مخالف جنگ) میں ہمارے خلاف اس لئے کامیاب ہو رہے ہیں کہ ہم نے ان سے جنگ کرنے میں ابتداء کی ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں لشکروں کے ظالم لوگوں پر غلبہ پانے میں عاجز تھے اور آپ کے اعوان (مددگار) ان کے حکم کی موافقت نہیں کرتے تھے اور حضرت معاویہ کے اعوان (مددگار) آپ کی موافقت کرتے تھے اور حضرت علی کی یہ رائے

تھی کہ جنگ کے ذریعہ مطلوب حاصل ہو جائے گا مگر مطلوب ومقصود کے خلاف ہی نتیجہ نکلا"۔

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت سے واضح ہوا کہ سوائے معاند اور خواہش نفس سے مغلوب ہونے والے دل کے اندھے شخص کے تمام لوگ حتیٰ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر والے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اولی بالحق اور احق بالخلافت مانتے تھے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخصوص فضائل کے قائل تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت وغیرہ کا اقرار کرتے تھے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لشکر نے متوقع خطرات کے تحت دفاعی جنگ لڑی ہے وغیرہ البتہ جنگ خواہ جارحانہ ہو یا مدافعانہ قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد کے خلاف صحیح نہ تھی۔ اسی بنا پر جمہور اہل السنّت والجماعت کا مسلک یہی ہے کہ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا سرزد ہو گئی تھی۔

حدیث فئة باغیه

حدیث میں ہے:۔

عن ام سلمة ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال لعمّار تقتلك الفئة الباغية (مسلم شریف کتاب الفتن)

"حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا: تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا"۔

اس کی شرح میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

قال العلمآء هذا الحديث حجة ظاهرة فی ان عليًا رضی اللّٰه عنه كان مُحقًا مصيبًا والطائفة الأُخرى بغاةٌ لكنهم مجتهدون فلا اثم عليهم (نووی شرح مسلم جلد ثانی ص ۳۹۶)

"علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بارے میں واضح حجت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اس جنگ میں جس میں آپ کی طرف سے حضرت عمار شہید ہوئے تھے) حق اور صواب پر تھے اور دوسرا گروہ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ)

باغی تھا لیکن چونکہ یہ حضرات مجتہد ہیں اس لئے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

(۲) حافظ ابن حجر عسقلانی اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں:۔

ودل حديث تقتل عمارًا الفئة الباغية ان عليًا كان المصيب في تلك الحرب لان اصحاب معاوية قتلوه .

(فتح الباری جلد ۱۳ ص ۷۵)

''اور یہ حدیث کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروہ قتل کرے گا اس پر دلالت کرتی ہے کہ اس جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر تھے کیونکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروہ والوں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا''۔

اس حدیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر تھے اور حضرت معاویہ اور آپ کا گروہ باغی تھے۔ لیکن آپ نے چونکہ اپنے اجتہاد کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ لڑی تھی اس لئے صورتاً باغی ہوں گے جس کی وجہ سے ان پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بہرحال حدیث اولی الطائفتین بالحق ہو یا فئۃ باغیہ والی دونوں کی روشنی میں محدثین کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ مجتہد مصیب ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مجتہد مخطی۔ اور اس کے برعکس سندیلوی صاحب کا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اقرب الی الحق قرار دینا سراسر ظلم ہے۔ حدیث فئۃ باغیہ کے متعلق بھی سندیلوی صاحب نے رکیک تاویلات پیش کی ہیں اور کتنے صفحات اس میں سیاہ کئے ہیں۔ لیکن بخوف طوالت ہم اس بحث کو نظر انداز کرتے ہیں۔ البتہ ابو الاعلیٰ مودودی نے اس حدیث کے تحت لکھا ہے کہ:۔

متعدد صحابہ و تابعین نے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جنگ میں مذبذب تھے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی شہادت کو یہ معلوم کرنے کے لئے ایک علامت قرار دیا کہ فریقین میں سے حق پر کون ہے اور باطل پر کون (خلافت وملوکیت ص ۱۳۹)۔

پھر لکھتے ہیں:۔

''اور ظاہر ہے کہ ان کو قتل صرف معاویہ کے گروہ نے کیا تھا نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

گروہ نے'' (ایضاً ص۲۳۹)

تو مودودی صاحب کا اس جنگ کو حق و باطل کی جنگ قرار دینا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ یہ اجتہادی اختلاف کی بنا پر جنگ ہوئی تھی اور اجتہادی اختلاف میں حق و باطل کا تقابل نہیں ہوتا بلکہ صواب وخطا کا تقابل ہوتا ہے اور اجتہادی خطا میں بھی مجتہد کو ایک درجہ ثواب ملتا ہے لیکن مودودی صاحب کے نزدیک چونکہ صحابہ کرام بلکہ خلفائے راشدین بھی معیار حق نہیں ہیں اس لئے وہ بے باکی سے ایسی باتیں لکھ جاتے ہیں۔ سندیلوی صاحب پر لازم تھا کہ وہ مودودی صاحب کے ان نظریات کا ابطال کرتے جو اہل السنّت والجماعت کے خلاف ہیں۔ لیکن انہوں نے تو مسلک اہل السنّت والجماعت پر بھی ہاتھ صاف کرنے کی خدمت سرانجام دی ہے۔ گویا کہ مودودیت کی آڑ میں ان کو مسلک اہل السنّت والجماعت کے مجروح کرنے کا ایک بہانہ مل گیا ہے اور سندیلوی صاحب کے لئے بڑی مشکل یہ ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی نسبت کو بھی کسی طرح برداشت نہیں کرتے۔ اس لئے طرح طرح کی بیجا تاویلات کا سہارا لے کر اپنا جی خوش کر لیتے ہیں۔

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

چوتھا مسلک

مولانا سندیلوی اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں:۔ امام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں بسلسلہ بحث مذکور صفحہ ۳۷۳ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

وطائفة رابعة تجعل علیاً هو الامام و کان مجتهدا مصیبًا فی القتال ومن قاتله کانوا مجتهدین مخطئین وهذا قول کثیر من اهل الکلام والرأی من اصحاب حنیفه ومالك والشافعی واحمد وغیرهم.

''ایک چوتھا گروہ کہتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ وقت تھے وہ مجتہد تھے اور ان کا اجتہاد جنگ کے بارے میں صحیح تھا اور جن صحابہ نے ان سے جنگ کی ان

سے اجتہادی غلطی سرزد ہوئی۔ یہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد
کی پیروی کرنے والے بہت سے متکلمین اور اصحاب رائے کا مسلک ہے“
(خود ان ائمہ اربعہ کا مسلک نہیں۔ناقل)

مشاجرات صحابہ کے بارے میں اہل سنت کے یہ تین مسلک ہیں مگر مودودی صاحب نے ان سب سے اعراض کر کے ایک جدید مسلک ایجاد فرمایا جو سب مسالک اہل حق کے خلاف ہے بلکہ مذہب اہل سنت کے مزاج کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ آپ نے دیکھا کہ مسالکِ مذکورہ اختیار کرنے والوں میں سے کسی نے بھی فریقین میں سے کسی کو مرتکب معصیت نہیں قرار دیا۔ یہ فخر مودودی صاحب ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے اس مقدس ہستیوں کے اقدامات کو خلاف شریعت یعنی گناہ کہہ کر چاند پر خاک ڈالنے کی سعی لاحاصل کی جس کا حاصل یہ ہے کہ اپنا نامہ ءاعمال سیاہ کیا اور عذاب آخرت کے مستحق ہوئے کیونکہ ان مقدس حضرات کی طرف بغیر دلیل شرعی کے معصیت کی نسبت کرنا خود معصیت کبیرہ ہے“ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۶)

الجواب:۔ (۱) میرے پاس منہاج السنۃ کا نسخہ مطبوعہ مصر ہے اور اس میں مندرجہ بالا عبارت ص ۱۴۱ پر ہے۔ سندیلوی صاحب نے جو مودودی صاحب پر اعتراض کیا ہے اور ان کے قول کو مسالک اہل السنّت والجماعت کے خلاف لکھا ہے اس کی جوابدہی مودودی صاحب کے معتقدین ومقلدین (علماء ہوں یا غیر علماء) کے ذمہ ہے۔ ہم تو مودودی صاحب کو ان کے عقائد ونظریات کی بنا پر اہل السنّت والجماعت سے خارج قرار دیتے ہیں۔

(۲) علامہ ابن تیمیہ نے پانچ اقوال میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سلسلہ میں جو دوسرا قول لکھا ہے اس کا حوالہ دیتے ہوئے سندیلوی صاحب نے لکھا ہے کہ:۔ نقل مسالک کے اسی سلسلہ میں امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

فقالت طائفة لم يكن في ذلك الزمان امام عام بل
كان زمان فتنة وهذا قول طائفة من اهل الحديث

البصریین وغیرھم.

"ایک گروہ کا قول یہ ہے کہ اس زمانہ (مشاجرات) میں کوئی امام عام نہ تھا بلکہ وہ فتنہ کا زمانہ تھا، یہ بصری محدثین کے ایک گروہ اور بعض دوسرے لوگوں کا قول ہے"۔

مودودی صاحب نے بڑے طمطراق کے ساتھ لکھا ہے کہ علماء اہل سنّت میں آج تک کوئی عالم بھی ایسا نہیں گزرا جس نے حضرت عثمانؓ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ راشد نہ تسلیم کیا ہو۔ یا ان کی بیعت صحیح ہونے میں شک ظاہر کیا ہو (خلافت وملوکیت ص ۳۲۸)

مندرجہ بالا قول دیکھنے کے بعد ہر شخص ان کے اس دعویٰ کو غلط اور ناواقفیت و بے خبری پر مبنی سمجھے گا۔ مندرجہ بالا مسلک رکھنے والے محدثین بھی اہل سنّت ہی تھے۔ اس مسلک کو ہم صحیح نہیں سمجھتے۔ لیکن اس کا وجود تو تھا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم حاشیہ ۴۵۰)

سندیلوی صاحب سے سوال

مولانا سندیلوی سے ہمارا سوال یہ ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے چاروں خلفائے راشدین کی امامت وخلافت کو تسلیم کرنا عقائد اہل السنّت میں شمار کیا ہے اور آپ خود بھی یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے یعنی حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیۃ استخلاف میں فرمایا گیا ہے۔ (جواب شافی ص ۱۰)

دور صحابہ میں تو حضرت علی المرتضیٰ کو ان آیتوں کا مصداق قرار دینے میں اشکال تھا کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات کے آخری لمحہ تک اس وقت تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ آپ ہی مصداق ہیں لیکن بعد میں آپ کا مصداق ہونا بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے یقینی ہوگیا۔ اور اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ اسی پر مبنی ہے تو اب مولانا سندیلوی کس اصول پر ان لوگوں کو اہل السنّت میں شمار کر سکتے ہیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت وامامت کے قائل نہیں ہیں۔ بینوا توجروا

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تنقیص

ایسا معلوم ہوتا ہے جہاں کہیں محقق مذکور کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عظمت خلافت کی تنقیص کے لئے کوئی بات مل جاتی ہے اس سے ضرور فائدہ اُٹھانے کی کوشش کرتے ہیں ورنہ یہاں اس جواب کی کیا ضرورت تھی (۲) اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت مجروح کرنے کے لئے فرماتے ہیں:۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بعد حضرات خلفائے ثلثہ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے دورِ صحابہ میں یہ خیال عام نہ تھا۔ جمہور صحابہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تک تو ترتیب فضیلت حسب خلافت سمجھتے تھے اس کے بعد کسی کو افضل امت نہیں سمجھتے تھے (ایضاً ص ۴۲۱)

(۳) سندیلوی صاحب نے منہاج السنۃ کی مذکورہ زیر بحث عبارت کے ترجمہ کے بعد جو قوسین میں لکھا ہے کہ خود ان ائمہ اربعہ کا مسلک نہیں۔ ناقل) یہ ان کا بیجا تعصب ہے۔ ان پر لازم تھا کہ اس پر کوئی نقلی دلیل پیش کرتے۔ کیا ائمہ اربعہ کے مقلدین فقہاء و محدثین نے اپنے ائمہ کے خلاف ایک غلط مسلک اختراع کر لیا تھا۔ فرمائیے! امام نووی رحمۃ اللہ علیہ شافعی ہیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب ہونے اور حضرت معاویہ کے مخطی مجتہد ہونے کے قائل ہیں۔ قاضی ابوبکر بن عربی مالکی ہیں لیکن یہی اعتقاد رکھتے ہیں جیسا کہ ان کے مسلک احکام القرآن اور العواصم من القواصم کی پیش کردہ عبارتوں سے ثابت کیا جا چکا ہے ملاحظہ ہو ص ۲۸۷) اور خود امام ابن تیمیہ حنبلی ہیں لیکن وہ بھی اہل السنت والجماعت کا یہی عقیدہ بیان کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ویتبراون من طریقة الروافض الذین یُبغضون الصحابة ویسبونهم وطریقة النواصب الذین یؤذون اهل البیت بقول او عمل ویمسکون عما شجر بین الصحابة ویقولون ان هذه الآثار المرویة فی مساویهم منها ماهو کذب ومنها ماقد زید فیه و نقص وغیّر عن وجهه والصحیح منه هم فیه

معذورون اما مجتهدون مصيبون واما مجتهدون مخطؤن وهم مع ذلك لا يعتقدون ان كل واحد من الصحابة معصوم عن كبائر الاثم وصغائره .

(شرح العقیدۃ الواسطیۃ ص۴۴۹ طبع ریاض)

''اور اہل السنت والجماعت روافض کے طریقہ سے براءت (بیزاری) کرتے ہیں جو صحابہ سے بغض رکھتے ہیں اور ان کو سبّ کرتے ہیں اور نواصب کے طریقہ سے بھی براءت کرتے ہیں جو قول اور عمل سے اہل بیت کو ایذا دیتے ہیں اور صحابہ کرام کے باہمی جھگڑوں (کے بیان) سے رُکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صحابہ کے عیوب کے بارے میں جو روایات مذکور ہیں ان میں سے تو بعض بالکل جھوٹ ہیں اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ ان (واقعات) میں کمی بیشی کی گئی ہے اور ان کی شکل تبدیل کر دی گئی ہے اور جو بعض روایات صحیح مذکور ہیں تو اس میں وہ معذور ہیں یا اپنے اجتہاد میں وہ صواب کو پہنچنے والے ہیں۔ یا اجتہاد میں خطا کرنے والے ہیں اور اس کے باوجود وہ (اہل السنت) یہ عقیدہ نہیں رکھتے کہ ہر ہر صحابی بڑے اور چھوٹے گناہوں سے معصوم تھے''۔

مندرجہ عبارت سے واضح ہو گیا کہ خود امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی صحابہ کرام کی ان جنگوں میں بعض کو مجتہد مصیب مانتے تھے اور بعض کو مجتہد مخطی۔ اور اس عقیدہ کو انہوں نے عقائد اہل سنت کے تحت لکھا ہے۔ (ب) علاوہ ازیں ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ صحابہ کرام کی مشاجرات پر بحث کرتے ہوئے منہاج السنۃ میں بھی لکھتے ہیں:۔

والذين قاتلوه لا يخلوا ما ان يكونوا عُصاةً او مجتهدين مخطئين او مصيبين وعلى كل تقدير فهذا الا يقدح فى ايمانهم ولا يمنعهم الجنة (منہاج السنۃ جلد دوم ص ۲۰۵)

''اور جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ہے وہ اس حال سے خالی

نہیں کہ یا تو وہ گنہگار ہیں خطا کرنے والے یا صواب کو پانے والے۔ اور بہر صورت یہ بات ان کے ایمان میں کوئی خرابی پیدا نہیں کرتی اور ان کو جنت سے نہیں روکتی"۔

اس کے بعد اسی سلسلے میں لکھتے ہیں:۔

ولهذا اتفق اهل السنة على انه لا تفسق واحدة من الطائفتين وان قالوا فى احدهما انهم كانوا بغاة لانهم كانوا متأولين مجتهدين والمجتهد المخطى لا يكفر ولا يفسق.

"اور اسی وجہ سے اہل سنت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی فاسق نہیں ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ باغی ہیں کیونکہ وہ مجتہد ہیں تاویل کرنے والے اور مجتہد مخطی (جس سے خطا ہو جائے) نہ کافر ہوتا ہے نہ فاسق الخ اس عبارت سے بھی واضح ہو گیا کہ علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک مشاجرات صحابہ میں اہل السنت والجماعت کا عقیدہ نہ توقف کا ہے (جسے سندیلوی صاحب قوی ترین مسلک قرار دیتے ہیں) اور نہ ہی کل مجتہد مصیبؐ کا ہے (کہ فریقین میں سے کسی سے اجتہادی خطا نہیں ہوئی) بلکہ اہل السنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ ان کا اختلاف اجتہادی تھا جس میں بعض کا اجتہاد صحیح تھا اور بعض کا غلط۔ اور سندیلوی صاحب یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ ابن تیمیہ کے نزدیک مشاجرات صحابہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خطائے اجتہادی ہوئی تھی اور حضرت معاویہ کا اجتہاد صحیح تھا۔ کیونکہ اہل سنت کے جو تینوں مسلک انہوں نے بیان کئے ہیں ان میں سے یہ مسلک نہیں ہے اور اگر اس پر سندیلوی صاحب اصرار کریں تو یہ چوتھا مسلک بن جائے گا۔ علاوہ ازیں امام غزالی رحمہ اللہ احیاء العلوم میں تصریح کر چکے ہیں کہ **ولم يذهب الى تخطئة على ذو تحصيل اصلاً** (اور کسی صاحب علم نے یہ نہیں کہا کہ اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہوگئی) اب محقق سندیلوی خود ہی

اپنے جال میں پھنس گئے ہیں۔ ع

لو آپ اپنے جال میں صیاد آگیا

(۴) اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمہور اہل السنّت کا مسلک مشاجرات صحابہ کے بارے میں توقف کا نہیں ہے اور سندیلوی صاحب نے ابن حزم کی جو عبارت پیش کی ہے اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب تو صرف یہ ہے کہ بلاضرورت مشاجرات صحابہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ نیز یہ قطعی طور پر کسی ایک فریق کو مصیب یا مخطی نہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے جس میں اختلاف کی گنجائش ہوتی ہے۔ ورنہ اگر یہ مطلب اس عبارت کا لیا جائے تو پھر ابن تیمیہ اور دوسرے محققین اہل السنّت نے اہل السنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ کو یہ بیان کیا ہے کہ اس میں حضرت علی مجتہد مصیب ہیں اور حضرت معاویہ مخطی مصیب۔ اس سے اس کا تعارض لازم آتا ہے اور خود علامہ ابن حزم بھی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں۔ جیسا کہ شروع میں بھی بحث گزر چکی ہے (ملاحظہ ہو ص ۲۹۲)

حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا مسلک

محبوب سبحانی غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ حنبلی عقائد اہل سنت کے بیان میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بیعت خلافت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

فکان اماماً حقا الی ان قتل خلاف ماقالت الخوارج انه لم یکن اماماً قط . بتالهم واما قتاله بطلحةؓ و الزبیرؓ وعائشةؓ ومعاویةؓ فقد نص الامام احمد رحمه الله علی الامساك عن ذلك وجمیع ما شجر بینهم من منازعة ومنافرة وخصومة لان الله تعالیٰ یزیل ذلك من بینهم یوم القیمة کما قال عزّوجل ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقبلین ولان علیا کان علی الحق فی قتالهم لانه کان یعتقد صحة امامة علی مابیّنا من اتفاق اهل الحل والعقد من الصحابة حربًا کان باغیًا خارجًا عن الامام

فجاز قتاله ومن قاتله من معاوية وطلحة والزبير طلبوا ثار عثمان خليفة حق المقتول ظلمًا والذين قتلوه كانوا في عسكر عليؓ فكل ذهب الى تاويل صحيح فاحسن احوالنا الامساك في ذلك وردهم الى الله عزوجلّ.

"پھر آپ شہادت پانے کے وقت تک سچے اور برحق امام رہے بخلاف خوارج کے جو کہتے ہیں کہ وہ ہرگز امام نہ تھے۔ ہلاکت ہو ان کے واسطے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ طلحہ اور زبیر اور عائشہ اور معاویہ سے جو حضرت علی کی جنگ ہوئی ہے تو ہم کو مناسب نہیں کہ ان کے جھگڑوں اور ان کی آپس کی نفرت اور لڑائی کی نسبت گفتگو اور رائے زنی کرتے رہیں اللہ تعالیٰ ان کے معاملہ کو جانتا ہے اور وہی قیامت کو ان کے دل صاف کردے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو کچھ بھی کینہ ان کے سینوں میں تھا قیامت کے دن ہم اس کو نکال دیں گے اور اس وقت وہ بھائی بھائی ہو جائیں گے اور آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس لڑائی میں حق پر تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ وہ امام برحق ہیں کیونکہ صحابہ اہل حل وعقد نے ان کی امامت اور خلافت پر اتفاق کیا تھا پس اس کے بعد جو شخص ان کی اطاعت سے باہر ہوا اور ان کے سامنے جنگ کرنے کے واسطے مستعد ہوا وہ امام سے باغی اور اس کے حکم سے نکل گیا اور اس کے ساتھ لڑائی کرنا جائز ہوا اور معاویہؓ طلحہؓ و زبیرؓ نے جو آپ کے ساتھ جنگ کی تھی اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ وہ آپ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قصاص مانگتے تھے جو ظلم سے قتل ہوئے تھے اور جن لوگوں نے ان کو قتل کیا تھا مانگتے تھے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے اس لئے ہر ایک نے اس کے جنگ کے باب میں تاویل کی ہے۔ وہ بجائے خود صحیح اور درست کی ہے اور ہمارے واسطے بہتر ہے۔ اس قسم کی گفتگو سے اپنی زبان کو روکیں اور ان کے معاملہ کو خدا سپرد کردیں کیونکہ وہ احکم الحاکمین اور خوب فیصلہ کرنے والا ہے۔" (غنیۃ الطالبین مترجم)

یہاں حضرت غوث اعظم نے تصریح فرما دی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بوجہ اہل حق وعقد کی بیعت کے امام برحق ہیں ان کی اطاعت سے جو شخص باہر ہوا اور ان کے ساتھ جنگ کی وہ باغی ہے اس کے ساتھ جنگ کرنا (حضرت علی کی طرف سے) جائز ہے۔ اصل حکم تو یہی ہے اب یہاں اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھی تو جنگ کی تھی اور اطاعت نہیں کی تھی تو اصل حکم تو ان کا بھی وہی ہے لیکن چونکہ وہ مجتہد تھے اپنی اجتہادی دلیل کی بنا پر انہوں نے اطاعت نہیں کی تھی کہ جنگ تک نوبت پہنچ گئی وہ چونکہ اپنی تاویل کو صحیح سمجھ کر مخالف ہوئے ہیں تو ان کو حقیقتاً باغی تو نہیں قرار دیا جائے گا۔ لیکن امام وقت سے جنگ کی بنا پر ان کی طرف اجتہادی خطا منسوب کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مگر صحابہ کرام کی باہمی جنگوں کے ذکر سے ان حضرات سے بدظنی پیدا ہوسکتی ہے اس لئے اس بحث میں نہ پڑنا چاہیے۔ ان کے مابین جو کدورت پیدا ہوئی ہے وہ اللہ تعالیٰ آخرت میں دور کریں گے اور وہ بھائی بھائی بن جائیں گے تو اس کو مسلک توقف نہیں کہہ سکتے کیونکہ اصل حکم تو واضح کر دیا کہ حضرت علی سے لڑنے والے باغی ہیں لیکن صحابہ کرام کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس کی وجہ سے کہ ان سے بدظنی پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔ لہٰذا امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مشاجرات صحابہ کے بارے میں امساک کا حکم دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کا مسلک توقف کا تھا کیونکہ حضرت مجدد الف ثانی وغیرہ اکابر بھی امساک ہی کو بہتر قرار دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود صراحتاً حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصیب قرار دیتے ہیں۔

(۲) حضرت غوث اعظم فرماتے ہیں:۔

واما خلافة معاوية بن ابی سفيان فثابتةٌ صحيحة بعد موت علیؓ وبعد خلع الحسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی الله تعالىٰ عنهما نفسه على الخلافة وتسليمها الى معاوية .(غنية الطالبين)

"اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن سفیان کی خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے اپنی خلافت کے دستبردار ہونے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ

کے سپرد کر دینے کے بعد ثابت اور صحیح ہے"۔

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت غوث اعظم کے نزدیک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حیات میں خلیفہ نہیں تھے اور یہی جمہور اہل سنت کا مسلک ہے جس کو امام ابن ہمام نے "المسائرۃ" میں بھی بیان فرمایا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ حضرت علی المرتضیٰ کی حیات میں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حکمین کے فیصلہ کے بعد اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ یہ ان کی اجتہادی غلطی تھی اور حکمین کا فیصلہ بھی خطا پر مبنی تھا۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوال ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس کے جانشین (خلیفہ) تھے؟

امّا تصویب القتال کا مطلب

سندیلوی صاحب نے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی یہ عبارت بھی پیش کی ہے:۔

"اما تصویب القتال فلیس ھو قول ائمت السنۃ بل ھم یقولون ان ترکہ کان اولی."

"مگر جنگ کو مناسب قرار دینا ائمہ حدیث کا مسلک نہیں ہے بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس کا (جنگ کا) ترک کرنا اولیٰ (بہتر تھا)" (اظہار حقیقت جلد۲ ص ۴۴۶)

بعد ازاں اس بحث میں لکھتے ہیں:۔ اما تصویب القتال سے جو مضمون شروع ہوتا ہے اس کا تعلق در حقیقت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ جملے کا مطلب یہ ہے کہ آں محترم نے جو اصحاب جمل و اصحاب صفین سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا یہ موصوف کی اجتہادی غلطی تھی مگر اجتہادی غلطی صرف اس حد تک ہوئی کہ آں محترم نے ترک اولیٰ فرمایا۔ اولیٰ یہ تھا کہ جنگ نہ کرتے مگر حدود جواز سے تجاوز نہیں فرمایا۔ یعنی قتال کا اقدام شرعاً جائز تھا مگر خلاف اولیٰ تھا" (ص ۴۴۸)

الجواب:۔ (۱) سندیلوی صاحب نے یہاں صراحتاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی غلطی کی نسبت کی ہے حالانکہ متاخرین حضرات کی انتہائی غصہ سے اسی بناء پر تردید کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی غلطی کی نسبت کیوں کی ہے۔

(ب) لیکن بعد میں اس غلطی کا احساس ہوا تو اس کی تاویل یہ کی کہ اجتہادی غلطی سے مراد ترکِ اولیٰ ہے لیکن وہ یہ بھی نہ سمجھ سکے کہ ترکِ اولیٰ کو تو غلطی کہہ ہی نہیں سکتے۔ اگر ترکِ اولیٰ تھا تو اس کو اجتہادی غلطی کیوں کہا اور پھر تعجب اس پر ہے کہ اسی کام کو غلطی کہا اور پھر اسی کام کو جائز کہہ دیا۔

"قتال کا اقدام شرعاً جائز تھا"۔

فرمائیے جو کام جائز ہو اس کو کوئی عقلمند غلط بھی کہتا ہے۔ کیا ایک کام بیک وقت جائز بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ محقق سندیلوی کو کون سمجھائے کہ ترکِ اولیٰ اور خطائے اجتہادی دونوں آپس میں قسیم ہیں ترکِ اولیٰ میں ایک کام کے دونوں پہلو جائز ہوتے ہیں لیکن ایک پہلو دوسرے سے بہتر ہوتا ہے۔

(ج) سندیلوی صاحب کی مزید فنکاری یہ ہے کہ انہوں نے مذکورہ عبارت کا مصداق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔ اس کا تعلق درحقیقت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔

حالانکہ اس عبارت کا تعلق فریقین سے ہے چنانچہ اس بحث میں علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ آگے چل کر قتال فتنہ کے بارے میں متعدد احادیث پیش کر کے لکھتے ہیں:۔

وامثال ذلك من الاحاديث الصحيحة التى تبين ان ترك القتال كان خيرا من فعله من الجانبين وعلى هذا جمهور ائمة اهل الحديث والسنة وهو مذهب مالك والثورى واحمد وغيرهم . (منهاج السنة جلد اول ص ۱۴۵)

"اور اس قسم کی صحیح احادیث ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ جانبین (فریقین کے لئے جنگ نہ کرنا بہتر تھا جنگ کرنے سے"۔

لیکن سندیلوی صاحب نے اس کو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ پر چسپاں کر کے اپنے بیقرار دل کو قرار دے دیا۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ جنگ کے بہتر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ کاش کہ یہ جنگیں نہ ہوتیں لیکن اس کے باوجود جب اس جنگ وقتال کو زیر بحث لایا

جائے گا تو پھر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ اس اجتہادی اختلاف میں صواب پر کون تھا اور خطا پر کون۔ چنانچہ خود علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے جنگ نہ کرنے کو بہتر قرار دیتے ہوئے جب قتال کے متعلق بحث کی ہے۔ تو ایک فریق کو صواب پر اور دوسرے کو خطا پر قرار دیا ہے۔ اور اہل سنت کا متفق علیہ مسلک بھی بیان کر دیا ہے۔

عقیدہ طحاویہ کی بحث

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ اگرچہ علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ کی طرف دوسرا مسلک منسوب کیا ہے علیٰ ھذا امام مالک۔ سفیان ثوری اور جمہور اکابر محدثین کی طرف سے بھی اسی مسلک کی نسبت ہے جو ہم۔ نے بعنوان تیسرا مسلک صفحات گزشتہ میں بیان کیا ہے مگر عقیدۃ الطحاوی دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مسلک وہی تھا جو غیر جانبدار صحابہ کرام کا تھا۔ یعنی توقف اور سکوت۔ کتاب مذکور مطبوعہ اشرف پریس لاہور (صفر ۱۳۹۲ھ صفحہ ۶۶ پر امام طحاوی رحمہ اللہ صحابہ کرام کے متعلق عقیدہ اہل سنت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:۔

> ونحب اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ولا نُفرِط فی حب احد منھم ولا نتبرّأ من احد منھم ونبغض من یبغضھم وبغیر الحق یذکرھم۔ ولا نذکرھم الا بالخیر وحُبّھم دین و ایمان واحسان وبغضم کفر و طغیانٌ.

> "اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب سے محبت رکھتے ہیں اور ان میں سے کسی کی محبت میں غلو نہیں کرتے اور نہ کسی سے اظہار برات کرتے ہیں جو ان سے (صحابہ رضی اللہ عنہم سے) بغض رکھتا ہے اور برائی کے ساتھ ان کا تذکرہ کرتا ہے اس سے ہم بغض رکھتے ہیں۔ اور ہم ان کا (صحابہ کرام) کا تذکرہ صرف بھلائی سے کرتے ہیں اور ان (صحابہ کی) محبت دین ایمان اور احسان ہے اور ان سے عداوت کفر، نفاق اور سرکشی ہے"۔

پھر ص ۶۷۔۶۸ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

ومن احسن القول فی اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وازواجہ وذریاتہ فقد بری من النفاق.

”جو شخص صحابہ کرام اور آنحضور ﷺ کی ازواج و ذریت کے متعلق اچھی رائے رکھے وہ نفاق سے بری ہوگیا (یعنی ایسا شخص پکا مومن ہے منافق نہیں ہوسکتا)“ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۸)

الجواب:۔ (۱) عقیدہ طحاوی کی مندرجہ عبارت توقف کے مسلک کے لئے واضح نہیں ہے اس کا اصل مفاد تو یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے محبت کرنا ایمان کا جزو ہے اور ان سے بغض رکھنا کفر و نفاق کی علامت ہے۔ اور یہ دراصل رسول اللہ ﷺ کے حسب ذیل ارشاد کا خلاصہ ہے:۔

اَللّٰہ اللّٰہ فِیْ اَصْحَابِیْ لَا تتخذوھم عرضًا من بعدی من احبھم فحبّی اَحَبَّھُمْ وَمَنْ اَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَھُمْ.

(مشکوٰۃ شریف)

”میرے اصحاب کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ میرے بعد ان کو ہدف ملامت نہ بناؤ۔ جو میرے صحابہ سے محبت کرے گا وہ میری محبت ہی کی وجہ سے کرے گا۔ اور جو ان سے بغض رکھے گا وہ میرے ساتھ بغض رکھنے کی وجہ سے ہی رکھے گا اور بے شک اہل السنت والجماعت کا یہی متفق علیہ عقیدہ ہے“

بیان خطائے اجتہادی ذکر خیر کے خلاف نہیں

عقیدہ طحاوی کے یہ الفاظ کہ:۔ ولا نذکرھم الا بالخیر (ہم ان کا تذکرہ صرف بھلائی کے ساتھ کرتے ہیں) بالکل صحیح ہیں۔ اہل سنت کا یہی ضابطہ ہے۔ لیکن اس کو سندیلوی صاحب کی طرف سے مسلک توقف کی تائید میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ خطائے اجتہادی اور ذکر خیر میں کوئی منافات نہیں۔ اگر سندیلوی صاحب یہ سمجھتے ہیں کہ خطائے اجتہادی کا قول اس ضابطہ کے خلاف ہے تو یہ ان کی کج فہمی کا نتیجہ ہے کیونکہ

حضرات صحابہ کرام کے متعلق یہی فرماتے ہیں کہ ان کا ذکر سوائے بھلائی کے نہ کرنا چاہیے وہ اس بات کی بھی تصریح کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان مشاجرات میں خطائے اجتہادی کا صدور ہوا ہے۔ چنانچہ سندیلوی صاحب نے ''جواب شافی'' میں اپنے اس موقف کی تائید میں ''النبراس'' کی جو عبارت پیش کی تھی اس کا جواب ص ۲۵۴ پر گذر چکا ہے اور یہ ضابطہ تسلیم کرنے کے باوجود حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب فرھاروی ''النبراس'' میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد مخطی قرار دیتے ہیں۔ علاوہ ازیں علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ محدث حنفی لکھتے ہیں:۔

ولا نذکر احداً من اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم الا بخیر وان صدر من بعضھم بعض ما فی صورۃ الشرّ .

''اور ہم اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی کا ذکر بھی سوائے بھلائی کے نہیں کرتے اگرچہ ان میں سے بعض سے ایسے عمل کا صدور ہوا ہو جو صورتاً شر ہے (نہ کہ حقیقتاً) الخ'' (شرح فقہ اکبر ص ۸۵ مطبوعہ دھلی)

(ب) **وقد کان امر طلحۃؓ والزبیرؓ خطأً غیر انھما فعلاً ما فعلاً عن اجتھاد وکانا من اھل الاجتھاد .** (ایضاً ص ۸۲)

''اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا امر غلط تھا البتہ یہ جدا بات ہے کہ وہ دونوں مجتہد تھے اور انہوں نے جو کچھ کیا اپنے اجتہاد کی بنا پر کیا''۔

(ج) پھر لکھتے ہیں:۔

ثم کان معاویۃ مخطیاً الا انہ فعل مَا فعل عن تاویل فلم یصر بہ فاسقاً .

''پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (اس میں) خطا کرنے والے تھے مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کی بنا پر کیا اس لئے اس کی وجہ سے وہ فاسق نہ ہوئے''۔

فرمائیے۔ علامہ ملا علی قاری محدث رحمۃ اللہ علیہ حنفی یہ ضابطہ تسلیم کرنے کے باوجود کہ ہم

صحابہ کا ذکر سوائے بھلائی کے نہیں کرتے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان محاربات (جمل ہو یا صفین) اجتہادی طور پر خطا والے قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ دونوں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ علاوہ ازیں دوسرے اکابر اہل سنت مثلاً حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ ضابطہ مذکورہ ماننے کے باوجود ان حضرات کو حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں مجتہد مخطی قرار دیتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ عقیدہ طحاویہ میں مندرجہ ضابطہ بیان کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک مشاجرات صحابہ میں توقف کا ہے۔ بلکہ جمہور کا مسلک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب اور دوسرے حضرات کے مخطی ہونے کا ہے۔

(۲) اس کے بعد سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ علامہ شیخ عبداللہ بن حسن بن حسین حنبلی شرح الطحاویہ فی العقیدۃ السلفیہ (مطبوعہ المطبعۃ السلفیہ مکہ مکرمہ طبع ۱۳۴۹ھ ص ۲۱۲) پر امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی اول الذکر عبارت کی شرح میں بذیل فضائل علی رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:۔

والفتن التی کانت فی ایامہ قد صانہ اللّٰہ عنہا ایدینا فنسأل اللّٰہ ان یصون عنہا السنتنا بمنہ وکرمہ .

"اور جو فتنے ان کے زمانہ میں ہوئے ان سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو محفوظ رکھا۔ پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری زبانوں کو بھی محفوظ رکھے"۔

ملاحظہ ہو یہ وہی مسلک توقف ہے جو پہلے مسلک کے عنوان سے مذکور ہو چکا۔ اس کے بعد اسی عقیدۃ الطحاوی کا صفحہ ۲۸ دیکھئے اسی صفحہ سے کتاب کی ابتداء ہوئی ہے۔ اس مقام پر امام طحاوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:۔

ھذا ذکر بیان عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ علی مذھب ابی حنیفۃ النعمان بن الثابت الکوفی وابی یوسف یعقوب بن ابراھیم الانصاری وابی عبداللّٰہ محمد بن الحسن الشیبانی رضوان اللّٰہ علیھم اجمعین .

"یہ اہل السنّت والجماعت کے عقائد کا بیان ہے وہ عقیدے جو امام ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی۔ امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الانصاری اور ابوعبداللہ محمد بن حسن شیبانی رضوان اللہ علیہم اجمعین کا مذہب ہے" (ایضاً ص ۴۵۹)

الجواب: (۱) شارح عقیدہ طحاویہ کی مندرجہ عبارت سے مسلک توقف تو ثابت نہیں ہوتا۔ اپنی زبانوں کو ان کے جھگڑوں سے بچانے کا مطلب تو یہ ہے کہ ان کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کریں جو ان کے شرف صحابیت کے خلاف ہو اور جس میں ان کی تنقیص شان اور توہین پائی جاتی ہو۔ جو حضرات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں وہ بھی یہی کہتے ہیں۔ چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"قال الشافعی و ھو منقول عن عمر بن عبدالعزیز ایضاً تلك دمآء طھر اللہ عنھا ایدینا فلنطھر عنھا السنتنا."

"ازیں عبارت مفہوم می شود کہ خطائے ایشاں راہم برزبان نباید آورد و غیر از ذکر خیر ایشاں نباید کرد"۔

(مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۵۱ طبع قدیم ص ۲۴۷)

"امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے بھی منقول ہے کہ یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے پس ہم کو چاہیے کہ ہم اپنی زبانوں کو بھی ان سے پاک رکھیں"۔

اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے اور ان کا ذکر بغیر بھلائی کے نہ کرنا چاہیے۔ اس کے باوجود اسی مکتوب میں حضرت مجدد قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

شیخ ابو شکور سالمی درتمہید تصریح کردہ کہ اہل سنت و جماعت برانند کہ معاویہ با جمع از اصحاب کہ ہمراہ او بودند برخطا بودند و خطائے ایشاں اجتہادی بود و شیخ ابن حجر در صواعق گفتہ کہ منازعت معاویہ باامیر از روئے اجتہاد بودہ و ایں قول را از معتقدات اہل سنت فرمودہ۔

شیخ ابو شکور سالمی رحمۃ اللہ علیہ نے تمہید میں تصریح کی ہے کہ اہل السنّت والجماعت کا

موقف یہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی خطا پر تھے اور ان کی خطا اجتہادی تھی اور شیخ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ (مکی) نے صواعق (محرقہ) میں فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جھگڑا ازروئے اجتہاد ہی ہوا ہے اور انہوں نے فرمایا ہے کہ یہ قول اہل السنت والجماعت کے عقائد میں سے ہے۔

باوجود اس تصریح کے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوا ہے۔ حضرت مجدد کا یہ لکھنا کہ:۔ ''ان کی خطا کو بھی زبان پر نہ لانا چاہیے'' اس امر کی دلیل ہے کہ جمہور اہل سنت کا مسلک مشاجرات صحابہ میں توقف کا نہیں ہے لیکن ان حضرات کی خطائے اجتہادی کا تذکرہ بغیر ضرورت کے نہیں کرنا چاہیے اور یہی مطلب عقیدہ طحاویہ کی عبارت کا ہے۔ اور توقف کا مطلب تو یہ ہوتا ہے کہ خطا و صواب میں کسی ایک جانب کی تعیین نہیں کی جاتی۔ چنانچہ شارح مسلم امام نووی فرماتے ہیں:۔

> وکان علی رضی اللہ عنہ ھو المحق المصیب فی ذلك الحروب ھذا مذھب اھل السنة وکانت القضایا مشتبھة حتی ان جماعة من الصحابة تحیّروا فیھا فاعتزلوا الطائفتین ولم تقاتلوا ولو تیقنوا الصواب لم یتاخروا عن مساعدته (نووی جلد ثانی ص ۳۹۰)

> ''اور ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے۔ یہ ہے مذہب اہل السنت۔ اور معاملات مشتبہ ہو گئے تھے حتیٰ کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت اس میں متحیر ہو گئی اور وہ فریقین سے علیحدہ رہے اور انہوں نے بالکل جنگ نہ کی۔ اور اگر ان کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صواب ہونے پر یقین ہوتا تو آپ کی مدد کرنے سے پیچھے نہ رہتے''۔

اس سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت کے توقف کا مطلب یہ ہے کہ مشاجرات کے سلسلہ میں جو اجتہادی اختلاف ہوا ہے اس میں بعض حضرات فریقین میں سے کسی کے صواب و خطا کی تعیین نہ کر سکے۔ ورنہ کسی ایک فریق کو حق و صواب پر جاننے

کے بعد وہ ضرور ان کی نصرت کرتے۔ اور ایک جماعت صحابہ کے توقف کے باوجود امام نووی رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب ہونے کو اہل السنت والجماعت کا مذہب قرار دے رہے ہیں۔ لہٰذا یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی مسلک اہل سنت توقف کا نہیں ہے۔ اور نہ ہی عقیدہ طحاوی میں کوئی لفظ توقف کا ہے۔ ان کی مراد بھی لانذکرھم الا بالخیر سے وہی ہے جو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اور دوسرے حضرات کی ہے یعنی اسلم یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کا ذکر ہی نہ کیا جائے اور اگر ضرورتاً اس کا تذکرہ آ جائے تو اس طرح بیان کیا جائے جس سے کسی صحابی کی تنقیص وتوہین لازم نہ آتی ہو۔

خطائے اجتہادی کا قول بے ادبی نہیں ہے

اور تعجب یہ ہے کہ خود مولانا سندیلوی صاحب اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:۔ کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں۔ اس لئے جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا الخ (ص ۲۶۵)

فرمائیے کہ جب خطائے اجتہادی کا قول بے ادبی نہیں ہے تو پھر لا نذکرھم الا بالخیر کے ضابطہ کو اس کے کیونکر مخالف قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ کس طرح لازم آتا ہے کہ جو حضرات اس ضابطہ کی تصریح کرتے ہیں ان کا مسلک مشاجرات صحابہ میں توقف کا ہے۔

شہادت حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کیوں منع فرمایا (امام غزالی رحمہ اللہ)

علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ المتوفی ۹۷۴ھ فرماتے ہیں:۔

"قال الغزالي وغيره ويحرم على الواعظ وغيره رواية مقتل الحسين ؓ وحكاياته وما جرى بين الصحابة من التشاجر والتخاصم فانه يهيج على بعض الصحابة والطعن فيهم وهم اعلام الدين تلقى ائمة الدين عنهم رواية ونحن تلقيناه من الائمة دراية فالطاعن فيهم طاعن في نفسه ودينه قال ابن

الصلاح والنووی الصحابة کلهم عدول وکان للنبی صلی اللّٰه علیه وسلم مائة الف واربعة عشر الف صحابی عند مرته صلی اللّٰه علیه وسلم والقرآن والاخبار ومصّرحان بعدالتهم وجلالتهم ولماجری بینهم محامل لا یتحمّل ذکرها فی هذا الکتاب انتهٰی ملخصًا وما ذکر من حرمة روایة قتل الحسین وما بعدها لاینا فی مذکرته فی هذا الکتاب لان هذا البیان الحق الذی یجب اعتقاده من جلالة الصحابة وبرآء تهم من کل نقص بخلاف ما یفعله الوعاظ الجهلة فانهم یاتون بالاخبار الکاذبة الموضوعة ونحوها. (الصواعق المحرقة ص ۱۳۳)

''امام غزالی رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے قتل اور ان کی حکایات کا بیان کرنا واعظ وغیرہ پر حرام ہے اور صحابہ کرام کے درمیان جو خصومت اور جھگڑے ہوئے ہیں ان کا بیان کرنا بھی حرام ہے کیونکہ یہ واقعات بغض صحابہ اور ان پر طعن کرنے کا باعث بنتے ہیں''۔

حالانکہ حضرات صحابہ دین کے نشانات ہیں ائمہ دین نے ان سے ہی روایتیں لی ہیں اور پھر ہم نے ان ائمہ دین سے فہم حاصل کی ہے پس ان حضرات پر طعن کرنے والا اپنی ذات اور دین پر طعن کرنے والا ہے۔ امام ابن صلاح رحمہ اللہ اور امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ تمام صحابہ عادل ہیں اور وفاتِ نبوی کے وقت ایک لاکھ چودہ ہزار اصحاب موجود تھے اور قرآن اور احادیث ان کی عدالت اور ان کی جلالتِ شان کی تصریح کرتی ہیں اور ان میں جو باہمی جھگڑا ہوا ہے ان کا اپنا اپنا محمل ہے اس کتاب میں اس کے ذکر کی گنجائش نہیں ہے (یہ اس عبارت کا خلاصہ ہے) اور انہوں نے جو حضرت حسین کے قتل اور بعد کے واقعات کا بیان کرنا واعظ کے لئے حرام قرار دیا۔ ہے یہ اس کے منافی نہیں ہے جو میں نے اس کتاب میں بیان کیا ہے کیونکہ یہ بیان حق ہے جس کا اعتقاد واجب ہے کیونکہ اس میں

صحابہ کرام کی جلالت شان اور ان کا مطاعن سے پاک ہونا مذکور ہے بخلاف اس کے جو جاہل واعظ کیا کرتے ہیں کیونکہ وہ جھوٹی اور موضوع روایات بیان کرتے ہیں۔

فرمایئے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے شہادت حسین اور مشاجرات صحابہ کا بیان کرنا حرام (ممنوع) قرار دیا ہے اوراس کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ ان واقعات سے لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو کر صحابہ کرام سے بدظن ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ ان کا صحیح محمل تجویز نہیں کر سکتے۔ لیکن باوجود اس کے خود ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت امام حسین کی شہادت اور یزید کا بھی ذکر کیا ہے اور مشاجرات صحابہ کی بحث کر کے حضرت علی المرتضیٰ کو مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخطی قرار دیا ہے اور اس کو بطور عقیدہ اہل سنت بیان کیا ہے۔ علاوہ ازیں مولانا سندیلوی کے نزدیک بھی مشاجرات صحابہ اور معرکہ حسین رضی اللہ عنہ و یزید کے بارے میں امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا ایک مسلک بیان کیا ہے (لیکن ان کا مسلک توقف نہیں ہے) علاوہ ازیں امام ابن صلاح رحمۃ اللہ علیہ (جو چھٹی صدی کے محدث ہیں) اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (جو ساتویں صدی کے ہیں) دونوں مشاجرات صحابہ کا ذکر کیا ہے اور امام نووی نے حضرت علی کے مصیب ہونے کو اہل السنت والجماعت کا مسلک قرار دیا ہے جس سے واضح ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مسلک اس بارے میں توقف نہیں ہے جس کو سندیلوی صاحب قوی ترین اور پسندیدہ قرار دیتے ہیں بلکہ ان واقعات کا بیان کرنا بلاضرورت اس لئے ممنوع قرار دیتے ہیں کہ ان کی وجہ سے وہ لوگ صحابہ کرام میں سے کسی نہ کسی فریق سے بدظن ہو سکتے ہیں جو صحیح محمل نہیں سمجھ سکتے اور امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ حضرات کی عبارت کی بھی یہی مراد ہے۔ اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ مولانا سندیلوی خود بھی مسلک توقف پر عمل نہیں کرتے چنانچہ انہوں نے اپنی زیر بحث کتاب میں مشاجرات صحابہ پر مفصل بحث کی ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی بھی نسبت کی ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگ صفین میں اقرب الی الحق بھی قرار دیا ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے سلسلہ میں یزید کو عادل وصالح اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو اس میں اجتہادی خطا کرنے والا قرار دیا ہے۔

اگر غفلت سے باز آیا جفا کی
تلافی کی بھی ظالم نے تو کیا کی

امام طحاوی رحمۃ اللہ کا عقیدہ خلافتِ راشدہ

امام طحاوی (متوفی ۳۲۱ھ) نے عقیدہ خلافت کے بیان میں تحریر فرمایا ہے:۔

ونُثبت الخلافة بعد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم اولاً لابى بكر الصديق رضى اللّٰه تعالىٰ عنه تفضيلاً له وتقديماً على جميع الامة ثم لعمر بن الخطاب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه ثم لعثمان رضى اللّٰه تعالىٰ عنه ثم لعلّى بن ابى طالب رضى اللّٰه تعالىٰ عنه وهم الخلفاء الراشدون والائمة المهديون.

"اور ہم رسول اللہ ﷺ کے بعد اولاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کرتے ہیں بوجہ اس کے کہ ان کو تمام امت پر افضلیت اور اقدمیت حاصل ہے پھر ان کے بعد حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور پھر حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت ثابت کرتے ہیں اور وہی خلفائے راشدین اور ائمہ مہدیین ہیں" (عقیدہ طحاویہ مترجم ص ۱۵۸ مطبوعہ نقوی پریس لاہور باہتمام مولانا محمد بشیر صاحب جیا موسیٰ لاہور)

اس کے تحت شارح مذکور علامہ علی بن علی بن محمد حنفی المتوفی ۷۹۲ھ آیت **والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار** پیش کرتے ہوئے یہ حدیث بطور دلیل پیش کرتے ہیں:۔

وقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم خلافة النبوة ثلثون سنة ثم يوتى اللّٰه ملكه من يشآ وترتيب الخلفاء الراشدين رضى اللّٰه عنهم اجمعين فى الفضل كترتيبهم فى الخلافة

"رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خلافت نبوت تیس ۳۰ سال ہوگی پھر جس کو چاہے گا اپنا ملک دے گا اور خلفائے راشدین کی باہمی فضیلت بھی حسب ترتیب

خلافت ہے“۔

اس میں شارح علامہ نے اِن چاروں خلفائے راشدین کی خلافت کو حدیث ثلثون سنة کا مصداق قرار دیا ہے اور خلفائے اربعہ کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی امام طحاوی نے ان کی خلافت کو بطور عقیدہ بیان کیا ہے حالانکہ سندیلوی صاحب نے لکھا ہے کہ:۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی امام برحق اور خلیفہ راشد تھے۔ (اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۱۹۳)

ہمارا سوال

سندیلوی صاحب ہی بتائیں کہ کس معنی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح خلیفہ راشد تھے آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ تو آپ کے نزدیک بھی ہیں لیکن حضرت معاویہ بوجہ مہاجرین اوّلین میں نہ ہونے کے اس کا مصداق نہیں بن سکتے۔

(ب) تیس سالہ خلافت نبوت والی حدیث کا مصداق بھی نہیں بن سکتے

(ج) حدیث علیکم بسنّتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین کا مصداق محدثین نے خلفائے اربعہ کو قرار دیا ہے۔ اور شارح طحاوی نے بھی اس کا مصداق خلفائے اربعہ ہی کو لکھا ہے۔

(د) اور طرفہ یہ کہ خود سندیلوی صاحب نے اپنی کتاب ”ایمان وایمانیات“ میں بعنوان: ”خلفائے اربعہ“ بالترتیب خلفائے اربعہ کا ہی ذکر کیا ہے اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کا بالکل ذکر نہیں کیا۔ علاوہ ازیں صحابہ کے بارے میں بعنوان:۔ ”عقیدہ متعلق صحابہ کرام“ جو کچھ لکھا ہے اس میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا خصوصیت سے کوئی ذکر نہیں ہے۔ البتہ فضائل صحابہ کے بیان میں یہ لکھا ہے کہ:۔ بلا استثناء کسی صحابی کی شان میں ادنیٰ بے ادبی وگستاخی بھی گناہ کبیرہ، گمراہی اور موجب غضب الٰہی ہے۔ صحابہ کرام کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ہمیں فریق بننے کا کوئی حق نہیں بلکہ ہمارا

فریضہ ہے کہ غیر جانبدار ہو کر فریقین کے ساتھ حسنِ ظن اور عقیدت رکھیں۔ دونوں کو مخلص، متقی اور دیندار سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ فریقین کے درمیان رائے کا اختلاف تھا مگر دونوں میں سے کسی کی للّٰہیت اور اس کے اخلاص میں کسی کلام کی گنجائش نہیں ان میں سے کسی کے ساتھ بدگمانی کرنا۔ ان کی نیتوں پر حملہ کرنا، یا ان کی شان میں بے ادبی و گستاخی کرنا سخت گمراہی اور اپنی عاقبت برباد کرنے کے ہم معنی ہے (ص ۱۰۶)

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سندیلوی تنقید

سندیلوی صاحب مشاجرات صحابہ کے بارے میں دعویٰ تو غیر جانبداری کا کرتے ہیں لیکن جب وہ میدان بحث میں اُترتے ہیں تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر بے باکانہ تنقید کرکے آپ کی خلافت موعودہ کو مجروح کرنا اپنا حق تحقیق سمجھتے ہیں جس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرفداری کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔ چنانچہ حسب ذیل عبارت ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) ان واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے (ص ۴۵۵)

(۲) حالات کی خصوصیت نے ان کی اس رائے کو اور بھی وزنی اور ان کی دلیل کو مزید قوی بنا دیا تھا۔ (ص ۱۷۷)

(۳) یہ موقف تھا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا وہ نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے کلیتاً منحرف تھے نہ ان کی خلافت کے منکر۔ وہ صرف اپنی معزولی کے مسئلہ میں ان کی اطاعت واجب نہیں سمجھتے تھے اور ان کی یہ رائے آئین اسلام کی ایک مدلل اور مبرہن تشریح پر مبنی تھی (ص ۱۷۸)

(۴) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے اصح یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھی (ص ۲۰۲)

(۵) جنگ جمل کے متعلق لکھتے ہیں:۔ ”حقیقت یہ ہے کہ فریقین جنگ نہ چاہتے

تھے اس لئے جنگ رک گئی۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فتح سے تعبیر کرنا بالکل غلط ہے۔

(۶) حضرت علی کو بعد خلفائے ثلاثہ افضل امت سمجھنا بعد کی بات ہے (ص ۴۲۱)

(۷) اگر یہ بھی ثابت ہو جائے تو افضل سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ احق بالخلافۃ بھی سمجھا جائے (ص ۴۲۱)

(۸) اگر دوبارہ انتخاب ہو جاتا اور آزادانہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو باہمی اختلاف بھی ختم ہو جاتا۔ ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہو جاتی اور مسلمانوں کی اتنی خونریزی نہ ہوتی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کیوں نہ منظور فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔ (ص ۴۲۲)

یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق سندیلوی صاحب کا تبصرہ ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو حسبِ آیت استخلاف و آیت تمکین اللہ کے وعدہ کے مطابق دی ہوئی خلافت راشدہ بھی مانتے ہیں۔

(۹) فرماتے ہیں:۔ جو شخص واقعات سے واقف اور اس کے ساتھ صفت انصاف سے بھی بہرہ ور ہے جانتا ہے کہ حضرات اصحاب جمل و اصحابِ صفین مودودی صاحب کے لگائے ہوئے الزام سے بالکل بری ہیں اور اس افتراق کی ذرہ برابر ذمہ داری ان پر عائد نہیں ہوتی۔ اصحابِ جمل کی شدید خواہش تھی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہو کر ان سے پورا پورا تعاون کریں مگر بابِ خلافت کی طرف سے ان کی ہمت شکنی کی گئی۔ جب یہ حضرات خلیفۃ المسلمین کی تائید و اعانت سے مایوس ہو گئے تو مجبوراً انہوں نے خود اقدام کیا اور سبائی مفسدوں کے خلاف قومی محاذ قائم کر لیا[1]۔

---

[1] اندازہ فرمائیں سندیلوی صاحب کی شان عدل و تحقیق کہ حضرت علی خلیفہ موعود سے بالا بالا قومی محاذ کی تشکیل دی جا رہی ہے۔ کیا اس اصطلاح سے کام لے کر سندیلوی صاحب پاکستان کے کالعدم قومی محاذ کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

اگر انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور اس کا موقع دیا جاتا کہ وہ دشمنانِ اسلام سے نمٹ لیں تو پھر وہ حضرت علی کے گرد جمع ہو جاتے"۔ مگر یہ بھی نہ کیا گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرات اصحابِ جمل و حضرات اصحاب صفین سے جنگ کرنے کے بجائے اگر ان سب کو اپنے گرد جمع کرنے کی کوشش کرتے تو قلیل مدت میں سازشی گروہ اور مفسد ٹولی کا قلع قمع کرنے میں کامیاب ہو جاتے۔ ان کی خلافت بھی مستحکم ہو جاتی اور خانہ جنگی بھی نہ ہوتی۔ مگر یہ حقیقت نا قابل انکار اور بالکل روشن ہے کہ آں محترم نے اس کی کوشش نہیں فرمائی بلکہ ایسا طرز عمل اختیار فرمایا جو ان حضرات کو آں محترم سے دُور کرنے والا تھا۔ غور فرمایئے۔ کیا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ گورنری سے معزول ہونے کے بعد بھی اس قدر قوی ہو سکتے تھے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کوئی معتد بہ اور مفید امداد کر سکتے؟ اپنے ذاتی اثرات کی بنا پر اگر وہ معزولی کے بعد آں محترم کی اعانت ہی کے لئے قوت جمع کرتے تو سبائی منافق اسے خلافت کے خلاف بغاوت کی تیاری ظاہر کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے بدظن کر دیتے۔ پھر کیا سریر آرائے خلافت ہوتے ہی انہیں معزول کرنا اس بات کی واضح علامت نہ تھی کہ خلیفۃ المسلمین ان سے بدظن ہیں۔ تو کیا ایسی حالت میں وہ توقع کر سکتے تھے ان کی طرف سے تعاون کی پیش کش قابل اعتماد سمجھی جائے گی۔ خصوصاً جب وہ دیکھ رہے تھے کہ صرف وہی نہیں بلکہ جملہ عمال عثمان رضی اللہ عنہ بغیر کسی قصور کے معزول کئے جا رہے ہیں اور دوسری طرف قاتلین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا اثر و رسوخ ایوان خلافت میں بڑھتا جاتا ہے۔ اصحابِ جمل تو پہلے ہی ان کے گرد جمع ہونا چاہتے تھے مگر جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی پیشکش رد کر دی گئی تو مایوس ہو کر انہیں براہِ راست سبائی مرکز بصرے پر حملہ کرنا پڑا۔ پھر بھی اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کے خلاف لشکر کشی نہ کرتے تو وہ بصرے کے منافق جتھے کا خاتمہ کرنے کے بعد ان کے گرد جمع ہو جاتے۔ مگر یہ موقع بھی آں محترم نے انہیں نہ دیا اور اس سے فائدہ اُٹھانے کی کوشش نہ کی بلکہ لشکر کشی کر کے اس کے امکانات کا خاتمہ کر دیا۔ آخر میں آں محترم کو بھی اس کا خیال ہوا۔ مگر سبائی عیاروں نے مکر و فریب کر کے فریقین میں جنگ چھڑوا دی اور وہ قوت جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد جمع ہونے والی

تھی سبائی کیا دی کی وجہ سے پارہ پارہ ہوگئی۔ اگر آں محترم چند روز قبل حالات کے اس پہلو کی طرف توجہ فرما لیتے تو یہاں تک نوبت نہ پہنچتی اور گفت وشنید سے غلط فہمیاں رفع ہو کر ان کا کامل تعاون حاصل ہو جاتا مختصر یہ کہ اصحاب جمل واصحاب صفین پر علیحدگی پسندی اور عدم تعاون کا الزام بالکل غلط ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طرز عمل اس کا سبب ہوا۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ طرز عمل کیوں اختیار فرمایا؟ جو بحث ہم نے جنگ جمل وصفین پر کی ہے اس سے اس کا جواب معلوم ہو جاتا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ آں محترم کا طرز عمل بھی اپنی جگہ شرعاً بالکل جائز تھا ان پر بھی کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ ان کے اخلاص وتقویٰ میں بھی کلام کی کوئی گنجائش نہیں۔ زیادہ سے زیادہ اسے ان کی سیاسی غلطی کہا جا سکتا ہے مگر عرض کیا جا چکا ہے کہ اس میں بھی وہ معذور تھے۔ سبائی انہیں غلط خبریں پہنچاتے تھے۔ (ایضاً ص ۴۳۸۔۴۳۹)

(۱۰) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرعی نہیں بلکہ سیاسی غلطی تھی۔ (ص ۱۹۳)

(۱۱) بات اس وقت اور بھی اہم ہو جاتی ہے جب یہ مسئلہ بھی سامنے آ جاتا ہے کہ موصوف نے بعض صحابہ کرام کے اس مخلصانہ اور دانشمندانہ مشورے کو کیوں قبول نہ فرمایا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سر دست چھیڑا ہی نہ جائے اور انہیں اپنی جگہ بدستور قائم رکھا جائے؟ انہوں نے اس وقت تک نہ خود خلافت کا دعویٰ کیا تھا نہ کسی دوسرے کو خلیفۃ المسلمین کے مقابلہ میں امیدوار خلافت بنایا تھا۔ ان کی روش سے بالکل عیاں تھا کہ اگر وہ اپنے منصب پر برقرار رکھے جاتے اور سبائیوں کی سزا کا کوئی انتظام کر دیا جاتا تو وہ بے چون وچرا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ساتھ دیتے ان مفسدوں کی قوت کو توڑ دینا خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی مطلوب تھا پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے اس مشورے کو قبول نہ فرمایا اور انہیں معزول کرنے پر مصر رہے (ص ۱۹۴)

(۱۲) ان دستوری نکات کی روشنی میں حضرت معاویہ کے موقف کی صحت خوب روشن ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے ساتھ اس بارے میں سخت ناانصافی ہوئی

کہ ان دستوری اصول پر نظر کیے بغیر غلطی کو ان کی جانب منسوب کر دیا گیا (ص ۱۸۲)

(۱۳) غور فرمائیے کہ بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کیے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا۔ کیونکہ اس فیصلے کے جواز میں تو کسی کلام کی گنجائش ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی تو نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو۔

نصب وعزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے متعلق ہے۔ حکمین نے رفع تنازع کے لئے یہی مناسب سمجھا اور جب انہوں نے فیصلہ کر دیا تو فریقین کے لئے اس پر عمل کرنا واجب تھا۔ خلافت سے دستبردار ہو جانا شرعاً کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔ (ص ۳۸۱)

(۱۴) دوسرا مسئلہ خلافت کا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) سے بیعت اور اپنی خلافت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خلافت کو ہنگامی اور عبوری سمجھتے تھے اور ان کے انتخاب کے طریقہ کو صحیح طریق انتخاب نہ سمجھتے تھے اور دوبارہ انتخاب واستصواب رائے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ (ص ۳۶۱)

(۱۵) ان کا (یعنی مودودی صاحب کا) یہ بیان تھوڑی دیر کے لئے مان لیا جائے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یقین ہو گیا تھا تو بھی دانشمندی کا تقاضا یہی نظر آتا ہے کہ انہیں معزول نہ کیا جاتا۔ اس کے بجائے استمالیت سے کام لے کر بغاوت کے خطرہ کو کم از کم مؤخر ہی کر دیا جاتا تا آنکہ خلافت میں استحکام پیدا ہو جاتا۔ انہیں معزول کرنا اس وقت نہ ضروری معلوم ہوتا ہے نہ قرین تدبر ومصلحت (ص ۱۹۶)

(۱۶) اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کے بجائے اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے ان سے شورش پسندوں کی سرکوبی کا مطالبہ کیا جاتا تو کیا وہ تعاون نہ کرتے اور کیا وہ اور ان کے رفقاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گرد جمع نہ ہو جاتے۔ تاریخ کا معمولی

طالب علم بھی جانتا ہے کہ یقیناً وہ خلیفۃ المسلمین کے گرد جمع ہو جاتے اور ان سے پورا پورا تعاون کرتے۔ (ص ۴۳۶)

تبصرہ

(۱) سندیلوی صاحب کی مندرجہ بالا عبارتوں کا جواب دینا یہاں مقصود نہیں۔ صرف یہ دکھانا ہے کہ انہوں نے جو اپنی کتاب ''ایمان و ایمانیات'' میں اپنا موقف یہ لکھا ہے کہ:۔ صحابہ کرام کے درمیان جو لڑائیاں ہوئیں ان میں ہمیں فریق بننے کا حق نہیں'' یہ محض تلبیس ہے کیونکہ سندیلوی صاحب کھلے بندوں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں فریق بنے ہوئے ہیں۔ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فعل کو صحیح کہتے ہیں تو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے فعل کو اَصح (زیادہ صحیح) قرار دیتے ہیں۔

(۲) مودودی صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جس انداز سے تنقید کی ہے اسی انداز میں سندیلوی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ پر اپنی مؤرخانہ تنقید کا نشتر چلاتے ہیں۔ سندیلوی صاحب کے ان تنقیدی شہ پاروں کے مطالعہ کے بعد کوئی صاحب فہم و انصاف شخص یہ رائے نہیں دے سکتا کہ یہ وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں جن کو قرآنی پیش گوئی کا مصداق خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ سندیلوی صاحب:۔

ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور

پر عمل کرتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر آیت استخلاف کی بحث میں ہم سندیلوی صاحب کی بعض تنقیدات کا جواب عرض کریں گے۔

مولانا سراج الحق مچھلی شہری

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ایک اور ناقد مولوی سراج الحق صاحب مچھلی شہری ہیں۔ یہ پہلے مودودی صاحب کے معتقدین میں سے تھے۔ ان کی زیارت کے لئے پاکستان بھی آئے تھے۔ لیکن مودودی صاحب کی کتاب ''خلافت و ملوکیت'' کے بعد وہ ان کے مخالف ہو گئے لیکن اعتدال پر قائم نہ رہ سکے اور محمود احمد عباسی صاحب کے جال میں پھنس گئے۔

انہوں نے ایک رسالہ:۔ خلافت وملوکیت کے جواب میں بنام:۔
''مولانا مودودی اور سیّدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ''۔
لکھا ہے جس کا تذکرہ سندیلوی صاحب نے بایں الفاظ لکھا ہے ''چند روز ہوئے کہ محترم مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری نے اپنا ایک رسالہ عطا فرمایا جس میں موصوف نے مضمون کے اس حصہ کا نہایت محققانہ مدلل ومسکت جواب دیا ہے جس میں مودودی صاحب نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ذوالنورین کرم اللہ وجہہ پر بالکل بے جا اور نامنصفانہ اعتراضات کئے ہیں۔ (اظہار حقیقت جلد اول ص ۱۶)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مچھلی شہری کی نظر میں

سندیلوی صاحب کے ممدوح محقق مولانا سراج الحق صاحب مچھلی شہری لکھتے ہیں:۔
''ورنہ تاریخ کا عقل ودیانت اور انصاف وایمان کے ساتھ مطالعہ کرنے والا ایک معمولی سمجھ کا انسان بھی سمجھ لے گا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پریشانیوں کے اسباب حسب ذیل امور تھے نہ کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پالیسی۔
(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو متنبہ فرمادیا تھا کہ:۔ تم کو ایک گمراہ جماعت حد سے زیادہ بڑھادے گی۔ اس خبر میں یہ انشا پوشیدہ تھی کہ:۔ کہ تم ان کی طرف نہ جھکنا ان سے دُور رہنا۔ ان کی پُر فریب باتوں میں نہ آنا۔ غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ وہ گمراہ جماعت کوفیوں کی تھی اور تاریخ وآثار خبر دیتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان کوفیوں پر اتنا اعتماد کرتے تھے کہ اگر حضرت مغیرہ بن شعبہ صحابی، سیّدنا حسن رضی اللہ عنہ، سیّدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کوئی مشورہ دیا ہے (مثلاً یہ کہ عمال عثمان رضی اللہ عنہ کو یک قلم معزول نہ کیجئے) تو سیّدنا علی رضی اللہ عنہ نے اس کو نہ مانا اور اشتر نخعی جیسے بدباطن کوفیوں کے مشورہ پر عمل کیا یہ کام ان سے حکم رسول ۔ کے خلاف سرزد ہوا (ص ۶۶)
الجواب:۔ (۱) قارئین اندازہ لگائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجرم تو ان کو ٹھہرایا تھا جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں غلو کریں گے۔ لیکن مچھلی شہری صاحب نے مخالف حکم

رسول ﷺ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرار دے دیا۔ العیاذ باللہ۔ حالانکہ ارشاد نبوی (1) میں افراط و غلو کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے مقام سے بڑھائیں گے چنانچہ ابن سبا وغیرہ نے بعد میں جب حضرت علی کے الٰہ (خدا) ہونے کا عقیدہ ظاہر کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔

(ب) حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک فرقہ آپ کے حق میں تفریط کرے گا یعنی آپ کی شان گھٹائیگا تو یہ خارجی گروہ تھا۔ جن سے باتفاق صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ کی۔ لیکن برا ہو تعصب کا کہ مچھلی شہری خوف خدا سے بے نیاز ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مطعون کر رہے ہیں اور پھر سندیلوی صاحب ان کی کتاب کو محققانہ فرما رہے ہیں۔ جو بات مچھلی شہری نے صراحتاً کردی ہے یہی بات سندیلوی صاحب نے کچھ پردہ رکھ کر اظہار حقیقت میں بیان فرما دی ہے۔

(۲) حاشیہ میں ہم نے الفاظ حدیث اور ان کا ترجمہ نقل کر دیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تشبیہ دی ہے کہ ان کے بارے میں ایک گروہ نصاریٰ کی طرح غلو کرے گا اور دوسرا گروہ یہود کی طرح ان پر بہتان تراشی کرے گا۔ لیکن جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام بحیثیت رسول برحق تھے اسی طرح حضرت علی

---

(1) حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں:۔ عن علی قال قال لیَ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فیك مثل من عیسیٰ ابغضته الیهود حتی بهتوا اُمّه واحبته لنصارے حتی انزلوه بالمنزلة الذی لیست له ثم قال یهلك فِیّ رجلان محبٌ مفرط یقرّظنی بما لیس فِیّ ومبغض یحتمله شانی علی ان یبهتنی (مشکوٰۃ شریف)

ترجمہ حاشیہ: حضرت علی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تم میں کچھ مشابہت عیسیٰ کی ہے ان سے یہودیوں نے بغض رکھا یہاں تک کہ ان کی ماں پر بہتان لگایا اور نصاریٰ نے ان سے محبت کی یہاں تک کہ ان کو اس مرتبہ پر پہنچایا جس پر وہ نہ تھے پھر حضرت علی نے فرمایا کہ میرے متعلق دو قسم کے لوگ ہوں گے ایک محبت میں غلو کرنے والا جو میری ایسی تعریف کرے گا کہ مجھ میں نہیں ہے اور دوسرا بغض رکھنے والا کہ میری عداوت اس کو میرے اوپر بہتان لگانے پر آمادہ کرے گی۔

بحیثیت خلیفہ برحق ہوں گے۔ علاوہ ازیں حضرت علی المرتضیٰ کو جو شخص دیانتداری سے آیت استخلاف و آیتِ تمکین کا مصداق قرار دیتا ہے وہ حضرت علی المرتضیٰ کو حضور رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مخالف کہہ ہی نہیں سکتا۔

(۲) مچھلی شہری لکھتے ہیں:۔ ''صلح حدیبیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قصاص عثمان رضی اللہ عنہ پر سب سے بیعت لی۔ سیّدنا علی سے بھی بیعت لی۔ قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ لیا جانا عین منشاء نبوی بلکہ منشاء خداوندی تھا اس کا موقع اگرچہ اس وقت حاصل نہ ہو سکا مگر اس کی بیعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی گردن میں تھی۔ شہادت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم نے جن میں طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ وسیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا وامیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ شامل تھے قصاصِ عثمانی کی بیعت نبوی کو یاد کر کے بالاتفاق کہا کہ سیّدنا عثمان کا قصاص لینا چاہیے یعنی یاد دلایا کہ اب بیعت سے عہدہ برآ ہونے کا وقت آیا ہے اس موقع پر بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص نہ لیا نہ اس کا ارادہ کیا بلکہ سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جو قصاصِ عثمانی ہی کے لئے اُٹھی تھیں ان سے جنگ کرنے لگے۔ یہ کام سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کا منشاء رسول کے خلاف ہوا۔ اس غلط اجتہاد پر مواخذہ تو نہ ہوگا مگر عملی دنیا میں تو امت کو اس سے نقصان پہنچ کر رہا (ص ۶۷)

الجواب:۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قصاص لینے کا انکار نہیں کیا البتہ حالات کے تحت قصاص نہ لے سکے۔ بلکہ حضرت معاویہ بھی اپنے دور اقتدار میں قصاص نہ لے سکے۔

چنانچہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

فمعاوية رضی اللّٰه عنه الذی يقول المنتصر له انه كان مصيبًا فی قتال علیؓ لانه كان طالبًا لقتل قتلة عثمانؓ لما تمكنّ واجمع الناس عليه لم يقتل قتلة عثمان . فان كان قتلهم واجبًا و هو مقدور له كان فعله بدون قتال المسلمين اولى من ان يقاتل عليًا واصحابه لاجل ذٰلك ولو قتل معاوية قتلة عثمانؓ لم يقع من الفتنة اكثر مما وقع ليالی صفين وان معاوية معذورًا فی كونه لم يقتل قتلة عثمانؓ

لعجزه عن ذلك اولما يفضى اليه ذلك من الفتنة وتفرّق الكلمة وضعف سلطانه فعلّى اولى ان يكون معذوراً اكثر من معاويةؓ الخ (منهاج السنة جلد دوم ص ۲۰۹)

"پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ (جن کے حامی یہ کہتے ہیں کہ وہ بوجہ اس مطالبہ کے قاتلینِ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کیا جائے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے میں صواب پر تھے)۔ جب متمکن (صاحب حکومت) ہوئے اور آپ پر لوگوں کا اتفاق ہو گیا تو آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو قتل نہیں کیا۔ پس اگر ان کا قتل واجب تھا اور آپ اس پر قادر تھے تو مسلمانوں سے قتال کے بغیر آپ کا قاتلین عثمان کو قتل کرنا بہ نسبت اس کے بہتر تھا کہ انہوں نے اسی قتل قاتلین عثمان کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کی جماعت سے جنگ کی تھی۔ اور اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قاتلین عثمان کو قتل کر دیتے تو بہ نسبت صفین کے یہ فتنہ زیادہ نہ ہوتا اور اگر اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معذور تھے بوجہ قصاصِ عثمان سے عاجز ہونے کے یا بوجہ اس کے کہ اس سے فتنہ اور بڑھے گا اور مسلمانوں کے اتفاق میں خلل واقع ہوگا اور آپ کی حکومت میں ضعف آئے گا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ اس بارے میں بہ نسبت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زیادہ معذور تھے" (اس لئے آپ نے قصاص نہیں لیا)

(۲) قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں بیعت رضوان سے استدلال کرنے مین مچھلی شہری نے محمود احمد صاحب عباسی کی کورانہ تقلید کی ہے اور آیت بیعتِ رضوان کی معنوی تحریف کر کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافتِ راشدہ کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش کی ہے کیونکہ (ل) بیعتِ رضوان کا تعلق صرف اس واقعہ سے ہے نہ کہ آئندہ کے کسی واقعہ سے (ب) اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان والوں سے اپنے راضی ہو جانے کا اعلان کر دیا ہے۔ اپنی رضا کو آئندہ بیعت پر موقوف نہیں رکھا اس موقع پر دیگر صحابہ کرام کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اللہ تعالیٰ راضی ہو چکا ہے۔ اس لئے اب کوئی مومن بالقرآن یہ تصور نہیں

کرسکتا کہ اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نافرمانی کا صدور ہوا ہے۔

(ج) فریق ثانی میں سے کسی صحابی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے سامنے اس آیت بیعت رضوان سے استدلال نہیں کیا نہ ہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایسا کہا۔ تو گویا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے بھی آج عباسی خارجی پارٹی آیتِ مذکورہ کا مفہوم صحیح جانتی ہے جو خود بیعت رضوان میں شریک تھے۔

(د) مچھلی شہری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جو طرز استدلال پیش کیا ہے یہی طرز استدلال روافض حضرات خلفائے ثلثہ کے خلاف پیش کیا کرتے ہیں۔

(ر) آیتِ بیعت رضوان نے تو قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ تمام اصحاب بیعتِ رضوان کو ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کی سند عطا فرمادی ہے۔ لہٰذا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر مچھلی شہری کی یہ تنقیدات تقاضائے قرآنی کے خلاف ہیں۔ واللہ الہادی

عبارت ہدایہ کی بحث

مولانا سندیلوی نے عقیدہ طحاویہ سے جو یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ امام اعظم، امام ابو یوسف رحمہ اللہ اور امام محمد بھی مشاجرات صحابہ میں توقف کا مسلک رکھتے ہیں۔ اس کا جواب دیا جاچکا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر امام اعظم کا مسلک توقف کا ہوتا تو امام صاحب کی کتاب فقہ اکبر کے شارح علامہ علی قاری حنفی محدث رحمہ اللہ اپنی کتاب شرح فقہ اکبر اور مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کے خلاف حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مخطی ہونے کا مسلک کیوں اختیار کرتے۔ نیز ہدایہ میں (جو سُنی حنفی، مدارس میں فقہ کی آخری کتاب پڑھائی جاتی ہے) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف جور کی نسبت کیونکر کی جاسکتی تھی۔ مودودی صاحب نے (جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر جارحانہ تنقید کرتے ہیں) بھی اپنے موقف کی تائید میں ہدایہ کی عبارت پیش کی ہے۔ اور اسی سلسلہ میں یہ لکھا ہے کہ: ''خصوصیت کے ساتھ علمائے حنفیہ نے تو

بالاتفاق کہا ہے کہ ان ساری لڑائیوں میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور ان کے خلاف جنگ کرنے والے بغاوت کے مرتکب تھے۔

اس کا جواب دیتے ہوئے سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔

لطیفہ یہ ہے کہ اپنی غلط بیانی کی تردید انہوں نے خود ہی کر دی شرح فقہ اکبر سے علامہ ❶ علی قاری کی طویل عبارت انہوں نے اپنی کتاب (یعنی خلافت وملوکیت) کے صفحہ ۳۳۹ تا ۳۴۱ نقل کی ہے اس میں یہ بھی ہے:۔ ''اہل السنت والجماعت میں اس امر پر اختلاف ہے کہ انہیں باغی کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے یا نہیں (ص ۳۴۱)۔ ان اہل السنت میں حنفی شافعی وغیرہ کی کوئی تقسیم نہیں کی گئی ہے۔ میں نہیں بلکہ امام ابن ہمام جن کے قول کو معترض نے بطور سند پیش کیا ہے دوسری جگہ خود اس کے خلاف کہتے ہیں درحقیقت فتح القدیر میں انہوں نے صاحب ہدایہ کے قول کی شرح کر دی ہے اپنا مسلک نہیں لکھا۔ اپنا مسلک مشہور کتاب مسایرہ میں ظاہر فرمایا ہے۔ کتاب مذکورہ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۴۷ھ صفحہ ۱۵۸ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''وما جری بین معاویۃ وعلی رضی اللہ عنهما کان مبنیًا علی الاجتهاد ولا منازعۃ من معاویۃ فی الامامۃ .''

''حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں اختلاف اجتہادی نوعیت کا تھا۔ خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھی''۔

جب خلافت کے بارے میں کوئی نزاع نہ تھی تو بغاوت کے کیا معنی؟

(اظہار حقیقت ص ۴۲۸)

الجواب (۱) صاحب ہدایہ علی رحمہ اللہ بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن خلیل بن ابی بکر فرغانی مرغینانی ہیں۔ ابوالحسن کنیت اور برہان الدین لقب تھا اور حضرت ابوبکر صدیق کی

---

❶ حاشیہ میں سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ علامہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے جو کچھ اس مقام پر مودودی صاحب نے نقل کیا ہے اس کی غلطیاں ہمارے گذشتہ بیانات سے خوب واضح ہو جاتی ہیں۔ یہاں جواب دینے کی ضرورت نہیں۔ منہ۔

اولاد میں سے تھے۔ پیر کے روز بتاریخ ۸ رجب ۵۱۱ھ بعد عصر کے پیدا ہوئے،
اپنے وقت کے امام فقیہ حافظ محدث مفسر جامع علوم ضابطہ فنون متقن محقق مدقق نظار زاہد
اورع بارع فاضل ماہر اصولی ادیب شاعر تھے۔ وفات آپ کی سمرقند میں ۵۹۳ھ میں
واقع ہوئی۔ تاریخ وفات آپ کی ''مجتہد مسائل'' سے نکلتی ہے۔ (حدائق حنفیہ ص ۲۵۹)

ہدایہ کی زیر بحث عبارت حسب ذیل ہے جو سندیلوی صاحب نے نہیں لکھی:۔

ثم یجوز التقلّد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابةؓ تقلّدوا من معاویةؓ والحق کان بید علی رضی اللّٰہ عنه فی نوبته (کتاب ادب القاضی)

''پھر سلطان جائر سے عہدہ کا قبول کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدہ قبول کیا تھا حالانکہ وہ اپنی خلافت کی باری میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا۔ ہدایہ کی مندرجہ عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی سلطان جائر تھے۔ شارح ہدایہ محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید سکندری سیواسی المعروف بابن ہمام ہیں۔ کمال الدین لقب تھا۔ امام محقق، علامہ مدقق، نظار، فروعی، اصولی، محدث، مفسر، حافظ، نحوی، کلامی، منطقی، جدلی، فارس میدان بحث تھے۔ بعض نے طبقہ اہل ترجیح اور بعض نے اہل اجتہاد سے آپ کو شمار کیا ولادت ۷۸۸ھ۔ قاہرہ میں جمعہ کے روز ے رمضان ۸۶۱ھ میں وفات پائی الخ (ایضاً حدائق حنفیہ ص ۳۵۰) امام ابن ہمام نے ہدایہ کی مندرجہ عبارت کی شرح میں لکھا ہے۔

فتح القدیر کی عبارت

ھذا تصریح بجور معاویةؓ و المراد فی خروجه لا فی اقضیته ثم انما یتم اذا ثبت انه ولی القضاء قبل تسیم الحسن له و اما بعد تسلیمه فلا ویسی ذلك العام عام

الجماعة قوله (فی نوبته) نوبة علیٍّ التی ذکرها المصنف هی کونه رابعًا بعد عثمان و قید بنوبته احترازًا عن قول الروافض انه کان احق بها فی سائر النوب حتی من ابی بکر رضی اللّٰہ عنه وانما کان الحق معه فی تلک النوبة لصحة بیعته وانعقادها فکان علی الحق فی قتال اهل الجمل وقتال معاویة بصفین.

"یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جور کی تصریح ہے۔ اور اس سے مراد ان کے فیصلوں میں جور نہیں ہے بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف ان کے خروج (کے زمانہ میں) جور مراد ہے اور یہ بات اس وقت پوری ہوتی ہے جبکہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف سے خلافت تسلیم کرنے سے پہلے منصب قضاء دیا تھا نہ کہ اس کے بعد (کیونکہ صلح کے بعد تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بالاتفاق خلیفہ برحق تھے) اور بعد از صلح تو اس سال کا نام عام الجماعۃ رکھ دیا گیا تھا۔ اور صاحب ہدایہ کے قول فی نوبۃ علی رضی اللہ عنہ سے مراد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان کے چوتھے خلیفہ ہونے کا زمانہ ہے۔ اور نوبتہ (اپنی باری) کی قید احترازی ہے کیونکہ روافض کہتے ہیں کہ حضرت علی ہی خلیفہ برحق تھے دوسرے خلفاء کے دور میں حتی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں بھی اور بے شک (خلفائے ثلثہ کے بعد) اپنے دور خلافت میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا کیونکہ آپ کی بیعت صحیح تھی اور آپ کی خلافت بھی صحیح طور پر منعقد ہو گئی تھی اور آپ اصحاب جمل اور صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے میں حق پر تھے"۔

اس کے بعد ابن ہمام لکھتے ہیں:۔

وقوله علیه الصلوٰة والسلام لعمار ستقتلک الفئة الباغیه وقد قتله اصحاب معاویة یصرح بانهم بُغاة ولقد اظهرت عائشة رضی اللّٰه عنها الندم کما اخرجه ابن عبدالبر فی

الاستیعاب .

''اور رسول اللہ ﷺ کا حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے یہ فرمانا کہ تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کرے گا اور بے شک ان کو اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہ نے ہی قتل کیا تھا۔ اس بارے میں تصریح ہے کہ وہ باغی تھے (جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ہے) اور بے شک حضرت عائشہ (صدیقہ) رضی اللہ عنہا نے بھی اس بارے میں ندامت کا اظہار فرمایا ہے جیسا کہ ابن عبدالبر نے یہ روایت بیان کی ہے''

امام ابن ہمام کی مذکورہ تفصیل سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اپنا مسلک ہی بیان کر رہے ہیں ورنہ ہدایہ میں تو اصحاب جمل کا ذکر ہی نہیں تھا اور نہ انہوں نے حدیث تقتلك الفئة الباغية پیش کی تھی۔ لہٰذا سندیلوی صاحب کا یہ لکھنا کہ یہ ابن ہمام کا اپنا مسلک نہیں ہے بالکل غلط ہے۔

مسائرہ کے حوالہ میں سندیلوی صاحب کی علمی خیانت

سندیلوی صاحب نے ابن ہمام کی کتاب ''المسائرہ'' کی پوری عبارت نہیں لکھی جو ان کے خلاف پڑتی ہے۔ بلکہ ایک ٹکڑا نقل کر کے گلوخلاصی کی کوشش کی ہے ''المسائرہ'' کی پوری زیر بحث عبارت حسب ذیل ہے:۔

وما جرى بين معاوية وعلى رضى الله عنهما كان مبنيًا على الاجتهاد لا منازعة من معاوية فى الامامة اذ ظنّ علىٌ ان تسليم قتلة عثمانؓ مع كثرة عشائرهم واختلاطهم بالعسكر يودى الى اضطراب امر الامامة خصوصاً فى بدايتها فرأى التاخير اصوب الى ان يتحقق التمكن ويلتقطهم فان بعضهم عزم على الخروج على علىّ وقتله لما نادى يوم الجمل بان يخرج عنه قتلة عثمانؓ ما نقل فى القصة فى كلام الاشتر النخعى ان صحّ والله اعلم . (المسايره ص ۱٦۸) المطبعة المحمودية التجارية بمصر ۱۳۴۸ھ)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مابین جو واقعات پیش آئے ہیں ان کا مبنی اجتہاد تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت (خلافت) کے بارے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گمان یہ تھا کہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو فریق ثانی کے سپرد کر دینا باوجود اس کے کہ ان کے پاس قبائل کی طاقت ہے اور وہ لشکر میں ملے جلے ہوئے ہیں خلافت کے کام میں زیادہ اضطراب کا باعث بنے گا خصوصاً خلافت کے شروع میں اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس میں تاخیر کو اس وقت تک زیادہ صحیح سمجھا جب تک کہ آپ کی حکومت مضبوط نہیں ہوتی اور ان کو پکڑا نہیں جاتا کیونکہ ان میں سے بعض نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف خروج کرنے اور ان کو قتل کرنے کا بھی پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ جب کہ آپ نے جنگ جمل کے دن یہ اعلان کیا کہ قاتلان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کے لشکر سے نکل جائیں اس قصہ کی بنا پر جو اشتر نخعی کی زبان سے مذکور ہے اگر وہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم"

اس کے بعد ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے قصاص نہ لینے کی ایک اور وجہ بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

واتفق اهل الحق على ان معاوية ايام عليؓ من الملوك لاالخلفآء . واختلف مشائخنا فى امامته بعد وفاة عليؓ . فقيل صار اماماً وقيل لا لقوله عليه الصلوٰة والسلام (الخلافة بعدى ثلاثون (سنة) ثم تكون ملكاً عضوضاً وقد انقضت الثلاثون بوفاة الامام على رضى الله عنه. (ایضاً ص ۱۶۹)

"اور اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بادشاہوں میں سے تھے نہ کہ خلفاء میں سے اور ہمارے مشائخ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد ان کی امامت (خلافت) کے بارے میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ:۔ آپ (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے بعد امام ہو گئے اور ایک قول یہ ہے کہ (اس وقت بھی) آپ امام نہ تھے

کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ میرے بعد خلافت تیس سال ہوگی اور امام علی رضی اللہ عنہ کی وفات پر تیس سال 1 ختم ہو جاتے ہیں"۔

مندرجہ عبارت سے امام ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت معاویہ کو خلیفہ ہی نہیں تسلیم کرتے اور اس کو اہل حق کا متفقہ مسلک قرار دیتے ہیں تو فرمائیے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وہ اجتہادی خطا نہ تسلیم کرتے تو یہ مسلک کیوں اختیار کرتے۔ بلکہ ابن ہمام کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعد بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام و خلیفہ تسلیم کرنے میں اہل سنت کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے پھر وہ تیس سالہ خلافت کی حدیث کو بھی صحیح تسلیم کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلفائے اربعہ کی خلافت راشدہ کی طرح تسلیم نہیں کرتے۔ اس سے تو سندیلوی صاحب کی علمی خیانت کی حد ہے کہ فرماتے ہیں کہ شرح ہدایہ میں ابن ہمام نے اپنا مسلک نہیں بیان کیا بلکہ انہوں نے اپنا مسلک "المسایرہ" میں بیان کیا ہے اور المسایرہ کی عبارت کا ایک ٹکڑا پیش کر کے ناواقف قارئین کتاب کو فریب میں ڈال دیا اور بعد کی وہ عبارت بالکل ہی ہضم کر گئے جس میں ابن ہمام نے اپنے اور تمام اہل حق کے مسلک کی وضاحت کر دی ہے اگر ابن ہمام حضرت معاویہ کو خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوران جور پر نہ سمجھتے تو ان کو خلیفہ مانتے نہ کہ بادشاہ۔

کیا اس تلبیسی کارنامہ کے باوجود سندیلوی صاحب دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کی بحث دلائل پر مبنی ہوتی ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

اظہار حقیقت کا مطالعہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے کہ بحث میں میرے پیش نظر دلیل شرعی رہی ہے (جواب شافی ص ۱۰)

---

1 یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ تیس سال تو حضرت حسین کی کم وبیش چھ ماہ خلافت کے ساتھ پورے ہوتے ہیں کیونکہ امام حسن کی خلافت، خلافت راشدہ کا تتمہ ہے۔

(ب) حدیث میں کسور کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ ۱۲

جور سے مراد خطائے اجتہادی ہے (حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ)

مولانا سندیلوی تو بہت آگے جا چکے ہیں ورنہ جہاں کہیں محققین اہل سنت نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی یا جائر لکھا ہے تو اس سے مراد صورتاً جور و بغاوت ہے نہ کہ حقیقتاً کیونکہ انہوں نے مشاجرات میں جو کچھ کیا ہے بغرض دین کیا ہے البتہ ان سے اپنے اجتہاد میں خطا ہو گئی ہے۔ چنانچہ حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وآنچہ در عبارت بعضے از فقہاء لفظ جور در حق معاویہ رضی اللہ عنہ واقع شدہ است و گفتہ کان معاویۃ اماماً جائراً مراد از جور عدم حقیقت خلافت او در زمان خلافت حضرت امیر خواہد بود نہ جوریکہ مآلش فسق و ضلالت است تابہ اقوال اہل سنت موافق باشد مع ذلک ارباب استقامت از ایشاں الفاظ موہمہ خلاف مقصود اجتناب می نمایند و زیادہ بر خطا تجویز نمی کنند (مکتوبات جلد اول مکتوب نمبر ۲۵۱)

(ترجمہ) ''اور بعض فقہاء کی عبارتوں میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں لفظ جور واقع ہوا ہے اور یہ کہا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ امام جائر تھے۔ تو وہاں جور سے مراد یہ ہے کہ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں حق پر نہ تھے نہ کہ وہ جور جس کا نتیجہ فسق و ضلالت ہے اور اصحابِ استقامت اس قسم کے الفاظ کے استعمال سے بھی اجتناب کرتے ہیں جن سے اصل مقصود کے خلاف وہم پیدا ہوتا ہے۔ وہ خطاء سے زیادہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی لفظ تجویز نہیں کرتے''۔

علاوہ ازیں عنایہ شرح ہدایہ میں بھی ہدایہ کی مذکورہ زیر بحث عبارت کی یہی مراد بیان کی گئی ہے اور یہی جمہور اہل السنت کا مسلک ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ گو حق کے مقابلہ میں باطل ہوتا ہے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے باطل کا لفظ نہیں استعمال کیا جاتا کیونکہ آپ کا اختلاف اجتہاد پر مبنی تھا اور جو قول اجتہاد پر مبنی ہو اسے باطل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ یہ مودودی صاحب کی زیادتی ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے باطل کا لفظ استعمال کیا ہے۔ مودودی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تنقیص و تفریط

کا راستہ اختیار کیا ہے اور سندیلوی صاحب ان کے حق میں افراط وغلو کی طرف چلے گئے ہیں اور اس سلسلے میں علمی خیانتوں کے ارتکاب سے بھی باز نہیں آتے۔ لیکن اہل حق کا مسلک افراط وتفریط کے درمیان بالکل اعتدال پر مبنی ہے۔

مولانا لعل شاہ بخاری

مولانا لعل شاہ صاحب بخاری خطیب مدنی مسجد لائق علی چوک واہ کینٹ سے متعلق بندہ کو پہلے سے کوئی واقفیت نہیں۔ ان کا نام سُنا ہے لیکن ملاقات یاد نہیں۔ ان دنوں ان کی ایک ضخیم کتاب ''حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ واستخلاف یزید'' بجواب ''تحقیق مزید علی خلافۃ معاویہ و یزید'' صفحات ۷۱ ے بھی موضوع بحث بنی ہوئی ہے ان کی اس کتاب کے خلاف ایک رسالہ بنام ''القول السدید فی جواب استخلاف یزید'' مولانا عبدالسلام صاحب مدرس جامعہ اشاعت القرآن حضرو ضلع اٹک نے شائع کیا ہے جس میں بعض دوسرے علماء کی بھی تصدیقات ہیں۔ اس رسالہ میں استخلاف یزید کی سولہ عبارتوں کے متعلق جوابات شائع کئے گئے ہیں۔ میرے پاس بھی جواب کے لئے مذکورہ سوالات آئے تھے لیکن میں نے چونکہ اس زیر بحث کتاب کا مطالعہ نہیں کیا تھا اور دوسرے مشاغل بھی تھے اس لئے جواب نہ دیا۔ اب معلوم ہوا کہ بخاری شاہ صاحب نے ان علماء کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کیا ہوا ہے جنہوں نے اس رسالہ میں ان کے خلاف لکھا ہے۔ استخلافِ یزید سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری صاحب موصوف کا مطالعہ وسیع ہے متعدد کتابوں کے انبار لگا دیے ہیں لیکن وہ بھی راہ اعتدال سے ہٹ گئے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ کے بعد ناواقف قاری کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ حسن ظن نہیں رہتا جو حضور رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہونا چاہیے مثلاً حسب ذیل عبارتیں ملاحظہ ہوں:۔

(۱) ''جمہور اہل السنّت کا دوسرا قول'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ باطل پر تھے یعنی خطا ان کی عنادی تھی اور دورِ خلافت علی رضی اللہ عنہ میں وہ مُلک جائر تھے (استخلاف یزید ص ۱۸۰)

اس کے بعد شاہ صاحب نے ہدایہ وغیرہ متعدد کتابوں کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ جن میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں باطل اور جور وغیرہ کے الفاظ ہیں۔ لیکن اس کے متعلق پہلے حضرت مجدد الف ثانی کا ارشاد نقل کر چکا ہوں کہ اس سے مراد خطائے اجتہادی ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقتاً اہل باطل اور اہل جور وہی شخص کہہ سکتا ہے جو ان کو فقیہ اور مجتہد نہیں سمجھتا اور ان کے خلوص نیت میں شک کرتا ہے لیکن جو شخص آپ کو مخلص اور فقیہ و مجتہد صحابی سمجھتا ہے وہ آپ کے اختلاف کو عنادی نہیں کہہ سکتا۔ اور نہ ہی وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے زمانہ میں وہ حقیقتاً غیر عادل تھے۔ کیونکہ اجتہادی اختلاف میں عادل اور غیر عادل کا تقابل نہیں ہوتا اور شاہ صاحب نے گو آخر میں اہل سنت کے دونوں قولوں کے مابین تطبیق دے کر یہ وضاحت کر دی ہے کہ:۔

''انہوں نے باطل کا قصد نہیں کیا تھا بلکہ حق کا قصد کر کے اجتہاد کیا تھا گر حق کو نہ پا سکے''۔

لیکن اس کے باوجود یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:۔

''حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق جمہور اہل السنّت کی مذکورۃ الصدر آراء دورِ خلافت علی رضی اللہ عنہ میں ان کے خروج وقتال کے سلسلہ میں تھیں لیکن جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ ان سے مصالحت کر کے خلافت سے دستبردار ہو گئے اور ساری جماعت ان پر متفق ہو گئی تو ان کی بغاوت ختم ہو گئی اور بالاتفاق ان کی عدالت برقرار ہو گئی۔ ازاں بعد ان کی طرف فسق و فجور اور ظلم و تعدی کی نسبت کرنا ظلم و تعدی ہے'' (ص ۱۹۱)

یہ بات بھی عجیب ہے جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اختلاف کو (خواہ وہ جنگ وقتال کی صورت میں ہوا) اجتہادی خطاء قرار دے دینا تو پھر یہ کہنا کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ صلح کے بعد ان کی عدالت برقرار ہو گئی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پہلے بھی عادل تھے کیونکہ مجتہد تھے اور مجتہد کو غیر عادل نہیں قرار دیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اختلاف عناد و نفسانیت پر مبنی ہوتا تو آپ ثالثوں کی تحکیم کی تجویز قبول نہ فرماتے۔ کیونکہ حقیقتاً باغی کے لئے تو قرآن مجید میں

صریح حکم مذکور ہے کہ:۔ فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰی تَفِیْٓءَ اِلٰٓی اَمْرِ اللّٰہِ (پس باغی گروہ سے اس وقت تک لڑائی کرو جب تک وہ اللہ کے حکم یعنی حق کی طرف رجوع نہ کرے) حالانکہ آخری وقت تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت قبول نہیں کی۔ باوجود اس کے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ثالثی کی تجویز قبول فرمالی۔

(۲) یزید کی ولی عہدی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

جلیل القدر صحابہ پہلے ہی سیاست سے دستکش ہو چکے تھے کچھ صحابہ اثارت فتنہ سے اور تفریق امت کے اندیشہ سے خاموش ہو گئے بعض کی آواز سفک دماء اور خونریزی کے خوف سے حلقوں میں اٹک کر رہ گئی۔ کچھ روساء مناصب کی وجہ سے مجبور تھے۔ بعض کی زبانیں نقرئی مہروں سے داغ دی گئیں اور بعض کی ذہن دوزی لقمہ ہائے چرب سے کر دی گئی اور بعض کو حرص و آز نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ ملک کے طول و عرض میں رواں دواں اور استحکام ولایت یزید کے لئے کوشاں تھے۔ مناصب رعہود کی خاطر وفود کے وفود دمشق بھیجے جاتے ہیں۔ آخر ان کی سعی نامشکور بارآور ہوتی ہے اور یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ جس کے ہاتھوں امت کی تباہی مقدر ہو چکی تھی پوری امت پر [1] مسلط کر دیا جاتا ہے (ص ۳۱۶)

---

[1] یزید کی تکفیر میں اہل السنت والجماعت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ البتہ اس کے فسق پر اتفاق ہے لیکن اس سلسلے میں مولانا لعل شاہ بخاری نے جس طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ہدف طعن بنایا ہے ان کے جن فضائل کے اکابر اہل سنت قائل ہیں ان پر بھی جرح کی ہے اور ترتیب وار ان کے منکرات کو تفصیلاً پیش کیا ہے۔ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک جلیل القدر صحابیؓ (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کی تنقیص و توہین کا پہلو ہی نمایاں ہوتا ہے۔ چنانچہ شاہ صاحب نے عنوان ہی یہی قائم کیا ہے:۔ تنقیح ما نکر به علی معاویة رضی الله عنه" ان امور کی تنقیح جن کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر نکیر کی گئی ہے۔

حافظ ابن کثیر رقمطراز ہیں:۔ وقد روی عن الحسن البصری انه کان یتهم علی معاویة رضی اللہ عنہ اربعة اشیاء قتاله علیاً وقتله حجر بن عدی۔ واستلحاقه زیاد بن ابیه ومبایعة یزید ابنه (البدایہ والنہایہ ج ۸ ص ۱۳۰) حضرت حسن بصری رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر چار چیزوں کی تہمت کرتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنا اور (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

صحابہ کرام کے متعلق اتنی بات تو صحیح ہے کہ اثارت فتنہ اور تفریق امت کے اندیشہ سے یزید کی خلافت قبول کر لی۔ لیکن اس کے بعد جو شاہ صاحب موصوف نے تبصرہ کیا ہے اگر اس سے مراد صحابہ کرام ہی کے افراد ہیں تو یہ اہل سنت کا عقیدہ نہیں ہے۔ شیعیت کی راہ یہیں سے کھلتی ہے اور ابو الاعلیٰ مودودی صاحب بھی صحابہ کرام کو تنقید سے بالاتر

(گذشتہ سے پیوستہ) حجر بن عدی کو قتل کرنا اور زیاد بن ابیہ کے نسب کو اپنے باپ ابوسفیان سے لاحق کرنا اور اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد بنانا (استخلاف یزید ص ۱۳۴) اس کے بعد شاہ صاحب نے ان چاروں امور پر مشتمل عنوانات کے تحت طویل خامہ فرسائی کی ہے۔ حالانکہ ان امور کا تعلق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد سے ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ حسن توجیہ سے حضرت معاویہ کا دفاع کیا جاتا۔ البتہ اس میں نازک اور زلۃ الاقدام مسئلہ جنگ صفین کا ہے اور یہ بھی اجتہادی خطا پر مبنی ہے۔ اس سے تجاوز کرنا خطرناک ہے لیکن اس مسئلے کا تعلق چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ موعودہ سے ہے اور عباسی گروہ اس میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو صحیح قرار دیتے ہیں اور مولانا اسحٰق صاحب سندیلوی نے بھی (اظہار حقیقت جلد دوم) میں اسی پہلو کو راجح قرار دے کر تفصیلی بحث کی ہے۔ جس سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی قرآنی موعودہ خلافت مجروح ہوتی ہے۔ سندیلوی صاحب تو حضرت معاویہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت بھی برداشت نہیں کرائے۔ اس لئے بندہ نے بھی ان کا جواب تفصیلی طور پر دیا ہے کیونکہ اس مسئلہ کی نوعیت اصولی سی ہے بہر حال شاہ صاحب موصوف نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جس طریق سے تنقید و مذمت کا ہدف بنایا ہے ناجائز ہے۔ شاہ صاحب اسی ایک بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ دور حاضر میں ان کے خلاف جو بعض علماء نے القول "السدید" میں لکھا ہے اس میں انہوں نے اپنی ذاتی توہین محسوس کی ہے حتیٰ کہ اپنے وقار کے تحفظ کے لئے انہوں نے ان کے خلاف استغاثہ تک دائر کر دیا ہے تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو تو شرف صحابیت حاصل ہے ان کے دینی وقار کو مجروح کرنا کتنا مذموم ہوگا البتہ یہ جدا امر ہے کہ عباسی گروہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو دفاع کیا ہے ان کے دینی وقار کو مجروح کرنا کتنا مذموم ہوگا البتہ یہ جدا امر ہے کہ عباسی گروہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا جو دفاع کیا اس میں وہ بہت زیادہ غلو کرتے ہیں جس کے نتیجہ میں وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ہدف طعن و ملامت بناتے ہیں۔ العیاذ باللہ

سمجھنے کا مطلب یہی لیتے ہیں۔ حالانکہ محققین اہل سنت کے نزدیک تمام صحابہ کرام درجہ بدرجہ یبتغون فضلاً من اللّٰہ ورضواناً کا مصداق ہیں۔ خارجیوں نے بھی یہی راستہ اختیار کیا ہے۔ وہ خلیفہ راشد صرف حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سیدنا سیدنا کہہ کر ہی ان کے خلوص وتقویٰ کو مجروح کرتے ہیں۔

(۳) مولانا محمد تقی عثمانی کراچی (حال جسٹس شرعی وفاقی عدالت پاکستان) کے جواب میں عدالت صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث میں لکھتے ہیں کہ اگر بالفرض سارے صحابہ عادل نہ بھی ہوتے جب بھی دین کو کوئی خطرہ نہ تھا۔ اگر سارے تابعی عادل نہیں ہیں تو دین کی عمارت میں کوئی شگاف پیدا نہیں ہوا تو سارے صحابہ کے عادل نہ ہونے سے کیوں دین کی عمارت پیوند خاک ہو جاتی جبکہ دین کی مدار روایات پر ہے اور تسلیم کر لیا گیا ہے کہ روایت حدیث کے بارہ میں سبھی صحابہ عادل ہیں۔ (ص ۴۵)

یہاں اس بحث کی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ کرام صرف روایتِ حدیث کے سلسلے میں عادل تھے یا وہ زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی عادل تھے۔ یہاں صرف شاہ صاحب کے ان الفاظ پر تبصرہ کرنا مقصود ہے کہ اگر بالفرض سارے صحابہ عادل نہ بھی ہوتے جب بھی دین کو کوئی خطرہ نہ تھا۔

تابعین کے متعلق تو ہم کس درجہ میں کچھ کہہ سکتے ہیں لیکن صحابہ کرام کے متعلق یہ نظریہ اختیار کرنا دین کی ساری عمارت کو اپنے ہاتھوں گرانا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وحی متلو ہو یا غیر متلو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے براہ راست صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو پہنچی ہے وہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل بلکہ محمدی انوار وتجلیات کے بھی مشاہدہ کرنے والے ہیں۔

دورِ رسالت کے بعد جن اہل اسلام نے صحابہ کرام سے احادیث حاصل کی ہیں اگر ان کا یہ نظریہ ہو کہ صحابہ اپنی دوسری زندگی میں عادل نہیں ہیں بلکہ ان کی زندگی فسق وفجور سے ملوث ہے تو پھر فرمایئے ان کی روایتِ حدیث پر کیونکر کلی اعتماد ہو سکتا ہے۔ بعض صحابہ کی جزوی خطاؤں کو قرآن کریم میں اسی لئے معاف کرنے کا اعلان فرمایا گیا ہے تاکہ کوئی

ان کو ذاتی کردار میں فاسق و فاجر نہ سمجھے۔ اگر کسی سے کسی وقت بتقاضائے بشریت کوئی گناہ ہو گیا تو اس کو فوراً خالص توبہ کی توفیق نصیب ہوئی ہے اور ہر صحابی کا خاتمہ کامل الایمان ہونے کی حالت میں ہوا ہے۔ حسب ذیل آیتیں قابل غور ہیں (۱) سورہ الفتح کے آخری رکوع میں محمد رسول اللہ کے ساتھ والذین معہ اشدآء علی الکفار الآیۃ فرما کر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو حضور کی رسالت کے لئے بطور گواہ پیش فرمایا ہے اور قبل ازیں لیظھرہ علی الدین کلہ کا اعلان فرمایا ہے اور اسی غلبہ دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے عالم اسباب میں رسول اللہ ﷺ کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ کو ایک جماعت مومنین کاملین کی (جو اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم کی اعلیٰ صفات کاملہ سے متصف ہیں) عطا کی جن کو عالم اسباب مین غلبہء دین کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو اپنی قدرتِ کُن سے سب کچھ کر سکتا ہے لیکن بات عالمِ اسباب کی ہے۔ عالمِ اسباب میں غلبہ دین اسلام کے لئے اللہ تعالیٰ نے جماعت صحابہ کو امت میں اُٹھایا۔ یہ نہ ہوتے تو عالمِ اسباب میں دین کیونکر غالب آتا۔ غلبہ دین کے لئے یقیناً کامل دیندار افراد کی ضرورت ہے۔

(۲) ایک دوسری آیت میں مزید وضاحت فرمادی ہے:۔

اَلَّذِیْٓ اَیَّدَکَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِیْنَ وَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ.

(پ ۱۰ سورۃ الانفال رکوع ۸ . آیت ۶۲)

”وہ وہی ہے جس نے آپ کو اپنی (غیبی) امداد (ملائکہ) سے اور (ظاہری امداد) مسلمانوں سے قوت دی اور ان کے قلوب میں اتفاق پیدا کر دیا“ (ترجمہ حضرت تھانوی ﷫)

اس آیت میں بھی وہی مضمون ہے جب خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرمارہے ہیں کہ جہاں اس نے رسول اللہ ﷺ کی تائید خاص اپنی نصرت سے فرمائی ہے وہاں مومنین یعنی صحابہ کرام سے بھی آپ کو نصرت پہنچائی ہے۔ معلوم ہوا کہ عالمِ اسباب میں صحابہ کرام کی نصرت کی ضرورت تھی۔ علاوہ ازیں قرآن حکیم میں خصوصیت سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ مہاجرین وہ

صحابہ ہیں جنہوں نے وطن اور ہر چیز کو چھوڑ کر محض نصرتِ دین کے لئے حضور خاتم النبیین ﷺ کی مدد کی اور اصحابِ مدین کوالانصار خود حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ شاہ صاحب کو سمجھنا چاہیے کہ یہاں بات بالفرض کی نہیں ہے یہاں ہم نے کتاب وسنت کی روشنی میں رحمت للعالمین ﷺ سے براہ راست فیض پانے والے اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کی قرآنی سند حاصل کرنے والے یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بلند مقام کو پہچاننا اور ماننا ہے۔

تعجب ہے کہ شاہ صاحب بخاری یہ بھی لکھتے ہیں کہ:۔ راقم السطور نے بھی اسی دارالعلوم میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا بلیاوی رحمۃ اللہ اور مولانا اعزاز علی رحمہم اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کیا تھا اور عجب نہیں کہ عامر صاحب عثمانی ہمارے ہم سبق ہی ہوں۔ مجھے یاد نہیں ہے کہ کسی استاذ نے یزید کو جنتی کہا ہو۔ اگر عامر صاحب عثمانی (ایڈیٹر تجلی دیوبند) کے حافظہ میں موجود ہوں تو ذرا اس استاد بزرگوار کی نشاندہی فرمائیں ہم ممنون ہوں گے (ص ۳۵۵)

کاش کہ جس طرح شاہ صاحب نے حضرت مدنی وغیرہ اکابر دیوبند کی یزید کے بارے میں تحقیق پر اعتماد کیا ہے اسی طرح وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب قدس سرہ کے حسب ذیل ارشادات پر بھی اعتماد کرتے۔

یزید کی ولی عہدی کے متعلق حضرت مدنی رحمۃ اللہ کا ارشاد

حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ اگر بالفرض تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خواہش یا سعی اس کے لئے ہوئی تھی تو جبکہ حسب شروط صلح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ان کی وفات ہو چکی تھی تو پھر اب ان عہود و مواثیق کی رعایت باقی ہی نہیں رہتی تھی جو کہ بحیثیت صلح ضروری تھیں اب اپنے اجتہاد اور رائے پر عمل کرنا رہ گیا تھا۔ ان کی وہ رائے کہ مستحق خلافت وہ شخص قریشی ہو سکتا ہے جس میں مادی قوت اور حسن تدبیر ہو اور یہ امر آج بنی امیہ میں عموماً اور یزید میں خصوصاً موجود ہے۔ یزید کو متعدد معارک جہاد میں بھیجنے اور جزائر بحرِ ابیض اور بلاد ہائے ایشیا

کو چک کے فتح کرنے حتیٰ کہ خود استنبول (قسطنطنیہ) پر بڑی بڑی افواج سے حملہ کرنے وغیرہ میں آزمایا جا چکا تھا۔ تاریخ شاہد ہے کہ معارک عظیمہ میں یزید نے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے۔ اس کے فسق وفجور کا علانیہ ظہور ان کے سامنے نہ ہوا تھا اور خفیہ جو بد اعمالیاں وہ کرتا تھا اس کی ان کو اطلاع نہ تھی۔ اس کے بعد حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ آیات و احادیث سے استدلال کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں فرماتے ہیں "ایک وہ شخص جو کہ فقیہ فی الاسلام ہے حسب دعوات مستجابہ ہادی ومہدی ہے والذین معہ...... وغیرہ احادیث وآیات کا مورد ہے کیا وہ کسی مجاہر بالفسق والعصیان کو عالم اسلامی کی رقاب اور اموال وغیرہ کا ذمہ دار کر سکتا ہے" (مکتوبات شیخ الاسلام جلد اوّل ص ۲۶۷)

علاوہ ازیں شاہ صاحب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق اپنی عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں بھی کر رہے ہیں کہ:۔ "کتب تواریخ پر ایک عمومی تبصرہ سیّدی ومرشدی شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جسے علمی حلقوں میں بنظر استحسان دیکھا گیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں:۔ یہ مؤرخین کی روایتیں تو عموماً بے سروپا ہوتی ہیں۔ (استخلاف یزید ص ۶۴)

اتنی عقیدت کے اظہار اور حضرت مدنی کی تحقیق سے واقف ہونے کے باوجود تحقیق کی ایک نئی راہ نکالنا جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ سے بدظنی کا باعث ہو خطرناک ہے۔

مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے بھی باوجود اکابر سے اظہار عقیدت کے اپنی تحقیق کا ایک نیا دروازہ کھول کر ٹھوکریں کھائی ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں کہ:۔ ان بزرگوں کے ساتھ محبت وعقیدت کو میں اپنے لئے باعث سعادت سمجھتا ہوں اور ان کی کفش برداری میسر ہونے کو باعث عزت۔ لیکن باوجود اس کے ان کی ہر رائے کو ضروری نہیں سمجھتا اور اختلاف رائے کو جائز تصور کرتا ہوں چنانچہ زیر بحث مسئلہ میں (یعنی یزید فاسق تھا یا نہ) ان حضرات کی رائے کو صحیح نہیں سمجھتا (جواب شافی ص ۱۶)

بہر حال اکابر سلف کی اتباع وتقلید کے بغیر صراط مستقیم پر رہنا مشکل ہوتا ہے۔

مولانا لعل شاہ صاحب بخاری کے خلاف بعض علماء تو اس وجہ سے ہیں کہ انہوں نے یزید کے خلاف لکھا ہے اور وہ یزید کو صالح و عادل یا خلیفہ راشد قرار دیتے ہیں اور بعض علماء شاہ صاحب کی اس وجہ سے حمایت کر رہے ہیں کہ انہوں نے یزید کے خلاف لکھا ہے اور وہ شاہ صاحب کی دوسری تحریرات سے چشم پوشی کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ دھڑے بندی صحیح نہیں۔ ہم بھی یزید کو فاسق قرار دیتے ہیں لیکن شاہ صاحب کی دوسری قابل اعتراض عبارت کو نظر انداز نہیں کرتے۔ ہمارے سامنے اکابر کا مسلک حق و اعتدال ہے اور ہم اس کا دفاع ضروری سمجھتے ہیں اور بندہ کی زیر تصنیف کتاب کا مقصد بھی یہی ہے اور اس مقصد کے تحت شاہ صاحب کی کتاب ''استخلاف یزید'' کے متعلق اپنی رائے کا مختصراً اظہار کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو قبول حق کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین بجاہ رحمۃ للعالمین ﷺ۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور قرآن

تعجب ہے کہ مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے اظہارِ حقیقت کی دونوں جلدوں میں تاریخی اور حدیثی روایات کے تحت مسئلہ خلافت پر مفصل لکھا ہے۔ لیکن خلافتِ راشدہ کے اصلی ماخذ قرآن سے مستقل طور پر استدلال نہیں کیا۔ کہیں بھی آیتِ استخلاف اور آیت تمکین کو موضوع بحث نہیں بنایا۔ حالانکہ از روئے عقیدہ خلافتِ راشدہ کا ثبوت قرآن حکیم سے ہی ثابت ہوتا ہے۔ امام المحققین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور دورِ حاضر کے امام اہل سنت حضرت مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انہی آیات کو مدارِ بحث بنایا ہے حتیٰ کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند نے بھی اپنی مشہور کتاب ''ھدیۃ الشیعہ'' میں بھی آیت استخلاف سے خلفائے اربعہ کی خلافت پر استدلال کیا ہے۔ چنانچہ زیرِ بحث آیات مع ترجمہ حسب ذیل ہیں:۔

آیت استخلاف

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ

دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (پارہ ۱۸۔ سورۃ النور۔ رکوع ۷)

(ترجمہ از شاہ عبدالقادر محدث دہلوی) ''وعدہ دیا اللہ نے جو لوگ تم میں ایمان لائے اور کیے ہیں نیک کام البتہ پیچھے حاکم کرے گا ان کو ملک میں جیسا کہ حاکم کیا تھا ان سے اگلوں کو اور جما دے گا ان کو دین ان کا جو پسند کر دیا ان کے واسطے اور دے گا ان کو ان کے ڈر کے بدلے امن، میری بندگی کریں گے شریک نہ کریں گے میرا کسی کو اور جو کوئی ناشکری کرے گا اس پیچھے سو وہی لوگ ہیں بے حکم''۔

آیتِ تمکین

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ. (پارہ ۱۷۔ سورۃ الحج رکوع ۶۔ آیت ۴۱)

(ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی) ''وہ لوگ اگر ہم انہیں دنیا میں حکومت دے دیں تو نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں اور نیک کام کا حکم کریں اور بُرے کام سے روکیں اور ہر کام کا انجام تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے''۔

استدلال

آیتِ استخلاف میں منکم کی قید سے ثابت ہوا کہ خلیفہ بنانے کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے کیا ہے جو نزول آیت کے وقت ایمان وعمل صالح والے مسلمان موجود تھے اور دوسری آیتِ تمکین میں جن لوگوں کے متعلق اعلان ہے کہ اگر ہم ان کو حکومت دیں تو وہ یہ کام کریں گے ان سے مراد مہاجرین اوّلین صحابہ کرام ہیں۔ جن کو گھروں سے نکالا گیا تھا۔ مذکورہ دونوں آیتوں سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلافت عطا کرنے کا

وعدہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہ سے کیا ہے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ واز اں جہت کہ آیتِ استخلاف اعنی آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ و آیت اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ ہر دو در یک واقعہ فرود آمدہ اند۔ مطلق یکے را دیگرے تقیید می نماید و آنچہ از ہر دو حاصل شد استخلاف مہاجرین اولین است و مدح خلافت ایشاں۔ و بیان آنکہ اگر تمکین فی الارض نصیب ایشاں گردد لابد جزو دیگر کہ باآں خلافت راشدہ شود باآں منضم خواہد بود"۔

اور اس جہت سے کہ آیت استخلاف وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ و آیت اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ دونوں ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں ایک کے مطلق کو دوسری مقید کرتی ہے اور دونوں کے مجموعہ سے جو حاصل ہوا وہ مہاجرین اولین کا استخلاف ہے اور ان کی خلافت کی مدح۔ اور اس بات کا بیان ہے کہ اگر تمکین فی الارض (یعنی ملک پر حکومت) ان کے حصہ میں آجائے تو ضروری ہے کہ دوسرا جزو کہ جس سے مل کر یہ خلافت راشدہ ہو جائے اس کے ساتھ منضم ہو جائے گا اور ان مباحث کی تقریر جلد اوّل میں گذر چکی ہے (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم ص ۳۹۶)

ایک دوسرے مقام پر خلافتِ خاصہ کے بیان میں شاہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ از جملہ لوازم خاصہ آنست کہ خلیفہ از مہاجرین اوّلین باشد واز حاضران حدیبیہ (ترجمہ) منجملہ لوازم خلافت خاصہ کے ایک یہ ہے کہ خلیفہ مہاجرین اوّلین میں سے ہو اور (نیز) ان لوگوں میں سے ہو جو بدر، تبوک اور دوسرے مشاہد عظیمہ میں موجود تھے جن کی عظمت شان اور جن کے حاضرین کے لئے وعدہ جنت شرع میں حدیث مستفیض سے ثابت ہے (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۴۳)

اور ظاہر ہے کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جن مہاجرین صحابہ کو خلافت ملی وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے ہیں اور حضرت

معاویہ ؓ نہ مہاجرین صحابہ میں ہیں اور نہ انصار میں کیونکہ آپ بعد میں شرف باسلام ہوئے ہیں اس لئے اقتضاء النص اہل السنت والجماعت کا اس پر اجماع ہے کہ قرآن کے موعودہ خلفاء صرف یہی خلفائے اربعہ ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ارشاد

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ آیت استخلاف کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔ اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیلی امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں انہیں چار یار کے لئے تھا۔

(ہدیۃ الشیعہ ص ۵٦)

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی رحمہ اللہ

آیتِ استخلاف کے تحت فرماتے ہیں:۔ خطاب فرمایا حضرت کے وقت کے لوگوں کو جو اُن میں نیک ہیں پیچھے ان کو حکومت دے گا اور جو دین پسند ہے ان کے ہاتھ سے قائم کرے گا اور وہ بندگی کریں گے بغیر شرک۔ یہ چاروں خلیفوں سے ہوا۔ پہلے خلیفوں سے اور زیادہ۔ پھر جو کوئی اس نعمت کا ناشکری کرے ان کو بے حکم فرمایا۔ جو کوئی ان کی خلافت کا منکر ہوا اُس کا حال سمجھا گیا (موضح القرآن)

امام اہل سنت مولانا لکھنوی رحمہ اللہ

امامِ اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ آیتِ تمکین کے تحت لکھتے ہیں:۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ مہاجرین کو تمکین فی الارض دی جائے گی اور وہ لوگ زمانہ تمکین میں ایسے ایسے عمدہ کام کریں گے۔ پس اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ مہاجرین میں سے کن کن حضرات کو تمکین ملی۔ جس وقت یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں فلاں اشخاص کو تمکین ملی۔ اس وقت ہمیں بحکم قرآنی یہ ماننا پڑے گا کہ ان لوگوں سے زمانہ تمکین میں اعمال صالحہ مذکورہ صادر ہوئے اور یہی مفہوم خلافت راشدہ کا ہے۔ ظاہر ہے کہ جماعت

مہاجرین میں سے صرف چار بزرگوں کو تمکین ملی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔ پس قرآن شریف پر ایمان رکھنے والوں کا فرض ہے کہ ان چاروں کو خلیفہ راشد مانیں اور زمانہ خلافت میں جو کام انہوں نے کئے ان کاموں کے پسندیدہ خدا ہونے کا یقین رکھیں۔ (مجموعہ تفسیر آیات قرآنی ص ۲۴۸)

(ب) خاص کر حضرات مہاجرین کے لئے تو خاص قرآن شریف میں نص موجود ہے (ایضاً ص ۵۱)

اس سے معلوم ہوا کہ مہاجرین کے لئے تو خلافت بطور عبارت النص کے ثابت ہے اور چونکہ خلفائے اربعہ مہاجرین میں سے ہیں اس لئے قرآن مجید میں سے بطور اقتضاء النص چار یار کی خلافت راشدہ ثابت ہوئی۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بنص قرآنی ثابت کرنے کا مطالبہ جو سندیلوی صاحب نے جواب شافی میں کیا تھا اس کا جواب اس کتاب کے ص ۲۲۵ پر دے دیا گیا تھا وہاں پھر دیکھ لیں۔ امامِ اہل سنت کی مندرجہ عبارت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔

(۲) امامِ اہل السنت آیتِ استخلاف کی تشریح میں فرماتے ہیں آیت میں خدا نے موعودلہم مومنین صالحین کو قرار دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ وعدہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہے بلکہ آپ کے متبعین سے ہے اور الذین امنوا وعملوا دونوں صیغہ ماضی کے ہیں پھر اس کے بعد لفظ منکم ہے جو ضمیر حاضر پر مشتمل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزولِ آیت کے وقت موجود تھے اور نزول سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی امیہ و بنی عباس وغیرہ موعودلہم نہیں ہو سکتے۔ موعودلہم وہی صحابہ کرام مہاجرین و انصار ہیں۔ نزول آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے۔ خلفائے اربعہ بھی انہی میں ہیں (ایضاً تفسیر آیات قرآنی ص ۹۳)

امامِ اہل السنت مولانا لکھنوی کی مندرجہ تشریح سے رافضیت اور خارجیت دونوں کے نظریہ خلافت کا ابطال ہو جاتا ہے اور اہل السنت والجماعت کا عقیدہ خلافتِ راشدہ

موعودہ جس کا مصداق صرف خلفائے اربعہ (چار یار) ہیں آفتاب نصف النہار کی طرح بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ علاوہ ازیں تقریباً تمام مفسرین اہل سنت آیتِ استخلاف اور آیتِ تمکین کا مصداق خلفائے اربعہ ہی کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ بعض مفسرین کی عبارتیں بطور نمونہ کتاب ص ۹۲ پر گذر چکی ہیں دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ بخوفِ تطویل دوسرے مفسرین کی عبارتیں یہاں نقل نہیں کرتے۔

خلافت صدیقی پر سندیلوی صاحب کا قرآنی استدلال

مولانا سندیلوی خود یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیتِ استخلاف و آیتِ تمکین کی مصداق ہے۔ یعنی حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے اور آں محترم کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ خلافت تھی جیسا کہ آیت تمکین سے سمجھ میں آتا ہے (جواب شافی ص ۱۰)

علاوہ ازیں سندیلوی صاحب نے اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں نص قرآنی سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت ثابت کی ہے جس کے اقتباسات ہم نے نصِ قرآنی کی بحث میں کتاب کے ص ۲۲۵ پر درج کر دیئے ہیں۔ چنانچہ سندیلوی صاحب نے ایک عنوان یہ قائم کیا ہے ”نص قرآنی سے خلافت صدیقی کا ثبوت“ اس میں انہوں نے آیت استخلاف سے ہی استدلال کیا ہے۔ چنانچہ ان کے مضمون سے حسب مقام بعض اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

(۱) آیت میں لفظ منکم (تم سے) قطعی اور یقینی طور پر بتا رہا ہے کہ مخاطب وہی حضرات ہیں جو نزول آیت کے وقت موجود تھے۔ (ص ۴)

(۲) یہ بات بھی بالکل ظاہر ہے کہ عطائے خلافت کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان سے کوئی تخت نمودار ہوگا جس پر کسی شخص کو بٹھا دیا جائے گا اور غیب سے ندا آئے گی کہ یہ خلیفۃ اللہ ہے اس کی اطاعت کر دیا اور کسی خارق عادت طریقے سے خلافت قائم ہوگی۔

بلکہ اس کا صاف اور صریح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عطا فرمائیں گے کہ وہ کسی شخص کو خلیفہ اور اپنا امام منتخب کر کے نظام خلافت قائم کریں لیکن اگر وہ کسی کو منتخب ہی نہ کرتے تو خلافت کس طرح قائم ہوتی۔ یہ احتمال خارج از قیاس نہیں کیونکہ انتخاب خلیفہ فعل اختیاری ہے لیکن باوجود اسکے وعدہ بصیغہ تاکید فرمایا گیا یعنی لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ لام تاکید اور نون تاکید کے ساتھ لایا گیا جس سے حسب قاعدہ عربی تاکید در تاکید ہوگئی اور ترجمہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ضرور بالضرور خلیفہ بنائیں گے۔ گویا کہ صحابہ کرام سے فرمایا جارہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد تم خلیفہ کا انتخاب کرنا۔ ہماری توفیق خاص تمہاری توفیق ہوگی اور یہ نظام خلافت ہمارا موعودہ اور پسندیدہ نظام خلافت ہوگا'' (ص ۵)

(۳) لکھتے ہیں:۔ اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ دین اسلام تا قیام قیامت باقی رہے اس لئے اس کی حفاظت کے اسباب و ذرائع پیدا فرمائے گئے۔ منجملہ ان کے ایک ذریعہ یہ پیدا فرمایا گیا کہ ایک لاکھ سے زائد افراد پر مشتمل ایک بہت بڑی جماعت کو اتباع کتاب وسنت کا عملی نمونہ بنا دیا گیا اور نبی اکرم ﷺ کے بعد انہیں اقتدار بھی عطا فرمایا گیا تا کہ وہ ہر طرح دین کی حفاظت واشاعت کر سکیں اور دشمنانِ دین سے اسے اس طرح محفوظ کر دیں کہ تا قیام قیامت کوئی اسے ضرر نہ پہنچا سکے۔ نظام خلافت کا قیام اس اقتدار کی عملی شکل تھی جس کے لئے کسی خلیفہ کا انتخاب لازم تھا۔ اس مرحلے پر باوجود اخلاص غلطی کا بھی امکان تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ جل شانہ نے صحابہ کرام کو بمنزلہ ''جارحہ'' (یعنی آلہ) بنالیا کہ بظاہر تو وہ حضرات دین کی حفاظت اپنے ارادے سے کر رہے ہیں لیکن درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ کا ارادہ اور لطف خاص اس طرح ان کے ارادے پر محیط تھا کہ وہ بلا تشبیہ اس طرح کام کر رہے تھے جیسے دستِ کاتب میں قلم۔ اس لئے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تا کہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔

(۴) امر بصورت وعدہ کی تیسری حکمت بیان کرتے ہوئے سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہو چکا تھا۔ اگر امر خلافت بصورت امر ہی ہوتا تو صدیق اکبر کا انتخاب کرنے کے بعد صحابہ کرام کو یہ فکر ہوتی کہ ہم نے حکم الٰہی پر مرضی الٰہی کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں؟ اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا۔ اس لئے امر بصورت وعدہ فرمایا گیا تا کہ انتخاب کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ عین مرضی الٰہی تھا۔

(۵) بعنوان ''نتیجہ بحث'' لکھتے ہیں کہ:۔

آیتِ استخلاف میں اللہ تعالیٰ شانہ نے صحابہ کرام کو خلافت سے نوازنے کا وعدہ فرمایا اور وعدے کے پیرائے میں ہی انہیں انتخاب خلیفہ کا حکم بھی دیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط نہیں ہوسکتا اس لئے جب آیت نازل ہوئی تو یہ بات یقینی اور قطعی ہوگئی کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد صحابہ کرام کسی کو اپنا امام اور خلیفہ رسول بنائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ جب واقع ہوگیا تو یہ بات روز روشن سے زیادہ روشن ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہیں کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا۔ بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر فرمایا تھا کیونکہ استخلاف کی آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ نے خود اپنی ذات اقدس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اگر معاذ اللہ ان کی خلافت کو باطل کہا جائے تو لازم یہ آتا ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ نے وعدہ خلافی کی۔ وعدہ تو کیا مگر صحیح خلافت قائم کرنے کی ہدایت نہ فرمائی بلکہ باطل سربراہ کے تحت کر دیا۔

(۶) وعدہ استخلاف اور حق تعالیٰ شانہ کی جانب اسکے انتساب کا مطلب یہ ہے کہ موعود لہم جو خلافت قائم کریں گے وہ صحیح ہوگی اس بارے میں ان سے غلطی نہیں ہوسکتی اس لئے کہ حق تعالیٰ اس کی صحت اور حقانیت کے کفیل وضامن ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اسے اپنی جانب منسوب کیوں فرماتے۔

(۷) ان اجزائے آیت سے بھی صاف ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ موعود اور امام برحق تھے اور آں محترم کی خلافت موعودہ خلافت تھی۔ نیز یہ کہ یہ آیتِ خلافت

صدیق کے لئے نص ہے جس کا اقتضاء یہ ہے کہ آں محترم کو خلیفہ منتخب کرنا رضائے الٰہی اور حکم الٰہی کے مطابق تھا۔

(۷) آخر میں ارشاد فرمایا:۔ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (جو شخص اس کے بعد ناشکری کرے گا تو ایسے ہی لوگ فاسق ہیں) خلفائے راشدین کی خلافت کی حقانیت وصحت کا جو منکر ہو وہ فاسق ہے۔ ان حضرات میں سب سے پہلے خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق ہیں ان کی خلافت کی حقانیت کا منکر بھی فاسق اور مستوجب عذاب آخرت ہے۔ یہ ان کی خلافت کے حق ہونے کا اعلان ہے اور ان کے مخالفین کے لئے تہدید۔ ظاہر ہے کہ شیعہ ہی ان کی خلافت کے منکر ہیں"۔ (ایضاً غیر مطبوعہ مضمون ص ۱۱)

خلافت مرتضوی رضی اللہ عنہ کے متعلق تحقیقی بحث

سندیلوی صاحب نے آیتِ استخلاف سے جس طرح حضرت ابوبکر صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم کی خلافتوں کی حقانیت اور ان کے موعودہ خلفاء ہونے پر استدلال کیا ہے صحیح ہے اور اہل السنت والجماعت کا یہی اجماعی عقیدہ ہے لیکن اسی استدلال کی بنا پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی حق اور موعودہ ثابت ہوتی ہے اور آیتِ استخلاف کی بحث کے آخر میں صرف خلفائے ثلاثہ کا ذکر کرنا یا تو اس وجہ سے ہے کہ وہ شیعہ نظریہ خلافت کے پیش نظر حضرات ثلاثہ کے خلفائے برحق ہونے کی تصریح کر رہے ہیں کیونکہ وہ اصحاب ثلاثہ کی نہ صرف خلافت کے بلکہ العیاذ باللہ ان کے ایمان کے ہی منکر ہیں۔ یا کوئی اور وجہ ہے۔ بہر حال جب سندیلوی صاحب نے جواب شافی ص ۱۰ پر یہ تسلیم کر لیا ہے کہ:۔

"حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیتِ استخلاف اور آیتِ تمکین کی مصداق ہے"۔

تو جو استدلال انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور انتخاب کے صحیح اور حق ہونے پر آیتِ استخلاف سے کیا ہے وہی استدلال ان کو اور مومن بالقرآن کو حضرت علی

المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور انتخاب کے برحق ہونے کے لئے تسلیم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ:۔ اس مرحلے پر باوجودِ اخلاص غلطی کا بھی امکان تھا۔ اس لئے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب صحیح انتخاب ہوگا۔ علاوہ ازیں سندیلوی صاحب نے یہ لکھا ہے کہ:۔ ''یہ بات روزِ روشن سے بھی زیادہ روشن ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے انہیں مقرر فرمایا تھا''۔

چونکہ سندیلوی صاحب اپنے قول کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ المرتضٰی بھی خلیفہ موعود ہیں۔ اس لئے باقتضائے نصِ قرآنی یہ ایمان رکھنا ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مقرر فرمایا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اُن کا انتخاب خلافت بھی بالکل صحیح تھا اور اس انتخاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں پائی گئی۔

سندیلوی صاحب کی تضاد بیانی یا انکار وعدہ قرآنی

لیکن باوجود حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کے قرآن کے موعود خلیفہ تسلیم کرنے کے جب حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین اختلاف بلکہ جنگ وقتال کی بحث آتی ہے تو سندیلوی صاحب یہ فرماتے ہیں کہ (۱) اوّل الذکر دونوں جماعتیں (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعتیں) فریق کی حیثیت رکھتی ہیں اور ان میں ہر فریق کی رائے دوسرے فریق کی رائے سے متصادم ہے اسلئے کسی کو ترجیح نہ دی جائے گی اور دونوں سے قطع نظر کر کے غیر جانبدار حضرات کی رائے پر نظر کی جائے گی اور اس کی پیروی کرنا صحیح راستہ ہے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۰)

تبصرہ

آیتِ استخلاف کا تقاضا تو یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گویا کہ اللہ تعالیٰ نے خود خلیفہ مقرر فرمایا ہے۔ اوران کا انتخاب بھی اسی کی خصوصی توفیق اور وعدہ کے تحت صحیح ہوا ہے لیکن سندیلوی صاحب خدا کے مقرر کردہ خلیفہ کی طرفداری نہیں کرتے بلکہ ان کو ایک فریق قرار دے کر نظرانداز کر رہے ہیں۔ کیا یہ تقاضائے نص قرآنی کا اقرار ہے یا انکار؟

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کے متعلق لکھتے ہیں:۔ ''جن لوگوں نے انہیں منتخب کیا تھا ان میں شام یا دوسرے ممالک اسلامیہ کا کوئی نمائندہ نہ تھا بلکہ درحقیقت مدینہ طیبہ کے نمائندوں نے ان کا انتخاب کیا تھا یہی نہیں بلکہ مہاجرین وانصار کی اکثریت بھی اس انتخاب میں حصہ دار نہ تھی۔ ان حالات میں جو خلافت منعقد ہوئی وہ جائز تو تھی لیکن محض ہنگامی تھی۔ اس کے استحکام اور اس کی بقا کے لئے استصواب رائے اور دوبارہ انتخاب کی حاجت سے انکار نہیں ہوسکتا (ص ۱۷۳)

(۳) ان حالات پر نظر کرنے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (Emergency) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلام کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا اس صورت میں شرعاً وعقلاً ہر طرح سے لازم تھا کہ مناسب حالت پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا یعنی ہر شخص کو جو شرعاً حق رائے دہی رکھتا تھا اپنے حق کو استعمال کرنے کا موقع دیا جاتا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی خلافت سے انکار نہیں فرمایا لیکن بجا طور پر اس کی نوعیت ہنگامی خیال فرمائی اور اس بنا پر ان کا مطالبہ تھا کہ استصواب رائے عامہ کیا جائے۔ اس سے قبل ان کے نزدیک خلافت مستحکم نہیں ہوسکتی تھی اور نہ خلیفہ کو اس کا اختیار حاصل تھا کہ وہ پرانے نظام میں کوئی ایسی تبدیلی کرے جو باغیوں کے لئے مفید اور ان کی خواہش کے مطابق ہو۔ (ص ۱۸۲) (ایضاً جواب شافی ص ۸)

(۴) ان کی (یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی) دلیل یہ تھی کہ اس ہنگامی انتخاب میں صحابہ کرام کی بہت بڑی تعداد بلکہ اکثریت اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کر سکی۔ وہ خود بھی اس حق کے استعمال سے محروم رہے۔ اس لئے ہنگامی حالت گزرنے کے بعد اس انتخاب کو کالعدم قرار دینا چاہیے۔ (ص ۴۱۱)

(۵) حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے (ص ۴۲۲)

تبصرہ

سندیلوی صاحب کی مندرجہ عبارتوں نمبر ۲ تا ۵ سے واضح ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پہلے انتخاب خلافت کو کالعدم قرار دے کر دوبارہ انتخاب شرعاً وعقلاً لازم تھا گویا کہ آیتِ استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے امر بصورت وعدہ جو فرمایا ہے اور جس کا تقاضا ہے کہ موعودہ خلفاء کا انتخاب بالکل صحیح ہوگا۔ اس میں وہ خود غلطی نہیں ہونے دے گا (جیسا کہ سندیلوی صاحب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اور انتخاب کے صحیح ہونے پر استدلال کر چکے ہیں) اس وعدہ کے باوجود جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی باری آئی تو اللہ کا وعدہ بدل گیا۔ ان کا شروع میں صحیح انتخاب نہیں ہوسکا اس کو کالعدم قرار دے دیا جائے اور پھر دوبارہ انتخاب کے نتیجہ کے متعلق بھی پیشگوئی فرما رہے ہیں کہ:۔

"اگر دوبارہ آزادانہ انتخاب ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے"۔

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ تو فرمایا تھا کہ موعودہ خلفاء کے انتخاب میں غلطی نہیں ہونے دے گا اور اس نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے حکم اور وعدہ کے تحت خلیفہ بنا ہی دیا۔ لیکن فریق ثانی کی اتنی قوت تھی کہ دوبارہ انتخاب میں ہوسکتا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ شکست کھا جاتے۔ یہ ہے سندیلوی صاحب کا قادر مطلق کے وعدہ اور حکم پر ایمان۔

فرمائیے! اللہ کے مقابلہ میں کون حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انتخاب میں شکست دے سکتا تھا۔

معزولی کا مطالبہ

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کیے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا۔ کیونکہ اس فیصلہ کے جواز میں تو کسی کو کلام ہی نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا ہو نصب وعزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے۔ حکمین نے رفع تنازع کے لئے یہی مناسب سمجھا اور جب انہوں نے فیصلہ کر دیا تو فریقین کے لئے اس پر عمل کرنا واجب تھا۔ خلافت سے دستبردار ہو جانا شرعاً کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔ (ص ۳۸۱)

تبصرہ

جہاں تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رفع تنازع کے لئے رواداری کر سکتے تھے آپ نے فرمائی چنانچہ حکمین کا تقرر تسلیم کر لیا اور یہ بھی اس لئے کہ آپ فریق ثانی یعنی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حقیقتاً باغی قرار نہیں دیتے تھے (بوجہ ان کے اجتہادی اختلاف کے) لیکن جب حکمین نے آپ کو معزول کر دیا تو چونکہ یہ فیصلہ آیتِ استخلاف کے خلاف تھا اس لئے آپ اس کو قبول نہیں کر سکتے تھے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق (جس کام میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا سندیلوی صاحب اگر آیتِ استخلاف پر ایمان رکھیں تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ

نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔اس لئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے۔اور اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حکمین کا فیصلہ منظور فرما لیتے تو یہ بھی آیت کے تقاضا کے خلاف ہوتا۔لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف وہ کر ہی نہیں سکتے تھے اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہی عمل صادر ہوا جو مرضیء خدا تعالیٰ کے عین مطابق تھا۔اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ معزول ہو جاتے تو آج ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ چوتھا موعود خلیفہ قرار نہیں دے سکتے تھے۔اس صورت میں روافض کے لئے بھی خلفائے ثلاثہ کے انکار کا راستہ کھل سکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وعدۂ خداوندی کے باوجود معزول کرنا صحیح ہے اسی طرح خلفائے ثلاثہ کا انتخاب بھی باوجود وعدۂ خداوندی صحیح نہ تھا اور وہ خلافت راشدہ پر فائز ہونے کے اہل نہ تھے کیا سندیلوی صاحب کے پاس از روئے علم ودیانت اس کا کوئی جواب ہے؟

حکمین خطا کریں گے

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بازاز واقعہ تحکیم اخبار فرمود. فی الخصائص اخرج البیھقی عن علیؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان بنی اسرائیل اختلفوا فلم یزل اختلافھم فیما بینھم حتی بعثوا حکمین فضلاً واضلاً وان ھذہ الامۃ مختلفۃ فلا یزال اختلافھم بینھم حتی یبعثوا حکمین ضلّا وضلّ من اتبعھما

. مراد از ضلا آنست کہ خطا کردہ اندور اجتہاد خود ومراد از ضلّ من اتبعھما آنست کہ ایں خطا موجب مفاسد کثیرہ گشت ازاں جملہ خروج خلافت از

دست مہاجرین اوّلین بسوئے سائر قریش واز اں جملہ برآمدن خوارج متمسک بآنکہ تحکیم در دین اللہ صحیح نبود۔

(ازالۃ الخفاء فارسی جلد دوم ص ۲۷۶ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

(ترجمہ) ''پھر رسول اللہ ﷺ نے واقعہ تحکیم کی خبر دی۔ خصائص میں ہے کہ بیہقی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بنی اسرائیل میں اختلاف پیدا ہوا جو بڑھتا رہا حتیٰ کہ انہوں نے حکمین، (دو ثالث) مقرر کئے تو انہوں نے غلط فیصلہ کیا اور دوسروں کو بھی غلطی پر ڈالا۔ اور اس امت میں بھی اختلاف پیدا ہوگا ان کا اختلاف بھی بڑھے گا حتیٰ کہ وہ حکمین کو مقرر کریں گے جو غلطی کریں گے اور جو ان کی پیروی کرنے والے گمراہ ہوں گے سے مراد یہ ہے کہ یہ خطا بہت مفاسد کا موجب بن گئی جن میں سے ایک یہ ہے کہ خلافت مہاجرین اوّلین میں سے نکل کر دوسرے قریش کی طرف چلی گئی اور ایک یہ ہے کہ خوارج پیدا ہوئے جنہوں نے یہ قول اختیار کیا کہ اللہ کے دین میں تحکیم (کسی کو ثالث مقرر کرنا) صحیح نہیں ہے''۔

اگر آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مفہوم سمجھ کر اس پر ایمان رکھا جائے تو ماننا پڑتا ہے کہ اگر ثالثوں نے (خواہ بعض دوسرے صحابہ کے مشورہ سے ہی ہو) یہ فیصلہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول ہو جائیں یا بقول سندیلوی (ا) فیصلہ حکمین نے نہیں بلکہ اکابر صحابہ نے کیا تھا جو اس دور کے ارباب حل وعقد تھے حکمین نے ان کے اجتماع کے سامنے اپنی سفارش کی تھی (ص ۳۷۴) (ب) اجتماع ذرح میں اکابر صحابہ نے طے کر دیا تھا کہ دونوں حضرات حدود معینہ میں خلیفہ کے منصب پر فائز ہوں اور ملک دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ فریقین اپنے اپنے مطالبات سے دستبردار ہو جائیں تاکہ خانہ جنگی اور مسلمانوں کی خونریزی کا سلسلہ بند ہو اور اخوت ومصالحت کی فضا پیدا ہو۔ (ایضاً اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۶۹)

یہ دونوں فیصلے آیتِ استخلاف کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰ کو کوئی معزول نہیں کرسکتا اور نہ ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت کی موجودگی میں کسی دوسرے کو خلیفہ مقرر کیا جاسکتا ہے۔ سندیلوی صاحب اپنے اوہام و وساوس کے جال کو وسیع دائرہ میں پھیلاتے ہوئے یہ نتیجہ نکالتے وقت آیتِ استخلاف اور اس کے تقاضے سے آنکھیں بند کرلیتے ہیں۔ آخر اس کا باعث کونسا داعیہ ہے؟

سندیلوی صاحب کا زیر بحث مسئلہ میں یہ کہنا کہ:۔ نصب و عزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے (ص ۳۸۱) بالکل غلط ہے کیونکہ حسبِ وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ان کو معزول کرنا اختلافی و اجتہادی مسئلہ نہیں رہتا۔ بلکہ ان کو معزول کرنا حکمِ خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو عبوری ماننا خلاف قرآن ہے

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ ''قاضی صاحب کے اس دعوے پر بھی نظر کرنا مناسب ہے جو اُن کے گذشتہ اقوال سے عیاں و اران کے اعتراضاتِ سابقہ کی اساس ہے یعنی ان کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کو علی الاطلاق عبوری یا عارضی کہنا شرعاً ممنوع اور حدود مذہب اہل السنّت سے تجاوز ہے اپنے اس دعوے پر موصوف نے کوئی دلیل نہیں قائم کی حالانکہ اصولاً انہیں پہلے یہی کرنا چاہیے تھا ظاہر بات ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اس کے پورے زمانہ میں تو کوئی بھی عبوری یا عارضی نہیں کہتا۔ کیونکہ تقریباً تواتر سے ثابت ہے کہ ایک مدت کے بعد مہاجرین و انصار اور دیگر اکابر صحابہ یعنی سب ارباب حل و عقد نے بھی ان کی خلافت کی توثیق کردی تھی بحث صرف ابتدائی انتخاب اور توثیق کے درمیانی دَور سے ہے۔ (جواب شافی ص ۱۵)

الجواب:۔ (۱) ''میری دلیل آیتِ استخلاف ہے اور طرز استدلال وہی ہے جو آپ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور حقانیت کے لئے پیش کیا ہے۔ یعنی پہلے تینوں

خلفائے راشدین کی طرح حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی موعودہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم بصورت وعدہ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا ہے اور ان کے صحیح انتخاب کی اُسی نے صحابہ کو توفیق عطا فرمائی ہے اور اللہ کی مقرر کردہ خلافت از ابتداء تا انتہاء (آخری لمحہ حیات تک) مستقل ہے۔ اس میں ایک منٹ بھی عارضی اور عبوری خلافت کا نہیں ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں سندیلوی صاحب قرآن سے؟ ثابت کریں کہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ خلافت موعودہ کا کوئی دور عارضی اور عبوری بھی تھا اور قادر مطلق کے مقرر کردہ خلیفہ موعود کو معزول کرنا کسی انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ آپ اپنے علم و فضل کا سارا زور لگا کر بھی نصِ قرآنی کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا (اگرچہ سب مل کر بھی ایک دوسرے کی مدد کریں)

سندیلوی صاحب! سوائے توبہ کے اور کوئی شرعی دروازہ آپ کے لئے کھلا ہوا نہیں ہے۔

آیت اولی الامر کی بحث

قرآن مجید میں ہے:۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا .

''اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہنا مانو اور تم میں سے جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اس امر کو اللہ اور اس کے رسول کے حوالے کر دیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ امور سب سے بہتر ہیں اور ان کا انجام خوش تر ہے'' (پارہ ۵ سورۃ النساء رکوع ۸، آیت ۵۹ ترجمہ حضرت مولانا تھانوی)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت تو اپنی اپنی جگہ مستقل ہے لیکن اولی الامر (اصحاب حکومت) کی اطاعت ان کے تابع ہے۔ یعنی ان کی اطاعت لازم ہے [1] بشرطیکہ ان کا کوئی حکم اللہ اور رسول کے خلاف نہ ہو اب جبکہ حضرت علی المرتضیٰ آیت استخلاف کے امر و وعدہ کے مطابق برحق خلیفہ (صاحب امر) ہیں تو ان کا حکم رعیت کے لئے واجب التسلیم ہوگا۔ اور سندیلوی صاحب کے اپنے استدلال مذکور کے تحت ان کی خلافت بھی نص قرآنی سے ثابت ہے جس سے یہ لازم آئے گا کہ اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ہی تسلیم نہیں کیا تو یہ گویا اللہ کے حکم کی مخالفت ہے اور خلیفہ مان کر ان کا وہ حکم تسلیم نہیں کیا جو خلاف حکم خدا اور رسول اللہ ﷺ کے نہ تھا تو یہ بھی آیت اولی الامر کے خلاف ہے۔ اس لئے سندیلوی صاحب اس بحث میں بھی بڑے پریشان ہیں اور مختلف بولیاں بول کر اپنا جی بہلا لیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ منتخب ہونے سے انکار نہیں تھا وہ انہیں خلیفہ بھی سمجھتے تھے اور وقت انتخاب کے حالات کے پیش نظر اس انتخاب کو بھی جائز سمجھتے تھے لیکن اس انتخاب کو ہنگامی حالت (ایمر جنسی) کا انتخاب کہتے تھے اسے مستقل انتخاب تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھے (ص ۴۱۱)

---

[1] شیعہ بارہ اماموں کو معصوم اور انبیائے سابقین سے بھی افضل مانتے ہیں اس لئے ان کی اطاعت کو بھی وہ مثل انبیائے کرام کی اطاعت کے مستقل مانتے ہیں لیکن آیت مذکورہ ان کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کیونکہ اولی الامر (جس میں خلفاء بھی شامل ہیں) کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع قرار دیا گیا ہے اس لئے انہوں نے بجائے اپنا عقیدہ بدلنے کے آیت ہی میں تبدیلی و تحریف مان لی چنانچہ فروع کافی کتاب الروضہ ص ۸۹ میں ہے عن یزید بن معاویۃ قال تلا ابو جعفر علیہ السلام اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان خفتم تنازعاً فی الامر فارجعوہ الی اللّٰہ و الی الرسول والی اولی الامر منکم الـــــخ یزید بن معاویہ سے روایت ہے کہ ابو جعفر یعنی امام محمد باقر علیہ السلام نے آیت اسطرح تلاوت کی...... الخ حالانکہ قرآن مجید میں فان خفتم تنازعاً سے والی اولی الامر منکم تک کوئی آیت نہیں ہے۔ عبرت عبرت عبرت۔

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خلافت کو ہنگامی اور عبوری سمجھتے تھے اور ان کے انتخاب کے طریقہ کو صحیح طریق انتخاب نہ سمجھتے تھے۔ دوبارہ انتخاب و استصواب رائے کا مطالبہ کر رہے تھے (ص ۳۶۱)

(۳) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مستقل امارت تسلیم ہی کب کی تھی؟ جو احکام مذکور کا ان کے معاملے پر اطلاق ہوتا؟ پھر یہ کہ کیا انہوں نے ان کی اطاعت سے کلیتاً انحراف کیا تھا؟ انہوں نے تو صرف ایک جزوی معاملے یعنی معزولی کے بارے میں ان کا حکم ماننے سے انکار کیا تھا (ص ۳۵۲)

سندیلوی صاحب کی مندرجہ عبارتیں ان کے ذہنی انتشار کی عکاسی کرتی ہیں۔ اس بات سے کون انکار کر سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر تک حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہیں کی اور بڑی شدت سے حسب تحقیق سندیلوی دوبارہ انتخاب کا مطالبہ کیا۔ وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طریق انتخاب کو صحیح طریق انتخاب نہ سمجھتے تھے۔ لیکن اس کے باوجود سندیلوی صاحب یہ بھی تحریر فرما رہے ہیں:۔

”جہاں تک حضرت علی کی شخصیت کا تعلق ہے دور صحابہ کے بعد کوئی سنی ان کے انتخاب کو غلط نہیں کہہ سکتا۔ ہر سُنی کے نزدیک آں محترم خلیفہ ہونے کے اہل تھے لیکن ان کے دور کے صحابہ کرام کو یقیناً اس کا حق تھا کہ وہ انہیں منصب خلافت کے لئے مناسب نہ سمجھیں“ (ص ۴۱۰)

تبصرہ

جو بات کی خدا کی قسم لا جواب کی

ہمارا سوال یہ ہے کہ دور صحابہ کے بعد جب کوئی سُنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو غلط نہیں کہہ سکتا تو پھر اہل سنت کے اس اجماعی عقیدہ کے تحت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس رائے کو کیونکر صحیح کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی کا طریق انتخاب صحیح نہ تھا۔ جمہور اہل السنت اسی وجہ سے تو حضرت معاویہ کو اس اجتہاد میں خطا پر قرار دیتے ہیں۔ لیکن سندیلوی

صاحب اس مسلک کو بے دلیل بلکہ خلاف دلیل قرار دیتے ہیں؟ جب انتخاب صحیح ہے تو اہل سنت کا یہ عقیدہ کسی دلیل پر مبنی ہوگا یا بلا دلیل۔ سندیلوی صاحب کسی ایک موقف پر قائم رہ کر بحث کریں۔ جب ہر سنی کے نزدیک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب صحیح ہے اور آپ کو اہل سنت میں شمار کرتے ہیں تو پھر آپ کو ہر سنی کے اس عقیدہ کے مطابق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع کرنا چاہیے تھا لیکن آپ تو یہ بھی تنقید کر رہے ہیں کہ:۔

"اس صورت میں شرعاً وعقلاً ہر طرح سے لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا" (ص ۱۸۳)

نیز لکھتے ہیں:۔ اگر دوبارہ انتخاب ہو جاتا اور آزادانہ رائے دہی کا سب کو موقع ملتا تو باہمی اختلاف بھی ختم ہو جاتا ان کی خلافت زیادہ مستحکم ہو جاتی اور مسلمانوں کی اتنی خونریزی نہ ہوتی۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ کی تجویز کیوں نہ مانی۔ (ص ۴۲۲)

الجواب: (۱) چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب آیت استخلاف کے وعدہ کے مطابق بالکل صحیح تھا (اسی بنا پر دور صحابہ کے بعد ہر سنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے انتخاب کو بالکل صحیح مانتا ہے) اس لئے حضرت علی نے حضرت معاویہ کی تجویز قبول نہ فرمائی۔ اگر قبول فرمالیتے تو آیت استخلاف کا وعدہ صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا تھا۔ کیا سندیلوی صاحب کو یہ حسرت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آیتِ استخلاف کے تقاضا کے خلاف کیوں عمل نہ کیا؟

سندیلوی صاحب کا ایک اور غلط استدلال

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو گورنری سے معزول کر دیا تھا لیکن حضرت معاویہ نے ان کا یہ حکم تسلیم نہیں کیا۔ سندیلوی صاحب اس کی توجیہ میں لکھتے ہیں کہ:

"شرعاً انہیں خلیفہ وقت سے اختلاف کا حق بھی حاصل تھا کیونکہ آئین اسلام میں اطاعت خلیفہ کے کچھ حدود بھی مقرر ہیں اور اتنی بات تو مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں۔ یہ حدود قرآن مجید حدیث نبوی اور تعامل صحابہ سے ثابت ہیں اور عقل سلیم بھی ان کے سامنے سر تسلیم خم کرتی ہے۔ انہیں دلائل شرعیہ کی بنا پر فقہائے کرام نے اطاعتِ امیر

کے لئے مندرجہ ذیل ضابطہ بیان کیا ہے:۔

ثم اذا امر العسکر بامر فھو علی اوجہ ان علموا انہ نفع بیقین اطاعوہ وان علموا خلافہ ..... لا یطیعوا لہ وان شکوا لزمھم طاعتھم (رد المحتار ج ۴ مطلب فی وجوب اطاعۃ الامام)

"امیر اگر کسی لشکر کو کسی کام کا حکم دے تو اس کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر اہل لشکر کو یقین ہو کہ وہ کام (دینی یا ملی حیثیت سے) نافع ہے تو ان پر اس حکم کا بجالانا واجب ہے اور اگر انہیں اس کے خلاف کا علم ہے (یعنی وہ جانتے ہیں کہ یہ کام دینی یا ملی حیثیت سے مضر ہے) تو امیر کی اطاعت نہ کریں گے اور اگر (اس کے نافع ہونے اور مضر ہونے میں) شک ہے (یعنی کوئی جانب یقین نہیں) تو بھی اطاعت واجب ہے"۔

دلائل شرعیہ پر مبنی اس اصول کی روشنی میں حضرت معاویہ اور حضرت علی کے مندرجہ بالا اختلافات پر نظر کیجئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کم از کم درجہ ظن غالب میں اپنی معزولی اور صوبہ شام سے علیحدگی کو دینی و ملی اعتبار سے امت کے لئے سخت مضرت رساں سمجھتے تھے اور واقعات شاہد ہیں کہ ان کا اندیشہ بالکل صحیح تھا۔ ایسی صورت میں شرعاً ان پر حکم معزولی میں خلیفہ کی اطاعت واجب نہ تھی (ص ۲۰۴)

الجواب: (ا) سندیلوی صاحب متاخرین فقہاء کا حوالہ اپنی تائید میں کیونکر پیش کر سکتے ہیں جبکہ وہ یہ لکھ چکے ہیں کہ:۔ یہاں اس دستوری نکتہ کی وضاحت لازم ہے جس کی طرف عام طور پر مورخین اور متاخرین فقہاء و متکلمین کا ذہن نہیں گیا کہ ان سب حضرات کا بیعت ... سے انکار خلافت مرتضوی تسلیم کرنے سے انکار کے مترادف نہیں تھا (حاشیہ ص ۱۸۷)

توجب فقہائے متاخرین اس بارے میں دستوری نکتہ نہیں سمجھ سکے تو ان (فقہاء) کا ضابطہ آپ کیلئے کیونکر حجت بن سکتا ہے۔

(ب) ردمختار کی مندرجہ بالا عبارت کا مطلب علامہ شامی کے نزدیک وہ نہیں ہے جو سندیلوی صاحب سمجھ رہے ہیں کیونکہ یہ فقہاء باوجود اس ضابطہ مذکورہ کے حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے قائل ہیں۔

(۲) مندرجہ بالا ضابطے کا تعلق زیر بحث مسئلہ سے نہیں ہے کیونکہ اس میں اس جزوی اختلاف کا ذکر ہے جس میں امیر لشکر کو عملاً امیر تسلیم کر لیا گیا ہے اور اہل لشکر امیر کے تابع ہو کر دشمن سے جنگ کر رہے ہیں۔ پہلے ثابت کریں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے عملاً حضرت علی المرتضٰی کو خلیفہ تسلیم کر کے ان کی اطاعت قبول کر لی تھی۔ جب سندیلوی صاحب خود بھی بار بار یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا مطالبہ یہ تھا کہ خلافت کے لئے دوبارہ انتخاب کرایا جائے۔

(۳) ردمختار شامی کی عبارت کا تعلق ماتحت اُمرائے لشکر سے ہے نہ کہ مرکزی خلیفہ اسلام سے۔ اور یہاں تو معاملہ حضرت علی المرتضٰی کا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حسب آیت استخلاف اپنے وعدہ کے مطابق خلیفہ مقرر فرمایا ہے اگر خلیفہ موعود کسی گورنر کو معزول کرنے کا حکم دیں تو ان کو اس کا استحقاق بھی ہے اور ان کا یہ حکم صحیح بھی ہے کیونکہ خلیفہ موعود کی رہنمائی اس قسم کے اہم معاملات میں وہی کرنے والا ہے جس نے ان کو منصب خلافت عطا فرمایا ہے۔

دورِ حاضر کے ایجی ٹیشن کی غلط مثال

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ نیز اس جزوی نافرمانی کو بغاوت نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے تحت حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔ آج دنیا کے بڑے حصہ میں حکومتوں کے قوانین پبلک توڑتی رہتی ہے اور ان کے خلاف احتجاج کرتی رہتی ہے۔ طلبہ، مزدور، ملازمین، حکومت وغیرہ کی طرف سے اس قسم کی سول نافرمانیاں حکومت کے احکام سے سرتابیاں روزمرہ کا جزو بن گئی ہیں لیکن دنیا کے کسی ماہر دستور نے انہیں بغاوت نہیں کہا۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۸۵)

الجواب (۱) محقق سندیلوی نے قرآن کی موعودہ خلافتِ راشدہ کا حل مروجہ جمہوری نظام کی تباہ کن ایجی ٹیشنوں میں ڈھونڈنا شروع کر دیا ہے۔ پہلے یہ تو بتائیں کہ قانون شکنی

کا یہ رواج کیا اسلامی شرعی اصول کی روشنی میں جائز بھی ہے۔ پھر جو شخص قانون شکنی کرتا ہے کیا کوئی حکومت اس کو جائز اور صحیح قرار دیتی ہے حکومت گو اس کو مروجہ طریق پر بغاوت نہیں سمجھتی لیکن اس کو جرم تو قرار دیتی ہے۔ پھر اگر ایجی ٹیشن کرنے والے پولیس کا مقابلہ کرتے ہیں اور ان کو زخمی یا قتل کرتے ہیں تو انہیں قانوناً سزا دی جاتی ہے نہ معاف کیا جاتا ہے اور نہ اس کو صحیح قرار دیا جاتا ہے۔ لیکن آپ تو موعودہ خلیفہ راشد سے جنگ کرنے والوں کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے۔ آپ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے کو اصح لکھا ہے اور جنگ صفین میں ان کو بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ کے اقرب الی الحق قرار دیا ہے۔ (۲) عوام کی ایجی ٹیشن کا حکم جدا ہے اور حکام کا جدا۔ یہ بھی فرمائیں کہ اگر کوئی گورنر حکومت کا حکم تسلیم نہ کرے اور الٹا حکومت کی فوج کا مسلح مقابلہ کرے تو کیا اس کو حکومت باغی قرار نہیں دے گی؟ فاضل سندیلوی ڈوبتے ہوئے تنکے کا سہارا لیتے ہیں۔ بلکہ اگر آیت استخلاف کی روشنی میں حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت راشدہ کو تسلیم کیا جائے تو ایسے خلیفہ راشد کے حکم کی خلاف ورزی اور پھر منظم اور مسلح طور پر مقاتلہ کرنے کی صورت میں تو سندیلوی صاحب کو ڈوبتے ہوئے تنکے کا سہارا بھی نہیں مل سکتا۔

(۳) سندیلوی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔ اس وقت صورت حال ایسی ہی تھی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو سخت اندیشہ تھا کہ اگر وہ اپنی جگہ سے ہٹ گئے تو ان کے صوبہ میں بھی سبائیوں کا غلبہ ہو جائے گا جس سے سخت گمراہی پھیلے گی اور امت کو شدید نقصان پہنچے گا۔ ان کا اجتہاد یہ تھا کہ اس صورت میں حکم خلیفہ کی تعمیل ضروری بلکہ جائز بھی نہیں ہے۔ واہ چہ خوب۔ معاملہ الٹا کر دیا۔ سندیلوی صاحب سے ہمارا سوال یہ ہے کہ جس قادر مطلق نے آیت استخلاف کے امر بصورت وعدہ کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا کیا وہ ان حالات سے واقف نہ تھا اور کیا اس نے ایسا خلیفہ مقرر کیا تھا جو ان نازک حالات کے تحت صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا تھا؟ اور بہ نسبت موعودہ خلیفہ راشد کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ بصیرت رکھتے تھے حالانکہ مختلف فیہ مسئلہ حضرت علی المرتضیٰ کے انتخاب اور ان کی خلافت ہی کا تھا۔ اور منصب خلافت کے لئے ہی اللہ تعالیٰ نے ان کو منتخب فرمایا تھا۔ علاوہ ازیں

خود رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا ہے اَقضاکم علیؓ (بخاری شریف) ''یعنی علی رضی اللہ عنہ تم میں سے سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے ہیں''

یہ وہی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خصوصی بصیرت نے اپنے بعد کے خلیفہ کے انتخاب کے لئے نامزد شوریٰ میں ان کو بھی مقرر کیا تھا۔ اگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بہ نسبت حضرت علی المرتضٰی کے منصب خلافت کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان سے زیادہ اہل سمجھتے تو ان کو ان کے بجائے یا ان کے علاوہ بھی ان کو شوریٰ کا رکن نامزد کر دیتے اور سندیلوی صاحب خود بھی یہ لکھ چکے ہیں کہ:

''ہو سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کسی دوسری مصلحت کی بنا پر انہیں معزول کر دینے میں کوئی مضائقہ نہ ہو جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر انہیں برقرار رکھنے کے سبب کوئی اعتراض نہیں وارد ہوتا اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ پر انہیں معزول کرنے کی وجہ سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا (اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۲۲۳)

(۳) اگر خلیفہ وقت اور پھر اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ راشد کے حکم کی خلاف ورزی کے جواز کے لئے اس طرح کی تاویلات سے کام لیا جائے تو پھر خلیفہ کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہتی بلکہ ہر گورنر اور ہر حاکم تاویلات کا سہارا لے کر کھلی مخالفت اور مقاتلت بھی کر سکتا ہے۔ تو کیا کوئی حکومت اس طرز سیاست کے بھنور میں کامیاب ہو سکتی ہے۔

حضرت خالد رضی اللہ عنہ کی معزولی

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی اور اسلام کے جرنیل اعظم ہیں۔ جن کو دربار رسالت سے سیف من سیوف اللہ (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا ہوا ہے ان کی فتوحات کے سیلاب نے طاغوتی لشکروں کو تنکوں کی طرح بہا دیا۔ کفر کے بڑے بڑے تیغ زن ان کے نام سے لرزتے تھے۔ لیکن جب حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو آپ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا خلیفہ راشد کے اس حکم پر حضرت خالد کو گرفتار کر لیا گیا لیکن خالد جیسے جرنیل اعظم نے خلیفہ راشد کے حکم کی ذرہ برابر بھی مخالفت

نہ کی اور بجائے جرنیل کے سپاہی بننا قبول کرلیا۔ حالانکہ بظاہر اسباب حضرت خالد کی معزولی میں بڑے خطرات تھے۔ فتوحات میں رکاوٹ بھی پڑسکتی تھی لیکن حکم خلیفہ راشد کی اطاعت کو سب سے مقدم سمجھا گیا۔ یہ ہے تحفظ دین کا صحیح طریقہ۔ کاش کہ سندیلوی صاحب اس بحث میں عقل وشعور اور عدل وانصاف سے کام لیتے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا استدلال

سندیلوی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کے موقف کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ ان دستوری مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر یہ تھا کہ حق انتخاب خلیفہ بدری مہاجرین وانصار کے ساتھ مخصوص ہے چنانچہ جب صفین کے موقع پر بعض قرآء عراق نے بیچ میں پڑ کر فریقین کے درمیان مصالحت کی کوشش شروع کی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا کہ ہم لوگوں کے مشورے کے بغیر ان کا انتخاب کیسے مکمل ہوگیا؟ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:۔

انما الناس مع المهاجرين و الانصار فهم شهود الناس على ولايتهم وامر دينهم ورضوا وبايعوني.

(البدایہ والنہایہ ج۷، بیان واقعہ صفین ص ۲۵۸)

سب لوگ (یعنی عام مسلمان) مہاجرین وانصار کے ساتھ ہیں کیونکہ یہی حضرات ان کی حکومت اور دینی امور کے بارے میں ان کے نمائندے ہیں اور وہ لوگ (مہاجرین و انصار) (میری خلافت پر) راضی ہوگئے اور انہوں نے مجھ سے بیعت کی) اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعتراض کیا کہ بہت سے مہاجرین وانصار یہاں (شام میں) بھی موجود ہیں ان کی شرکت اور ان کے ووٹوں کے بغیر انتخاب کو کیسے صحیح کہا جاسکتا ہے؟ جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا انما هذا للبدريين دون غيرهم (البدایہ والنہایہ ج ۷ بیان واقعہ صفین ص ۲۵۸) ''یہ (انتخاب خلیفہ کا حق) صرف ان مہاجرین وانصار کو حاصل ہے جو غزوہ بدر میں شریک تھے اور کسی کو نہیں حاصل ہے''۔ ان کے جواب سے

معلوم ہوتا ہے کہ ان کی رائے کا ماخذ سورہ توبہ پارہ ۱۱ کی مندرجہ ذیل آیت تھی:۔

وَ السّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْاَنْصَارِ وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ.

''مہاجرین و انصار میں سابقین اوّلین اور جن لوگوں نے خوبی کے ساتھ پیروی کی اللہ تعالیٰ ان سے اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہیں''

وجہ استدلال و استنباط یہ ہے کہ آیت مہاجرین و انصار میں سے سابقین اوّلین کو سب مسلمانوں کا متبوع اور مقتدا قرار دے رہی ہے اور ان کی اتباع کو دوسرے مسلمانوں کے لئے رضائے الٰہی کا سبب ظاہر کر رہی ہے اس لئے نصب خلیفہ کے معاملے میں بھی وہی متبوع اور مقتدا سمجھے جائیں گے اور بدری ہی حضرات سابقون اوّلون میں تھے۔ ان سے اوّل الذکر قول منقولہ بالا میں ان کی دوسری دلیل یعنی تعامل کی طرف بھی اشارہ ملتا ہے۔ حضرات خلفائے ثلٰثہ کا انتخاب مہاجرین و انصار ہی نے کیا تھا۔ اس تعامل (Convention) میں تبدیلی کو وہ صحیح نہ سمجھتے تھے۔ شرعی زاویہ نظر سے ان کا موقف بالکل صحیح تھا اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ بدلے ہوئے حالات میں حق انتخاب کا معیار بھی بدل گیا اب نصب خلیفہ کے حق کو بدری اصحاب یا مہاجرین و انصار تک محدود نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پیش نظر سورہ شوریٰ کی یہ آیت تھی:۔ وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ''ان کے (صحابہ کے) کام باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں''۔ آیت عام اور سب صحابہ کرام کو شامل ہے اس لئے امرِ خلافت جو بہت اہم امر ہے سب کے مشورے سے انجام پانا چاہیے اور مہاجرین و انصار کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام کو بھی شریک مشورہ کرنا چاہیے اس سے سب صحابہ کے لئے حق رائے دہی ثابت ہوتا ہے علاوہ بریں شہادت سیّدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے معلوم ہو گیا کہ مرکز کا تعلق صوبوں سے اور زیادہ قوی کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی صورت یہی تھی کہ ہر جگہ کے دینی سربراہوں اور ارباب حل و عقد کو نمائندگی دی جائے تاکہ وہ انتخاب خلیفہ میں حصہ لے کر اپنی ذمہ داری زیادہ محسوس کریں اور مرکز کو ان کی وجہ سے

قوت حاصل ہو (ص ۴۱۳ تا ص ۴۱۵)

الجواب: (۱) خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا موقف اور استدلال پیش کرنے کے بعد سندیلوی صاحب نے اعتراف کر لیا ہے کہ:۔

''شرعی زاویہ نظر سے ان کا موقف بالکل صحیح تھا اس پر کسی کو اعتراض کی گنجائش نہیں''۔

لیکن اس کے مقابلہ میں آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو بھی صحیح سمجھتے ہیں۔ حالانکہ حضرت علی المرتضیٰ کے استدلال قرآنی کا جواب سندیلوی صاحب قرآن سے نہیں دے سکے۔ کیونکہ جو آیت سندیلوی صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں پیش کی ہے کہ:۔ ''صحابہ کے کام باہمی مشورہ سے انجام پاتے ہیں'' اس کے متعلق انہوں نے ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کے جواب میں فرمایا ہے کہ:

اور اگر بالفرض ہم یہ بھی تسلیم کر لیں کہ ارکان منتظمہ کو شوریٰ کے بعد مقرر کرنا لازم ہے تو اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اس کا باقاعدہ انتخاب (Election) ہونا چاہیے۔ یہ صورت بھی تو ممکن ہے کہ خلیفہ ایک دو آدمیوں سے مشورہ کر کے ارکان مجلس منتظمہ کو مقرر کر دے۔ آیت تو شوریٰ یعنی مشورے کی تعلیم دے رہی ہے نہ کہ انتخاب (الیکشن) یا استصواب رائے عامہ کی۔ آیت سے انتخاب (الیکشن) پر استدلال عجیب و غریب استدلال ہے جو بالکل ناقابل فہم ہے'' (اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۱۳۵)

فرمایئے! جب آیت شوریٰ کا تعلق استصواب رائے عامہ سے ہے ہی نہیں تو پھر آپ کیوں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے غلط وکالت کر کے آیت شوریٰ کو دوبارہ انتخاب عام کی دلیل میں پیش کر رہے ہیں؟ آپ حضرت علی المرتضیٰ کے قرآنی استدلال کا جواب کبھی نہیں دے سکتے۔ نص قرآنی کا جواب قیاسات سے نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ حضرت علی المرتضیٰ کا موقف حق و صواب پر تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی غلطی ہو گئی۔ (۲) حضرت علی المرتضیٰ نے جو سورہ توبہ کی آیت وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ پیش کی ہے یہ بھی اصولی طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے

موقفِ حق وصواب کی تائید کرتی ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے تین طبقوں پر اپنے راضی ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ (۱) مہاجرین اولین (۲) الانصار، ان دو طبقوں کا مقام معیاری ہے (۳) تیسرا وہ طبقہ ہے جو مہاجرین و انصار کی پیروی خوش اسلوبی سے کرے۔ (وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ) اس تیسرے طبقے سے رضائے الٰہی مشروط ہے مہاجرین اولین اور انصار کی اچھی طریقے سے پیروی کرنے کے ساتھ۔ اب سندیلوی صاحب ہی اپنے علم وفضل کا زور لگا کر جواب دیں کہ حضرت علی المرتضیٰ مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ پھر ان کو موعودہ خلفائے راشدین میں سے چوتھا مقام حاصل ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو مہاجرین میں ہیں اور نہ انصار میں۔ آپ تیسرے طبقہ سے وابستہ ہیں۔ ان کے لئے حضرت علی المرتضیٰ کی پیروی لازم تھی بوجہ ان کے مہاجرین اولین میں ہونے اور بوجہ خلیفہ ہونے کے۔ بہرحال ازروئے نصِ قرآنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم ہے لیکن بجائے پیروی کے انہوں نے مخالفت کی اور صرف زبانی مخالفت نہیں کی بلکہ بجائے اطاعت کے قتال کیا (خواہ دفاعی ہی ہو) تو اس صورت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے موقف کو کون صحیح کہہ سکتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس سندیلوی صاحب تو جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الحق لکھ رہے ہیں کیا سندیلوی صاحب قرآن سے معارضہ اور مقابلہ نہیں کر رہے؟ مسئلہ حالات کا نہیں مسئلہ نصِ قرآنی کے تقاضا کا ہے قرآن کا جواب قرآن سے چاہیے۔ اگر جواب نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا تسلیم کر کے نصِ قرآنی کے تقاضا پر عقیدہ رکھیں۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کوئی تنقیص نہیں لازم آتی بلکہ اجتہادی خطا کی وجہ سے وہ ایک گونہ ثواب کے ہی مستحق ہیں (ان حالات میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو معذور تھے لیکن اب سندیلوی صاحب معذور نہیں ہیں)۔ (۳) سندیلوی صاحب نے دوبارہ انتخاب کرانے کی ضرورت اور حکمت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"علاوہ بریں شہادت سیدنا عثمان سے معلوم ہوگیا کہ مرکز کا تعلق صوبوں سے اور زیادہ قوی کرنے کی ضرورت ہے اور اس کی صورت یہی تھی کہ ہر جگہ کے دینی سربراہوں اور ارباب

حل وعقد کو نمائندگی دی جائے......اور مرکز کو ان کی وجہ سے قوت حاصل ہو" (ص ۴۱۵)

اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ موشگافی یہاں بے کار ہے کیونکہ حسب آیت استخلاف جب اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص نگرانی میں صحیح انتخاب کرادیا ہے۔ گویا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود خلیفہ مقرر فرمادیا ہے تو پھر دوبارہ انتخاب کرانے اور وسیع پیمانہ پر کرانے میں خواہ کتنی ہی حکمتیں ہوں اللہ تعالیٰ کے سابقہ پسندیدہ انتخاب کو چیلنج کرنے کے مترادف ہے۔ کیا سندیلوی صاحب یہ ذمہ داری اُٹھا سکتے ہیں (۲) جب حضرت علی المرتضیٰ کا اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق خلیفہ راشد ہونا ثابت ہو گیا تو مرکزی حکومت کو مضبوط کرنے کا کیا یہ طریقہ صحیح ہے کہ ان کے انتخاب کو چیلنج کیا جائے اور اگر وہ منظور نہ کریں تو نافرمانی پر اصرار کیا جائے اور اس کے نتیجہ میں آخرکار جنگ وقتال تک نوبت پہنچائی جائے یا یہ طریق صحیح ہے کہ خلیفہ موعود کی کامل طور پر اطاعت کی جائے تا کہ اس متحدہ قوت سے سبائی شرانگیزیوں کا خاتمہ ہو سکے۔ فرمایئے عدل وانصاف کا تقاضا کیا ہے۔ فرمایئے اگر اصحابِ جمل اور اصحابِ صفین موعودہ خلیفہ راشد کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لیتے تو کیا پھر بھی ہزارہا جانوں کا نقصان وہی ہوتا جو جنگ جمل وصفین میں ہوا۔ اس اختلاف بلکہ مخالفت سے حضرت علی المرتضیٰ کے لئے تین محاذ بن گئے کیونکہ اندرونی محاذ سبائیوں کا سخت خطرناک تھا ان اسباب کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نقصان ہوا کہ نہ کہ تقویت۔

بغاوت کسے کہتے ہیں

مسئلہ بغاوت پر تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ اصولی طور پر مشاجراتِ صحابہ کے سلسلہ میں کافی بحث ہو چکی ہے۔ امام ابوبکر جصاص حنفی، صاحب ہدایہ وغیرہ فقہاء نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور جائر لکھا ہے اس سے سندیلوی صاحب بہت زیادہ مشتعل ہیں اور کسی کو بھی معاف نہیں کرتے۔ تطبیق کی سمجھ نہیں رکھتے یا تطبیق دینا ہی نہیں چاہتے اور اپنی دنیا سب سے الگ بسانا چاہتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ شانہ ان قلیل التعداد علمائے اہل سنت کو معاف فرمائیں جو غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مؤید دوسرے صحابہ کرام کو باغی کہنے کی بے ادبی و گستاخی میں مبتلا ہو گئے ان کی اس لغزش کا ایک سبب تو یہ ہوا کہ انہوں نے طبری وغیرہ شیعہ مؤرخین پر اعتماد کیا اور ان کے دام فریب میں پھنس گئے دوسرا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے اس امر پر غور نہیں کیا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو بیعت کرنے سے انکار فرمایا اس سے ان کا مقصد و مطلب کیا تھا؟ انہوں نے سمجھ لیا کہ انکار بیعت کا مطلب مرکز سے آزادی کا اعلان ہے جو بغاوت کا دوسرا عنوان ہے۔ اس غلط فہمی نے انہیں اس بے ادبانہ لغزش میں مبتلا کر دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بیعت سے انکار کسی طرح بھی بغاوت کے ہم معنی یا اس کو مستلزم نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اس وقت تک استمرار حال (Statusquo) چاہتے تھے جب تک ان کے اور باب خلافت کے درمیان مختلف فیہ امور کا کوئی تصفیہ اور حل نہ نکل آئے۔ اس صورت حال کو بغاوت کسی طرح نہیں کہہ سکتے بعض علماء جو اس صورت کو نہ سمجھ سکے انہوں نے عدم اطاعت کا مصداق سمجھ کر اسے بغاوت میں داخل کر دیا حالانکہ عدم اطاعت اور حکومت کا حکم ماننے سے انکار کر دینا ہمیشہ بغاوت کے مرادف نہیں ہوتا جیسا کہ واضح ہو چکا (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۳۳)

الجواب (۱) اگر امام ابوبکر جصاص، صاحب ہدایہ، امام ابن ہمام وغیرہ فقہائے امت مشاجرات صحابہ کا مسئلہ نہیں سمجھ سکے تو ان کو فقیہ کہہ ہی نہیں سکتے۔ اس طرح تو سندیلوی صاحب فقہ حنفی پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں۔ نہ ہی اس مسئلہ میں متقدمین و متأخرین کی کوئی لڑائی ہے۔ سندیلوی صاحب کی تحریرات پر بندہ نے جو تنقید کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ سندیلوی صاحب کو تفقہ فی الدین سے کوئی مناسبت ہی نہیں۔ وہ مودودی صاحب کی طرح اپنی کم فہمی پر مبنی ایک نئی فقہ بنا رہے ہیں (۲) مسئلہ بغاوت میں یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔

مرکز سے آزادی کیا ہے

سندیلوی صاحب کی محولہ بالا عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ وہ بھی مرکز سے آزاد ہونے کو بغاوت قرار دیتے ہیں۔ اب فرمایئے (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے۔ قرآن کے خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کیا لیکن آپ نے اطاعت نہ کی (۲) آیت استخلاف کے تحت صحیح انتخاب سے بحکم و رضائے خداوندی منصب نبوت پر فائز ہونے والے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیعت کا مطالبہ کیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قاتلین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے سپرد کرنے اور قصاص لینے کی شرط پیش کردی (۳) خلیفہ موعود کے انتخاب کو ہنگامی، عبوری، عارضی قرار دیتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور دوبارہ انتخاب کرائے جائیں (۴) اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ موعود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ کی عظیم امانت کے تحفظ کے لئے آئندہ خطرات کے تحت اقدام کیا تو بجائے خلیفہ موعود کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے کھلے طور پر جنگ کی جس میں ہزارہا مسلمان شہید ہوئے۔ یہ حقائق و واقعات ہیں جن کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ (اس میں طبری وغیرہ روایات کا سہارا لینے کی حاجت ہی نہیں)۔ (۵) آخر تک حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلیفہ موعود کی اطاعت نہیں کی۔ ان واقعات کے بعد بھی کوئی صاحب عقل و شعور انسان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مرکز کے تابع تھے نہ کہ آزاد۔ ایک صوبہ کے گورنر کی حیثیت سے یہ بغاوت نہیں بلکہ اطاعت خلیفہ ہے تو پھر تسلیم کرنا پڑے گا کہ سرے سے بغاوت نام کی کوئی چیز دنیا میں موجود نہیں۔ سندیلوی صاحب! کیا آپ کے نزدیک دستوری فقہ موعود و راشد خلیفہ سے جنگ کرنے کا ہی نام ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

اپنی کم فہمی اور کج روی اور خود ساختہ مفروضات کی بنا پر سندیلوی صاحب فقہائے

امت کو رگید کر کس اسلام اور کس مذہب اہل السنت والجماعت کی خدمت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں؟

امام اہل سنت مولانا لکھنوی کا ارشاد

محقق زماں امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی جو سنّی شیعہ مسائل اختلافیہ میں ایک اجتہادی شان رکھتے ہیں۔ صحابہ کرام اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق اہل السنت والجماعت کے عقائد کے بیان میں لکھتے ہیں:۔

عقیدہ (۱) صحابہ کرام کے مشاجرات یعنی ان کے باہمی جھگڑوں کا بیان کرنا حرام ہے مگر بضرورت شرعی و بہ نیت نیک اور جن صحابہ کرام میں باہم کوئی جھگڑا ہوا تو ہمیں دونوں فریق سے حسن ظن رکھنا اور دونوں کا ادب کرنا لازم ہے جس طرح دو پیغمبروں کے درمیان میں اگر کوئی بات اس قسم کی ہو جائے تو ہم کسی کو برا نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ دونوں پر ایمان لانا نصِ قرآنی سے ہم پر فرض ہے۔ (ف) حضرت علی مرتضیٰ کو اپنے زمانہ خلافت میں دو خانہ جنگیاں پیش آئیں۔ اوّل جنگ جمل جس میں ایک جانب حضرت علی المرتضیٰ تھے اور دوسری جانب ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا تھیں اور ان کے ساتھ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ تھے جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ دونوں جانب اکابر صحابہ تھے مگر یہ لڑائی دھوکہ میں چند مفسدوں کی حیلہ سازی سے پیش آ گئی ورنہ ان میں باہم رنجش نہ تھی نہ آپس میں لڑنا چاہتے تھے۔

مفسدوں کی فتنہ پردازی ہوئی
باعث خونریزی جنگ جمل
ورنہ شیر حق سے طلحہ رضی اللہ عنہ اور زبیر رضی اللہ عنہ
چاہتے ہرگز نہ تھے جنگ و جدل

اس لڑائی میں ہر فریق سے دوسرے کے فضائل منقول ہیں جیسا کہ اسی کتاب میں حضرت علی المرتضیٰ کے تذکرہ میں انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا۔ دوم، جنگ صفین جس میں

ایک جانب حضرت علی اور دوسری طرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما تھے۔ اس لڑائی کے متعلق اہل السنّت کا فیصلہ یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھ والے باغی اور خاطی مگر اس خطا پر ان کو برا کہنا جائز نہیں کیونکہ وہ بھی صحابی ہیں صاحب فضائل ہیں اور ان کی یہ خطا غلط فہمی کی وجہ سے تھی اور غلط فہمی کے اسباب موجود تھے ایسی خطا کو خطائے اجتہادی کہتے ہیں جس پر عقلاً و شرعاً کسی طرح مؤاخذہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ازالۃ الخفاء میں فرماتے ہیں:

باید دانست کہ معاویہ بن ابی سفیان یکے از اصحاب آنحضرت بود صلی اللہ علیہ وسلم وصاحب فضیلت جلیلہ در زمرۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم۔ زنہار در حق او سوء ظن نکنی و در ورطہ سب وی نیفتی تا مرتکب جرائم نشوی''۔ جاننا چاہیے کہ معاویہ بن ابی سفیان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی تھے اور زمرۂ صحابہ میں بڑی فضیلت والے تھے خبردار ان کے حق میں بدگمانی نہ کرنا اور ان کی بدگوئی میں پڑ کر فعل جرائم کے مرتکب نہ بننا''۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابتداء تو باغی تھے مگر حسن بن علی رضی اللہ عنہ کی صلح و بیعت کے بعد بلاشبہ وہ خلیفہ برحق ہوگئے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہماری کتاب ترجمہ تطہیر الجنان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ اس مرض کے لئے انشاء اللہ تعالیٰ شفائے کامل ہے (خلفائے راشدین ص ۱۱، ۱۲)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور امام الانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مکرمہ اور حسب اعلان خداوندی وازواجہ امہاتہم (حضور کی تمام بیویاں اہل ایمان کی مائیں ہیں) تمام امت مسلمہ کی روحانی اور ایمانی ماں ہیں۔ آپ مصالحت کے لئے تشریف لائی تھیں نہ کہ جنگ کے لئے۔ جنگ جمل میں بلوائیوں کی سازش کا دخل تھا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے پورے احترام و اکرام کے ساتھ آپ کو مدینہ منورہ روانہ کیا۔ اب اگر کوئی شخص یا گروہ ام المومنین حضرت صدیقہ کا حامی بن کر حضرت علی المرتضیٰ کی

مخالفت کرتا ہے یا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ام المؤمنین رضی اللہ عنہا پر طعن کرتا ہے تو وہ سبائی پارٹی ہی کا نمائندہ ہے۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

(۱) قدوۃ المحققین امام المحدثین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئیوں کے سلسلہ میں لکھتے ہیں کہ:- ومعاویہ را فرمود ان ملکت فاحسن وفرمود کیف بك لوقد تمّص اللہ قمیصًا یعنی الخلافۃ قالت ام حبیبہؓ او ان اللہ مقمِصّ اخی قال نعم ولکن فیہ ھنات وھنات وھنات۔ وایں کلمہ اشعار است بآنکہ خلافت او منعقد خواہد شد بجہت تسلّط۔ نہ حسب بیعت وسیرت او موافق سیرت شیخین نہ باشد وآں خلافت بعد بغی بر امام وقت باشد ولہذا سہ بار لفظ ھنات فرمود ونیز بامعاویہ فرمود ان ولیتَ امراً فاتق اللہ واعدل وآں اشارہ بامارت شام وخلافت است جمیعاً۔

اور معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اگر تو بادشاہ ہو جائے تو نیک کام کرنا اور فرمایا کہ اس وقت تیرا کیا حال ہوگا اگر اللہ نے تجھے قمیض پہنائی۔ اس سے آپ خلافت مراد لے رہے تھے۔ تو (ام المومنین) ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا اللہ میرے بھائی کو قمیض پہنانے والا ہے؟ فرمایا کہ ہاں۔ اور لیکن اس میں فسادات ہوں گے اور فسادات اور فسادات۔ اور اس کلمہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کی خلافت تسلّط کے ذریعہ سے منعقد ہوگی بیعت کے ذریعہ سے نہ ہوگی اور ان کی سیرت شیخین کی سیرت کے موافق نہ ہوگی اور وہ خلافت امام وقت سے بغاوت کے بعد منعقد ہوگی۔ اسی لئے آپ نے تین مرتبہ لفظ ھنات (فسادات) فرمایا اور نیز معاویہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا اگر تو والی امر بن جائے تو اللہ سے ڈر اور انصاف کر اور یہ اشارہ امارت شام اور خلافت دونوں کی طرف ہے۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد دوم ص ۳۷۲)

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ”حضرت امیر رضی اللہ عنہ با معاویہ رضی اللہ عنہ وجدل فرمودہ نہ بواسطہ میل و رغبت در امر خلافت بودہ است بلکہ قتال باغاۃ فرض می دانستہ و دفع ایشاں می کردہ قال تبارک وتعاظم وتعالیٰ فقاتلوا التی تبغی حتی تفیٓء الی امر اللہ غایۃ ما فی الباب چون محاربان حضرت امیر رضی اللہ عنہ باغیان ماوّل اند و صاحب رائے و اجتہاد اند اگر چہ دریں اجتہاد مخطی باشند از طعن و ملامت و از تفسیق و تکفیر دور اند۔ حضرت امیر در شان ایشاں می فرماید اخواننا بَغَوا علینا لیسو کفرۃ ولا فسقۃ لما لھم من التاویل۔ قال الشافعی وھو منقول عن عمر بن عبدالعزیز تلک دماءٌ طھّرَ اللہ عنھا ایدینا فلنطھِّر عنھا السنتنا۔

(مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب نمبر ۹۶۔ طبع قدیم ص ۱۷۴)

”حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ امر خلافت کی طرف اپنے ذاتی میلان و رغبت کی وجہ سے نہیں کی بلکہ انہوں نے باغیوں سے قتال فرض ہونے کی بنا پر کی ہے۔ اللہ تعالیٰ تبارک وتعاظم فرماتے ہیں کہ باغیوں کے ساتھ اس وقت تک جنگ کرو کہ وہ اللہ کی طرف رجوع کر لیں۔ اس امر میں آخری بات یہ ہے کہ چونکہ حضرت امیر علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے والے تاویل کرنے والے باغی ہیں اور وہ اہل رائے و اجتہاد ہیں۔ اگر چہ اس اجتہاد میں وہ خطا کرنے والے ہیں اس لئے طعن و ملامت کرنے اور ان کو فاسق اور کافر کہنے سے دور رہیں۔ خود حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے نہ وہ کافر ہیں اور نہ فاسق کیونکہ انہوں نے تاویل کی بنا پر ہم سے لڑائی کی ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں اور یہی بات حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے۔ پس ہم کو چاہیے کہ اپنی زبانوں سے ان کو پاک رکھیں“۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند آیت استخلاف کی تشریح کے سلسلہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

باقی رہے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہر چند ان کو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین نہ تھی تمکین ملک وسلطنت تھی چنانچہ واقعات فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفائے اربعہ کے اطوار اور انداز اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا طور ملوک کا سا تھا اس لئے اہل سنت ان کو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے۔ ملوک میں شمار کرتے ہیں۔ لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے۔ ایک نوشیرواں تھا ایک چنگیز تھا سو یہ ہر چند ملوک میں سے تھے لیکن اس کے یہ معنی ہیں کہ خلفائے راشدین کے مقابلہ میں دنیادار معلوم ہوتے تھے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور انبیاء کے مقابلہ میں مالدار معلوم ہوتے ہیں نہ یہ کہ ظلم وستم کے روادار تھے۔ غرباء کے حق میں ستمگار رہتے ان کا حلم اور رعایا پروری اور دلجوئی خلائق شہرہ آفاق ہے مع ہذا یہ ان لوگوں میں سے ہیں کہ جن کو قرار واقعی کفار سے کبھی خوف ہوا ہو۔ یہ بات فقط مہاجرین اولین کے حق میں صادق آتی ہے نہ امام حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بات پیش آئی نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اور مہاجرین اوّلین میں سے بھی جیسا خوف خلفائے اربعہ کو بترتیب ہوا ہے اور کسی کو پیش نہیں آیا (ہدیۃ الشیعہ طبع قدیم ص ۵۰)

مولانا گنگوہی کا ارشاد

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:۔

(۱) الحاصل قرآن شریف اور احادیث عترت سے ثابت ہوا کہ سب صحابہ عدول ومقبول تھے۔ نہ کوئی منافق تھا نہ مرتد ہوا مگر وہی چند رجال جنہیں صحابہ بھی منافق پہچانتے تھے۔ (ہدایۃ الشیعہ ص ۲۱)

(۲) اور جو کچھ بعض سے حرب حضرت امیر (یعنی علی المرتضیٰ یا کچھ اور بشریت سے تقصیر ہوئی وہ خطائے اجتہادی تھا اور جو امر بخطائے اجتہاد سرزد ہوتا ہے بصورت معصیت

ہوتا ہے نہ خود معصیت۔ چنانچہ اہل عقل وعلم پر واضح ہے کہ اگر بالفرض گناہ ہی تھا تو انجام کار اس سے تائب اور نادم ہو کر پھر درجہ عدالت کو فائز ہو گئے کیونکہ وہ کچھ معصوم گناہ سے نہیں تھے۔ سواب صحابہ کا بُرا جاننے والا ملت اسلامیہ سے خارج ہوا۔ اور قرآن کا منکر۔ اور جو کل کو اچھا جانے متبع ثقلین ہے (ایضاً ص ۲۲)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور فرض یہ لکھا ہے کہ اگر بالفرض گناہ ہی تھا" ورنہ مشاجرات صحابہ اجتہاد پر مبنی تھے اور اجتہادی اختلاف میں صواب وخطا کا تقابل ہوتا ہے نہ کہ گناہ وثواب کا۔

(۳) نیز فرماتے ہیں:۔ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کا محاربہ حضرت امیر کے ساتھ جو ہوا تو اہل سنت اس کو کب بھلا اور جائز کہتے ہیں۔ ذرا کوئی کتاب اہل سنت کی دیکھی ہوتی۔ اہل سنت ان کو اس فعل میں خاطی کہتے ہیں (ایضاً ص ۲۳) (۴) اور یہاں یہ بھی ثابت ہو گیا کہ خلافت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے بنظر اصلاح جائز رکھا۔ اگر چہ خلافت نبوت نہ تھی مگر خلافت ملوکانہ تھی"۔ (ص ۸۶)

تطبیق

مندرجہ عبارات کا حاصل یہ ہے کہ جن حضرات نے جنگ صفین کے سلسلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی اور جائر وغیرہ کہا ہے ان کی مراد صورت بغاوت وجور ہے نہ کہ حقیقت کیونکہ یہی حضرات ان کی خطائے اجتہادی کے قائل ہیں اور اجتہادی خطا پر بھی ایک گونہ ثواب نصیب ہوتا ہے حالانکہ حقیقی گناہ اور معصیت پر ثواب نہیں ملتا۔ حضرت مجدد الف ثانی فرماتے ہیں:

"وآنچہ در عبارات بعضے از فقہاء لفظ جور در حق معاویہ واقع شدہ است وگفتہ کان معاویۃ اماماً جائرا مراد از جور عدم حقیت خلافت او در زمان خلافت حضرت امیر خواہد بود نہ جوریکہ مآلش فسق وضلالت است تا باقوال اہل سنت موافق باشد مع ذلک ارباب استقامت از اتیان الفاظ موہمہ خلاف مقصود اجتناب می نمائند وزیادہ بر خطا تجویز نمی کنند۔

کیف یکون جائرا وقد صحّ انہ کان اماماً عادلاً فی حقوق اللّٰہ سبحانہ وفی حقوق المسلمین کما فی الصواعق (مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب ۲۵۱ طبع قدیم ص ۲۷۳)

(بعض فقہاء کی عبارتوں میں جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں لفظ جور آیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ آپ امام جائر تھے تو جور سے مراد یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وہ حق وصواب پر نہ تھے۔ نہ وہ جور کہ انجام اس کا فسق وضلالت ہے اور اہل سنت کے اقوال میں تطبیق کی یہی صورت ہے۔ اس کے باوجود ارباب استقامت ایسے الفاظ سے بھی اجتناب کرتے ہیں جن سے خلاف مقصود وہم پیدا ہوتا ہے۔ اور آپ (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کیونکر جائر تھے حالانکہ آپ اللہ سبحانہٗ کے حقوق میں اور مسلمانوں کے حقوق میں امام عادل تھے جیسا کہ صواعق محرقہ میں مذکور ہے)۔

اور حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی مذکورہ بالا عبارت میں بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو امام عادل ہی قرار دیا گیا ہے (۶) یہاں یہ ملحوظ رہے کہ جن حضرات نے آپ کو ملک (بادشاہ) قرار دیا ہے تو وہ چاروں موعودہ خلفائے راشدین کی نسبت سے ہے۔ ورنہ مابعد کے اعتبار سے آپ امام وخلیفہ عادل ہیں۔ اور زندگی کے اطوار کا فرق تو خود سندیلوی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ظاہر ہے کہ جس شخص کے ذہن پر یہ اثر ہوگا کہ وہ جب کسی با اقتدار ہستی کو اس نمونے کی پیروی میں (یعنی جو خلفائے راشدین اربعہ کا تھا) ذرا سی بھی کوتاہی کرتا ہوا پائے گا اسے وہ خلیفہ کے بجائے مودودی صاحب کا اصطلاحی ''ملک'' قرار دے گا مثلاً جب وہ حضرات ابوبکر وعمر وعلی رضی اللہ عنہم کا طرز عمل یہ دیکھے گا کہ ان کا ذاتی معیار زندگی بہت پست اور ادنیٰ درجہ کا تھا تو وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ضرور بدظن ہوگا اس لئے کہ ان کا معیار زندگی ان حضرات کے معیار زندگی سے بہت بلند تھا حالانکہ اصولاً کسی خلیفہ کے لئے واجب ولازم نہیں کہ اسی معیار زندگی کی پیروی کرے اسے شرعاً استحباب ہی کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد خلفائے اسلام سے نفرت پیدا کرنے کی یہ ایک نفسیاتی تدبیر ہے (اظہار حقیقت جلد اوّل ص ۱۲۸)

محدث علی قاری حنفی بھی مِلک کہتے ہیں

علامہ ملا علی قاری محدث حنفی لکھتے ہیں:۔

واول ملوك المسلمين معاويةؓ وهو افضلهم لكنه صار اماماً حقًا لما فوض اليه حسنؓ بن عليؓ الخلافة.

(شرح فقه اکبر ص ۸۳)

''مسلمان بادشاہوں میں سے سب سے پہلے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہیں اور وہ ان سب سے افضل ہیں لیکن آپ اس وقت امام حق ہوئے جب حضرت حسن رضی اللہ عنہ بن علی رضی اللہ عنہ نے خلافت آپ کے سپرد کردی تھی''۔

شاہ اسمٰعیل شہید کا ارشاد

حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ خلافت وامامت کی قسمیں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ سلطان کامل حکمی خلیفہ راشد ہے یعنی اگرچہ خلافت راشدہ تک نہیں پہنچا لیکن خلافت راشدہ کے عمدہ آثار۔ بعض ظواہر شریعت کی خدمت صدق واخلاص سے اس سے صادر ہیں۔ پس اگر کسی وقت سلطان کامل تخت سلطنت پر متمکن ہو اور اس وقت امام حق کا بھی وجود ہو جو خلافت کی لیاقت رکھتا ہے تو مناسب یہ ہے کہ امام حق منصب امامت پر قناعت کرے اور اپنی کوشش ہدایت وارشاد کی طرف مبذول کرے اور سلطان کے ساتھ اور سیاست میں دست وگریبان نہ ہو اور رعایا ولشکر کو جنگ وجدل کے بپا کرنے میں بے سروسامان نہ کرے۔ اگرچہ خلافت راشدہ کا منصب اعلیٰ اس کے ہاتھ سے جا رہا ہے لیکن عباد اللہ کی خیر خواہی کے مدنظر اس امر کو گوارا کرے اور راضی بقضا ہو رہے اور تمام مسلمانوں پر اس کو تصدق کردے۔ جیسا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ نے سلطان شام (امیر معاویہ رضی اللہ عنہ) سے یہی طریقہ اختیار کیا اور مخالفت کا دروازہ نہ کھولا۔ اسی مصالحت کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعریف فرمائی اور فرمایا اِنَّ ابنی هذا سيدٌ لعلّ الله ان يصلحَ بين فئتين عظيمتين من المسلمين (میرا یہ بیٹا سیّد ہے۔ ہوسکتا ہے کہ مسلمانوں کی

دو بڑی جماعتوں میں اس کے باعث اللہ تعالیٰ صلح کرا دے)۔

اس حدیث سے ظاہر ہوا کہ سلطان کامل پر امت کا اجماع کرنا خدا اور رسول کے منشاء کے مطابق ہے اور اس کی اطاعت درگاہ خداوندی میں مقبول ہے۔

(منصب امامت مترجم ص ۱۰۷)

اس کے بعد نکتہ دوم کے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔ سلطان کامل سلاطین اور خلفائے راشدین کے درمیان ایک برزخ کی طرح ہے۔ اگر لوگ دیگر سلاطین کو دیکھیں تو اس سلطان کامل کو خلیفہ راشد تسلیم کریں۔ اگر خلفائے راشدین کا حال معلوم کریں تو اسے سلطان کامل سمجھیں چنانچہ سلطان شام (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) نے فرمایا:۔

لَسْتُ فیکم مثل ابی بکرؓ و عمرؓ ولکن سَتَرونَ امرآء من بعدی.

"میں تم میں ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ جیسا حکمران تو نہیں ہوں، لیکن میرے بعد عنقریب امیر دیکھو گے"۔

بنا بریں اس کی سلطنت کا زمانہ زمانہ نبوت اور خلافت راشدہ کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا ہے پس اس وجہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ خلافت راشدہ کے زمانہ کی ابتداء سے اس سلطنت کاملہ کا زمانہ گزر جانے تک ترقی اسلام کا زمانہ ہے (ایضاً ص ۱۰۸)

مولانا شہید قدس سرہٗ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو خلفائے راشدین اور سلاطین کے درمیان برزخ قرار دے کر حقیقت واضح کر دی ہے جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کا شائبہ ختم ہو جاتا ہے۔

محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ

فقیہ و محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ہیتمی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بحث میں حسب ذیل حدیث پیش فرمائی ہے۔ بروایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ:۔

اول ھذا الامر نبوۃ ورحمۃ ثم یکون خلافۃ ورحمۃ ثم یکون ملکاً ورحمۃ ثم یکون اِمارۃ و رحمۃ ثم یتکادمون

علیہا تکادم الحمیر.

''رسول خدا ﷺ نے فرمایا:۔ سب سے پہلے اس دین میں نبوت و رحمت ہو گی پھر امارت و رحمت ہو گی۔ پھر لوگ خلافت پر اس طرح گریں گے جس طرح گدھے کسی چیز پر گرتے ہیں۔''

(تنویر الایمان ترجمہ تطہیر الجنان از امام اہل سنت مولانا عبد الشکور صاحب لکھنوی رحمہ اللہ ص ۲۳)

اس کے بعد ابن حجر مکی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔ اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور اس کے سب راوی ثقہ ہیں۔ اس حدیث سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کی فضیلت صاف ظاہر ہے کیونکہ جو سلطنت کہ بعد خلافت و رحمت کے ہوئی وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی سلطنت تھی۔ آنحضرت ﷺ نے اس سلطنت کو بھی رحمت فرمایا پس (سب حدیثوں کے لحاظ سے) یہ سلطنت کچھ کاٹنے والی بھی ہو گی کچھ رحمت ہو گی۔ لیکن واقعات تاریخیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت میں رحمت بہ نسبت کاٹنے کے زیادہ تھی اور ان کے بعد والی سلطنتوں میں کاٹنا بہ نسبت رحمت کے زیادہ ہو گیا باستثنائے خلافت عمر بن عبد العزیز کے، کیونکہ ان کی خلافت خلافت کبریٰ کے مشابہ ہے اسی وجہ سے خلافت راشدہ سے ملا دی گئی۔ (ایضاً تنویر الایمان ص ۲۳)

اس پر مزید بحث کرتے ہوئے ابن حجر فرماتے ہیں:۔ پھر جب امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو دے دی تو سب لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر متفق ہو گئے۔ اسی وجہ سے اس سال کا نام عام الجماعۃ (سال جماعت) رکھا گیا۔ پھر اس وقت سے کسی نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ برحق ہونے میں اختلاف نہیں کیا۔ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے خلافت و بادشاہت کے اطلاق کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:۔

فمن اطلق علی ولایۃ معاویۃ انہا ملک اراد من حیث ما وقع فی خلافتہ من تلک الاجتہادات التی ذکرنہا ومن اطلق علیہا انہا خلافۃ اراد انہ بنزول الحسن لہ واجتماع

اهل الحل والعقد عليه صار خليفة حق مطاعاً يجب له من حيث الطواعية والانقياد ما يجب للخلفاء الراشدين. (ص ۱۳۱)

”جس نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت پر بادشاہت کا اطلاق کیا ہے ان کی مراد یہ ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت سے دستبرداری اور اہل حل و عقد کے ان پر اتفاق کے بعد وہ خلیفہ برحق اور واجب الاطاعت ہو گئے تھے اور اطاعت واتباع کے لحاظ سے ان کو وہی حقوق حاصل تھے۔ جو ان سے پہلے خلفائے راشدین کو حاصل تھے“۔

- یہ ملحوظ رہے کہ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ کی مراد یہاں بادشاہت سے وہ ملوکیت نہیں ہے جو مودودی صاحب مراد لیتے ہیں اور واضح طور پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ:۔ مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح احکام کی خلاف ورزی کی (خلافت ملوکت طبع اوّل ص ۱۷۴) نیز لکھتے ہیں:۔ زیاد بن سُمیہ کا استلحاق بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ان افعال میں سے ہے جن میں انہوں نے سیاسی اغراض کے لئے شریعت کے ایک مسلّم قاعدے کی خلاف ورزی کی تھی“ (ص ۱۷۵)

- مودودی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص نیت پر حملہ کر کے ان کو مخالف قرآن و سنت قرار دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی یہی بات مودودی صاحب کی طرف منسوب کردے کہ سیاسی اغراض کے لئے انہوں نے خلاف شریعت افعال کئے ہیں تو ان کے عقیدتمند بہت زیادہ برافروختہ ہو جاتے ہیں۔ ادھر فاضل سندیلوی دوسری جانب غلو کرتے ہیں اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی غلطی کی نسبت بھی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن اہل السنت والجماعت کا مسلک حق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نیت صحیح تھی البتہ اجتہادی غلطیوں کا صدور ہو گیا۔ مگر اس پر بھی ان کو ایک اجر ملے گا۔

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ملک قرار دیتے ہیں

علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

فلم يكن من ملوك المسلمين ملك خير من معاوية ولا كان الناس فی زمان ملك من الملوك خيرا منهم فی زمن معاويةؓ اذآ نسبت ايامه الى ايام من بعده واما اذا نسبت الى ايام ابى بكر و عمر ظهر التفاضل .(منهاج السنة جلد ثالث ص ۱۸۵)

''مسلمان بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بہتر نہیں ہے اور کسی بادشاہ کے زمانہ کے لوگ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانے کے لوگوں سے بہتر نہیں ہیں جبکہ ان کے ایام حکومت کو مابعد کی نسبت سے دیکھا جائے لیکن جب آپ کے ایام حکومت کو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ایام حکومت سے موازنہ کیا جائے تو ان کی فضیلت اور فوقیت ظاہر ہے''۔

(ب) فرماتے ہیں:۔

فان العلما متفقون على ان جملة الصحابة افضل من جملة التابعين لكن هل يفضل كل واحد من الصحابة على كل واحد من بعدهم ويفضل معاوية على عمر بن عبدالعزيز. ذكر ذلك القاضى عياض وغيره فى ذلك قولين وان الاكثرين يفضلون كل واحد من الصحابة وهذا مأثور من ابن المبارك واحمد بن حنبل وغيرهما ومن حجة هؤلآء ان اعمال التابعين وان كانت اكثر وعدل عمر بن عبدالعزيز اظهر من عدل معاويةؓ و هو آزهد من معاويةؓ لكن الفضائل عند الله بحقائق الايمان الذى فى القلوب . ولهذا يقول من يقول من السلف غبار دخل فى أنف معاوية مع رسول الله صلى الله عليه وسلم افضل من عمل عمر بن

عبدالعزیز . (ایضاً منہاج السنۃ ج ۳ ص ۱۸۳)

"پس تحقیق علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ جملہ صحابہ جملہ تابعین سے افضل ہیں (یعنی طبقہ کے اعتبار سے) لیکن کیا ہر ہر صحابی مابعد والوں میں ہر ایک سے افضل ہے تو قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے اس میں دو قول ذکر کیے ہیں اور اکثر علماء ہر ہر صحابی کو دوسروں پر فضیلت دیتے ہیں اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ اور امام احمد بن حنبل وغیرہ سے منقول ہے اور ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ تابعین کے اعمال اگرچہ زیادہ ہیں اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عدل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عدل سے زیادہ ظاہر ہے اور وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے زیادہ زاہد ہیں۔ لیکن اللہ کے ہاں فضیلتیں بوجہ ان ایمان کی حقیقتوں کے ہیں جو (انکے) دلوں میں ہے اور اسی لیے سلف میں سے بعض حضرات کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (جہاد میں) جو غبار حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی ناک میں پڑا ہے وہ (بھی) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے عمل سے افضل ہے"۔

جلیل القدر صحابی ہونے کی وجہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز پر یقیناً فضیلت حاصل ہے لیکن اس کے باوجود ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے عدل اور زہد میں بڑھے ہوئے ہیں۔ (اس کو جزوی فضیلت کہتے ہیں) لیکن مولانا محمد اسحٰق سندیلوی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں اتنے غالی ہیں کہ وہ خطائے اجتہادی کی نسبت بھی برداشت نہیں کرتے۔ حالانکہ اہل سنت کے عقیدہ میں معصوم انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی ذلّت (لغزش) کا صدور ہو جاتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں انبیائے کرام کے واقعات مذکور ہیں البتہ شیعوں کا یہ عقیدہ ہے کہ ائمہ معصومین (بارہ امام) سے لغزش اور سہو کا صدور بھی نہیں ہو سکتا۔

حضرت آدم کی معصیت

قرآن حکیم میں حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا وَعَصٰی آدَمُ رَبَّہٗ

فَغَوٰی (پارہ ۱۶۔ سورہ طٰہٰ۔ آیت ۱۲۱۔ رکوع ۷) ''اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ابوالانبیاء حضرت آدم علیہ السلام پر لفظ معصیت (نافرمانی) اور غوایت (گمراہی) کا اطلاق کیا ہے۔ لیکن یہ قصور چونکہ نسیان (بھول جانے) کی وجہ سے ہوا تھا۔ چنانچہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (ایضاً سورہ طٰہٰ رکوع ۶) ''سو ان سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہو گئی ہم نے (اس حکم کے اہتمام میں) ان میں پختگی (اور ثابت قدمی نہ پائی) (ترجمہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ) اس لئے قرآن مجید میں عصیان اور گمراہی سے مراد صورتاً معصیت ہوگی نہ حقیقتاً۔ مسئلہ عصمت انبیاء علیہم السلام کی تفصیل بندہ کی کتاب ''علمی محاسبہ'' میں مذکور ہے جو مفتی محمد یوسف صاحب (مودودی) کے ''علمی جائزہ'' کے جواب میں لکھی گئی ہے سندیلوی صاحب بھی عَصٰی اور غَوٰی کے قرآنی الفاظ کی تاویل ہی کرتے ہوں گے۔ تو کیا امام ابوبکر جصاص وغیرہ فقہائے امت نے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق باغی وغیرہ کا لفظ استعمال کیا ہے لیکن اس سے مراد ان کی اجتہادی خطا ہی ہے تو انہوں نے کونسا شرعی جرم اور گناہ کیا ہے کہ سندیلوی صاحب ان اساطین دین اور اکابر امت کو یوں مطعون کر رہے ہیں کہ وہ:۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مؤید دوسرے صحابہ کرام کو باغی کہنے کی بے ادبی و گستاخی میں مبتلا ہو گئے۔ اس غلط فہمی نے انہیں اس بے ادبانہ لغزش میں مبتلا کر دیا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۳۳)۔ حالانکہ خود خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ نے فریق ثانی کے متعلق فرمایا ہے۔ اِخوانُنا بَغَوا عَلَینا (اور وہ ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہمارے خلاف بغاوت کی ہے) حضرت علی المرتضیٰ کے اس ارشاد کے متعلق خدا جانے سندیلوی صاحب کے دل میں کیا ہوگا؟

طبری کا بھوت

سندیلوی صاحب پر طبری کا ہوّا (بھوت) اتنا سوار ہے کہ وہ قرآنی بحث کو بھی طبری

کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ چنانچہ متاخرین فقہاء و محدثین کے متعلق یوں فرماتے ہیں:۔ شیعہ مؤرخین یعنی طبری، واقدی، ابن اسحٰق وغیرہ نے بکثرت جھوٹی روایتیں وضع اور موضوع روایتیں جمع کیں۔ نیز واقعات کو توڑ مروڑ کر پیش کیا اور حضرات اصحاب جمل و صفین کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا اس قدر قوت اور شدت کے ساتھ کیا کہ ان حضرات کے خلاف ایک فضا بن گئی۔ اس مسموم اور مذموم فضا سے بعض علمائے اہل سنت بھی متاثر ہوئے کہ ان حضرات کے اقدام کو خطائے اجتہادی کہنے لگے۔ تقلیدی مذاق کے غلبہ کی وجہ سے بعد کو آنے والے علماء نے بھی ان کی پیروی کی۔ اس طرح یہ مسلک مشہور و مقبول ہو گیا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۳)

الجواب (۱) اگر صدیوں کے اکابر اہل سنت کی تحقیق کے خلاف مودودی صاحب کسی مسئلہ میں اس طرح حجت بازی کریں تو سندیلوی صاحب اکابر کی دوھائی دینے لگتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

جب تک اسلاف پر اس طرح طنز و تعریض کر کے ان میں کوئی نقص نہ نکالا جائے اس وقت تک شان تجدید کیسے ظاہر ہو سکتی ہے اور جماعت کے افراد میں یہ خیال کیسے پھیل سکتا ہے کہ چودہ سو سال کی مدت میں اسلام کو پورے طریقے سے صرف مودودی صاحب ہی نے سمجھا ہے" (اظہار حقیقت جلد اوّل حاشیہ ص ۳۵)

حالانکہ جس مرض تنقید میں مودودی صاحب مبتلاء ہیں اسی میں خود سندیلوی صاحب گرفتار ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور مودودی

مودودی صاحب نے باوجود حضرت عثمان ذوالنورین کو خلیفہ راشد تسلیم کرنے کے روایات و قیاسات کی بنا پر جس طرح حضرت عثمان (قرآن کے خلیفہ موعود) پر تنقید و جرح کی ہے اور ان کی خلافت کی مرکزی پالیسی کو ہدف طعن بناتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔ یہ تھے وہ وجوہ، جن کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی یہ پالیسی لوگوں کے لئے اور بھی زیادہ بے

اطمینانی کا موجب بن گئی تھی۔ خلیفہ وقت کا اپنے خاندان کے آدمیوں کو پے درپے مملکت کے اہم ترین مناصب پر مامور کرنا بجائے خود کافی وجہ اعتراض تھا اس پر جب یہ لوگ دیکھتے تھے کہ آگے لائے بھی جارہے ہیں تو اس طرح کے اشخاص تو فطری طور پر ان کی بے چینی میں اور زیادہ اضافہ ہو جاتا تھا۔ اس سلسلے میں خصوصیت کے ساتھ دو چیزیں ایسی تھیں جو بڑے دوررس اور خطرناک نتائج کی حامل ثابت ہوئیں۔ دوسری چیز جو اس سے زیادہ فتنہ انگیز ثابت ہوئی وہ خلیفہ کے سیکرٹری کی اہم پوزیشن پر مروان بن الحکم کی ماموریت تھی (خلافت وملوکیت طبع اول اکتوبر ۱۹۶۲ء ص ۱۱۵)

اس کو پڑھنے کے بعد کیا کوئی ناواقف آدمی یہ تسلیم کرسکتا ہے کہ یہ وہی حضرت عثمان ذوالنورین ہیں جو قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا قطعی مصداق ہیں اور جن کو گویا اللہ نے خود مقرر فرمایا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سندیلوی

اسی طرح سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو آیتِ استخلاف اور آیت تمکین کے مصداق بھی قرار دیتے ہیں لیکن اس کے باوجود مشاجرات صحابہ میں زیادہ تر حضرت علی المرتضیٰ کی پالیسی کو ہی نشانہ تنقید بناتے ہیں اور یہاں تک اتر آتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت سے دستبردار ہونے اور دوبارہ استصواب رائے عامہ (یعنی عمومی الیکشن) کا مطالبہ (جس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اصرار کر رہے تھے) مان لینا چاہیے تھا اور کتنے متکبرانہ لہجہ میں لکھتے ہیں کہ:۔ علیٰ ھذا شہادت فاروق اعظم کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کئی سال بعد بھی جبکہ حالات میں بہت دوررس تبدیلیاں ہو چکی تھیں وہ ویسے ہی مقبول ہوں اور عوام وخواص انہیں اسی طرح سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے ہوں۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کیوں نہ منظور فرمائی؟ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی

کے امکانات برابر ہوتے'' (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۲۴) سندیلوی صاحب کی تنقیدی عبارتیں گذشتہ مباحث میں بھی نقل کر چکا ہوں۔ اس کتاب کے صفحہ ۳۹۹ پر دوبارہ ملاحظہ فرمالیں۔ علاوہ ازیں سندیلوی صاحب نے مولوی سراج الحق صاحب مچھلی شہری کے رسالہ کی بھی تائید کی ہے۔ حالانکہ اس میں حضرت علی المرتضیٰ کے خلاف کھلی گستاخی کی گئی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

یہ کام ان (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے حکم رسول کے خلاف سرزد ہوا۔ نیز لکھتے ہیں:۔ ''یہ کام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا منشاء رسول کے خلاف ہوا'' انصاف سے دیکھئے تو حالات بتاتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خود اپنی سوء تدبیر اور مسلسل خطائے اجتہادی اور منشاء نبوی سے انحراف کی بدولت یہ سارا خمیازہ بھگتنا پڑا تھا (ایضاً کتاب مچھلی شہری ص ۱۶۷) مچھلی شہری کی دوسری عبارتیں پہلے نقل کر چکا ہوں۔ ناظرین کتاب ہذا ص ۴۰۷ ملاحظہ فرمالیں۔ ان عبارات کے مطالعہ کے بعد کیا کوئی صاحب عقل و دانش یہ تسلیم کر سکتا ہے کہ سندیلوی یا مچھلی شہری حضرت علی المرتضیٰ کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دیتے ہوئے ان کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ بہر حال بندہ نے مشاجرات صحابہ پر جو بحث کی ہے اس میں طبری وغیرہ تاریخی کتب کے حوالے اپنی تائید میں نہیں پیش کئے۔ بلکہ قرآن حکیم کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کو بنیاد بنا کر سندیلوی صاحب کی عبارتوں کے پیش نظر ہی بحث کی ہے اور اکابر امت نے جو اس جنگ و قتال میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کی ہے اس کی بنیاد بھی انہوں نے روایات طبری وغیرہ پر نہیں رکھی بلکہ ان کی بنیاد بھی کتاب و سنت ہی ہے۔ سندیلوی صاحب اگر اجتہادی خطا کے مسلک کو طبری وغیرہ کی روایات پر مبنی قرار دیتے ہیں تو یہ ان کی کم فہمی یا تلبیس ہے۔ مشاجرات صحابہ (جنگ جمل و صفین) کا مسئلہ قرآن و حدیث سے متعلق ہے۔ اس بحث کا موضوع دراصل خلافت راشدہ موعودہ ہی ہے جو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مقتضیٰ ہے۔ اسی لئے مشاجرات صحابہ کے سلسلے میں بحیثیت خلیفہ راشد و موعود کے اہل السنت والجماعت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صواب پر اور حضرت معاویہ کو خطا پر قرار دیتے ہیں اور یہ

صواب وخطا کا تقابل ہے نہ کہ حق و باطل کا۔

حضرت علی بھی خطائے اجتہادی سے محفوظ نہیں

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔ انہیں مؤرخین کے بھروسہ پر متکلمین نے بھی اپنی بحث کی عمارت تعمیر کی اور ان کے محتاط لوگوں نے بھی حضرت سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق علی الاطلاق خطائے اجتہادی کا فیصلہ کر دیا اور اس اختلاف کے سلسلہ میں ہر معاملہ میں انہیں کی غلطی ثابت کرنے کی کوشش کی۔ اس فیصلہ کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ قرب عند اللہ کے اعتبار سے حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں ان حضرات نے یہ کلیہ بھی قائم کر لیا کہ جو شخص افضل ہو اس کی ہر بات صحیح اور اس کا ہر اقدام مناسب ہوگا بخلاف اس کے مفضول کا ہر اقدام غلط اور نامناسب ہوگا۔ یہ مفروضہ ان کے ذہن پر اس طرح غالب ہو گیا کہ انہوں نے واقعات و حالات پر نظر کرنے سے پہلے ہی یہ فرض کر لیا کہ ہر معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر ہوں گے اور حضرت معاویہ غلطی پر۔ ظاہر ہے کہ یہ طرز بحث و فکر بالکل غیر محققانہ اور غیر منصفانہ ہے۔ اس لئے ان حضرات کا قول اس بارے میں قابل اعتبار نہیں ہو سکتا اور نہ ان کی رائے بغیر صحیح دلیل کے مانی جا سکتی ہے۔ ہم نے متاخرین کی اس غلط روش کو چھوڑ کر تحقیق کا صحیح راستہ اختیار کیا ہے۔ ہم کسی جانبداری سے کام نہ لیں گے۔ ہمارے نزدیک بھی حضرت علی المرتضیٰ کا مرتبہ عند اللہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے بدرجہا برتر و بلند ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہمیشہ انہیں کی رائے صحیح ہو وہ بھی معصوم نہ تھے۔ غلطی کا صدور ان سے بھی ممکن ہے (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۷۰)

الجواب (۱) متاخرین (فقہاء و متکلمین) کے متعلق یہ قیاس آرائی سندیلوی صاحب کی خواہش نفس کی اختراع ہے اور سنی قوم کو ان حضرات سے بدظن کرنے کی بڑی مذموم کوشش ہے۔ کیونکہ اگر یہ فقہاء ایسے ہی تھے تو باقی عقائد و مسائل میں ان کی تحقیق پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

(۱) فرمائیے! آپ کے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ ان گزشتہ صدیوں کے

محققین اہل سنت نے یہ مفروضہ قائم کر لیا تھا کہ افضل کا ہر اقدام صحیح اور مفضول کا ہر اقدام غلط ہے۔ آپ کوئی تحریری ثبوت پیش کریں۔ کیا کوئی محقق عالم دین یہ کلیہ قائم کر سکتا ہے؟ کیا سندیلوی صاحب پر کوئی وحی نازل ہوئی ہے جس کی بنا پر انہوں نے فقہاء و متکلمین پر یہ الزام لگایا ہے؟ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔

(ب) آپ کا یہ دعویٰ بھی بالکل غلط ہے کہ۔ اس میں کسی جانبداری سے کام نہ لیں گے۔ کیونکہ آپ نے مشاجراتِ صحابہ کی بحث میں آیتِ استخلاف اور آیت تمکین پر بحث نہیں کی جو حضرت علی المرتضیٰ کے موقف کے حق میں تھیں اور اِدھر اُدھر گھوم کر غلط نتائج اخذ کرتے رہے ہیں۔ اسی لئے آپ کی کتاب تضاد بیانیوں اور غلط بیانیوں اور علمی خیانتوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ حسب مقام میں نے ان کی نشاندہی کر دی ہے۔

(۲) محققین اہل سنت ہر امر میں حضرت علی المرتضیٰ کے اجتہاد کا صحیح ہونا لازمی نہیں قرار دیتے۔ بلکہ وہ بیعت و انتخاب خلافت اور جنگ جمل وصفین کے مسئلہ میں کتاب و سنت کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق وصواب پر مانتے ہیں۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

چنانچہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔ ”لازم نیست کہ امیر در جمیع امور خلافیہ محق باشند و مخالف ایشاں برخطا۔ ہر چند در امر محاربہ حق بجانب امیر بودہ (مکتوبات جلد دوم مکتوب نمبر ۳۶۔ طبع قدیم ص ۵۸)“ یہ لازم نہیں ہے کہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ تمام (اجتہادی) امور میں حق پر ہوں اور ان کے مخالف خطا پر البتہ محاربہ (جنگ وقتال باہمی) میں حق وصواب حضرت امیر رضی اللہ عنہ (علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف تھا)“

نیز اسی مکتوب میں مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں تین موقف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”لیکن جمہور اہل سنت بہ دلیلے کہ بر ایشاں ظاہر شدہ بماشد برانند کہ حقیقت در جانب امیر بودہ لیکن مخالف او راہ خطارا پیمودہ۔ لیکن ایں خطا چوں اجتہادی است از

ملامت وطعن دوراست (ایضاً ص ۵۴)'' لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بناپر جوان پر ظاہر ہوئی ہے یہ مسلک رکھتے ہیں کہ حق حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی جانب تھا اور آپ کے مخالف خطاء کے راستے پر چلے لیکن یہ چونکہ اجتہادی خطا ہے اس لئے طعن وملامت سے دور ہے''۔ یہاں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ خطائے اجتہادی کے مسلک کو دلیل کی بناپر جمہور اہل سنت کا مسلک قرار دے رہے ہیں لیکن محقق سندیلوی اس مسلک کو بے دلیل بلکہ خلاف دلیل قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں:۔

''یہ مسلک باوجود شہرت ومقبولیت عام درحقیقت بالکل غلط، بے دلیل بلکہ خلاف دلیل ہے'' (اظہار حقیقت ص ۴۶۱)

گویا سندیلوی صاحب کے نزدیک مجدد وہ ہوتا ہے جو بلا دلیل ایک حکم لگاتا ہے اور پھر اس کو جمہور اہل سنت کی طرف منسوب کر دیتا ہے۔ علاوہ ازیں سندیلوی صاحب اس مسلک کو بے دلیل کہہ کر یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا کو منسوب کرنے والے باطل پر ہیں۔ العیاذ باللہ۔

کیونکہ اجتہادی اختلاف تو دلیل پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کو بلا دلیل اور خلاف دلیل کہنا ان کی کم فہمی ہے یا غایت تعصب وطرفداری سندیلوی صاحب اس خطائے اجتہادی والے مسلک کو اپنے اوہام وقیاسات کی بناپر خلاف دلیل قرار دینے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں:۔

''زیر بحث مسلک پر اس بحث کا مقصد علمی تحقیق ہے اس کے قائلین پر اعتراض مقصود نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دلیل کی کمزوری اور بات ہے مگر فی نفسہ اس مسلک میں کوئی بات اصول اہل سنت کے خلاف نہیں۔ نہ اس سے کوئی شرعی قاعدہ ٹوٹتا ہے اور نہ اس میں بے ادبی کا شائبہ ہے۔ کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں۔ اس لئے جو حضرات یہ مسلک رکھتے ہیں ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ کہنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ مسلک بالکل غلط اور مسلک سلف کے خلاف ہے (اظہار حقیقت ص ۴۶۵)

تضاد بیانی اور تقیہ

سندیلوی صاحب بحث کے اختتام پر تو صاف لکھ رہے ہیں کہ:۔ "کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں"۔ لیکن قبل ازیں یہ لکھ چکے ہیں کہ:۔ اللہ تعالیٰ شانہٗ ان قلیل التعداد علمائے اہل سنت کو معاف فرمائیں جو غلط فہمی کا شکار ہو کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے مؤید دوسرے صحابہ کرام کو باغی کہنے کی بے ادبی و گستاخی میں مبتلا ہو گئے" (ص ۴۳۳)

حالانکہ پہلے یہ بحث گذر چکی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی کا بھی قول پیش کر چکا ہوں کہ بغاوت و جور سے مراد اجتہادی خطا ہے اور صاحب ہدایہ نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جائر قرار دیا ہے تو اس سے بھی یہی مراد ہے۔ چنانچہ خود صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:۔

وقوله وهو ظلم . اى ميلٌ عن سوآء السبيل وهكذا يكشف عن مذهبه ان المجتهد يخطى و يصيب لا كما ظنه البعض

(كتاب ادب القاضى فصل فى القضا يا بالمواريث ص ۲۵۰)

وھو ظلمٌ میں ظلم سے مراد سیدھے راستہ سے ایک طرف ہٹ جانا ہے اور اس سے ان کا مذہب ظاہر ہوتا ہے کہ مجتہد خطا پر بھی ہوتا ہے اور صواب پر بھی نہ کہ جیسا بعض نے گمان کیا ہے تو جب ان حضرات کی مراد بھی خطائے اجتہادی ہی ہے تو ان تمام فقہاء و محدثین کو گستاخ قرار دینا سندیلوی صاحب کی کتنی بڑی گستاخی ہے حالانکہ یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ خطائے اجتہادی قرار دینا ادب کے خلاف نہیں ہے۔

(۲) بقول سندیلوی اگر یہ مسلک بالکل غلط اور مسلک سلف کے خلاف ہے تو پھر یقیناً قابل اعتراض ہونا چاہیے لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرما رہے ہیں کہ:۔ "ان پر اس مسلک کی وجہ سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا یہ دو غلا اجتہاد کیسا ہے اور پھر یہ بھی ملحوظ رہے کہ خود حضرت علی المرتضیٰ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خطا پر قرار دیتے تھے بلکہ باغی تک فرمایا (گو صورتاً ہی ہو) تو سندیلوی صاحب اس کو بھی گستاخی ہی سمجھتے ہوں گے اور اگر نہیں تو پھر

جن حضرات فقہاء وغیرہ نے باغی بمعنی مجتہد مخطی کہہ دیا ان کو کیونکر گستاخ قرار دیا جاسکتا ہے یہ تضاد بیانی از روئے تقیہ نامرضیہ فرمارہے ہیں یا اس کا کوئی اور سبب ہے؟ کسی صحابی کی طرف سے خطائے اجتہادی کی نسبت کرنا شرعاً بے ادبی بھی نہیں نہ یہ قابل اعتراض ہے۔ اور محققین اہل سنت نے یہ مسلک جمہور اہل سنت کا قرار دیا ہے لیکن سندیلوی صاحب کا غصہ اُترنے کو نہیں آتا۔ آخر کیا بات ہے۔ ع۔ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے؟

ام المومنین رضی اللہ عنہا کے نادان حامی

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بلاشبہ از روئے قرآن مومنین و مومنات کی روحانی ماں ہیں۔ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بھی ماں ہیں اور حضرت فاروق اعظم کی بھی۔ اور آپ بغرض جنگ گھر سے نکلی بھی نہ تھیں۔ آپ نے اصلاح کی کوشش فرمائی۔ سبائی پارٹی دونوں طرف گھسی ہوئی تھی مصالحت ہونے والی تھی کہ انہوں نے شرارت کر کے جنگ کے شعلے بھڑکا دیئے۔ جنگ جمل ختم ہوئی تو حضرت ام المومنینؓ اور حضرت علی المرتضیٰ کا اجتہادی اختلاف بھی ختم ہوگیا۔ حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کے موعودہ خلیفہ قرار دے کر عموماً اہل السنت والجماعت (اصحاب جمل) کی طرف سے بھی اجتہادی خطا منسوب کردیتے ہیں۔ لیکن سندیلوی صاحب کا فلسفہ کچھ اور ہی ہے۔

خلیفہ راشد سے جنگ اس کے استحکام کا باعث ہے

وہ فرماتے ہیں کہ:۔ جنگِ جمل میں سبائیوں کی قوت ٹوٹنے اور مفسدوں کے بہت سے سرغنہ غنڈوں کے فی النار ہونے کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت میں ایک حد تک استحکام پیدا ہوگیا اور انہیں اس مارِ آستین ٹولی سے پورے طور پر نہ سہی تاہم خاص حد تک نجات حاصل ہوگئی۔ اگر جنگ جمل نہ ہوتی تو خلافت علوی میں اتنا استحکام پیدا نہ ہوتا۔ (ص ۱۶۴) حالانکہ اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۶ پر لکھ چکے ہیں بحوالہ ابن تیمیہ کہ ائمہ اہل سنت کے نزدیک جنگ بہتر نہ تھی (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۳۳۹)

(ب) یہ طفیل ہے ان حضرات کے اس مخلصانہ تاریخی اقدام کا اور یہ ایک بے بہا نتیجہ ہے جنگ جمل کا جو اگر دس ہزار کیا دس لاکھ خون کر کے بھی حاصل ہوتا تو مفت ہی کہا جاتا (ص ۱۶۳)

سندیلوی ایک بہترین جنگی ہیرو (تبصرہ)

اولاد آدم کی تاریخ میں غالباً سندیلوی جیسا کوئی جنگی مدبر اور سیاست دان پیدا نہیں ہوا۔ جس نے استحکام حکومت کا یہ فلسفہ ایجاد کیا ہو۔ اگر یہ تحقیق تمام سربراہان مملکت تک پہنچا دی جائے تو ممکن ہے بین الاقوامی طور پر سندیلوی صاحب کو ہر حکومت کے استحکام کے لئے خانہ جنگی کی اسکیم کا سربراہ بنا دیا جائے۔ ہر حکومت اپنے استحکام کے لئے دشمن سے لڑ کر ناکام ہو رہی ہے لیکن اصل تدبیر یہ ہے کہ ہر ملک میں پبلک (حزب اختلاف) صدر مملکت سے جنگ وقتال شروع کر دے تاکہ سخت خونریزی کے بعد اس حکومت کو ایسا استحکام نصیب ہو جائے کہ سندیلوی صاحب کا نام رہتی دنیا تک مصلحین امت کے قائد اعظم کی حیثیت سے زندہ رہے۔

(ب) اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ راشد کی خلافت کو اگر اس کے ساتھ جنگ وقتال کرنے سے استحکام نصیب ہو سکتا ہے تو پھر یہ نسخہ خانہ جنگی دوسروں کے لئے کیوں مفید نہ ہوگا۔

(ج) سندیلوی صاحب سے یہ بھی دریافت کر لیجئے کہ جنگ جمل میں صرف سبائی پارٹی کے افراد ہلاک ہوئے ہیں یا حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے علاوہ بھی ہزارہا مسلمان شہید ہوئے ہیں۔ بہرحال سندیلوی صاحب کا نسخہ تیر بہدف ہے نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

(۲) جس طرح شیعہ حضرات خلفائے ثلثہ اور حضرت علی المرتضیٰ کو آپس میں دشمن قرار دے کر حضرت علی المرتضیٰ کی محبت کا دم بھرتے اور ان کی عظیم شخصیت کو تقیہ وغیرہ کے داغ سے متہم کر کے اپنے نادان محب ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اسی طرح فاضل سندیلوی بھی حضرت علی المرتضیٰ کو قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دے کر ان

کو خلیفہ راشد اور موعود خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جنگ صفین میں بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الحق مانتے ہیں۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۳۹۹)۔ نیز لکھتے ہیں کہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ضرور تھی مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے اصح یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھی۔ (ایضاً ص ۲۲۰ ج ۲)

(۲) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرعی نہیں سیاسی غلطی تھی۔ لیکن اس سے ان کی دینی عظمت میں کوئی فرق آتا ہے نہ ان کے مدبر ہونے پر کوئی حرف۔ وہ معصوم نہ تھے اگر ان سے ایک سیاسی غلطی ہو گئی تو نہ یہ لائق توجہ ہے نہ کوئی عیب۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۱۹۳)

لیکن خلیفہ راشد کے مقابلے میں اگر کوئی یہ کہہ دے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے غلطی ہوگئی تو پھر سندیلوی صاحب کے غصہ پر کوئی قابو نہیں پا سکتا۔ آخر اس کی وجہ؟

(۳) حضرت معاویہ کی طرف سے دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''محض ہنگامی حالت میں خلیفہ منتخب ہو جانے سے انہیں اس کا حق نہیں پہنچتا کہ وہ مجھے معزول کر دیں۔ اس کے علاوہ حضرت عثمان کی بیعت از روئے دستور اس حد تک موجود ہے کہ میں ان کی نصرت کروں اور اس مفسد پارٹی اور مخالف اسلام یہودی تحریک کا قلع قمع کر دوں جن کی گردنوں پر ان کا خون ناحق ہے اس سے بڑھ کر یہ کہ دستور اسلامی کی حفاظت جسے ان سبائیوں نے توڑا تھا میرے اوپر فرض ہے۔ ان ٹھوس فقہی وجوہات کی بنا پر انہوں نے معزولی کے معاملہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے انکار کر دیا اور حق یہ ہے کہ کوئی دلیل شرعی یا عقلی ایسی نہیں پیش کی جاسکتی جس کی بنا پر ان کے اس رویہ کو یقینی یا ظنی طور پر خطا کہا جا سکے''۔ (اظہار حقیقت ص ۱۸۴)

یہاں بھی سندیلوی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا موقف بیان کرتے ہوئے استحکام خلافت کا وہی جنگی نسخہ پیش فرما رہے ہیں جو اصحاب جمل کے بارے میں پیش کر چکے ہیں۔ یعنی خلیفہ سابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمنوں اور قاتلوں سے انتقام لینا اور ان کی طاقت کو توڑنا مقصود ہو تو حضرت عثمان ذوالنورین کے بعد خدا کے مقررہ کردہ خلیفہ

راشد کے حکم کی اطاعت کا انکار کر دو اگر وہ اپنی اطاعت کے لئے اصرار کرے تو پھر پوری طاقت سے مقابلہ کرو تا کہ دشمن کی طاقت فنا ہو جائے اور پھر آخر وقت تک اس خلیفہ موعود کی مخالفت جاری رکھو تا آنکہ مجبور ہو کر وہ بھی ان کو خلیفہ تسلیم کر لیں یہ نسخہ اگر آج بھی ہر حکومت کے ماتحت گورنر آزمالیں تو اگر اس حکومت کو استحکام حاصل نہ ہو تو سندیلوی صاحب اس کے ذمہ دار ہیں۔ واقعی دشمن کو کچلنے کا یہ تیر بہدف نسخہ ہے۔ ہر حکومت اور ہر گورنر اور ہر جنرل اس سندیلوی جنگی نسخہ کو آزما کر دیکھ لے۔ اسلامی تاریخ میں غالباً سندیلوی جیسا نادان عقیدتمند حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو نہیں ملا۔

ای تیزی طبع تو برمن بلا شدی

(۴) سندیلوی صاحب نے حضرت معاویہ کے موقف کو صحیح بلکہ اصح ثابت کرنے کے لئے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ خلیفہ شہید کی بیعت ان کی گردن میں تھی اور خلیفہ شہید کی نصرت فرض تھا اور یہی ان کی سخت تلبیس ہے۔ کیونکہ خلیفہ شہید حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جانشین من جانب اللہ حضرت علی المرتضیٰ تھے نہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ۔ ہنگامی اور عبوری اور عارضی خلافت اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تجویز کی جائے پھر تو کسی حد تک یہ فلسفہ قابل قبول ہو سکتا ہے۔ اسی لئے سندیلوی صاحب نے مختلف چکر کاٹ کر حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کو عبوری اور عارضی ثابت کرنے کی بے سود کوشش کی ہے لیکن حسب تحریر سندیلوی بھی جب حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت آیت استخلاف اور آیت تمکین کی مصداق ہے تو انعقاد خلافت کے بعد اسے ایک لمحہ کے لئے بھی عبوری اور عارضی قرار نہیں دے سکتے اور اس سے سندیلوی قیاسات کی ساری دیواریں منہدم ہو جاتی ہیں۔ خلیفہ موعود کی خلافت منعقد ہونے کے بعد حضرت عثمان خلیفہ شہید کی بیعت ختم ہو جاتی ہے اور ہر فرد پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمان ذوالنورین کے جانشین خلیفہ راشد و موعود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لیں اور ان کو اولی الامر میں سے تسلیم کرتے ہوئے ان کی غیر مشروط اطاعت کریں۔ البتہ اس امر میں ان کی اطاعت جائز نہ ہو گی جو یقینی طور پر خلاف کتاب و سنت ہو۔ لیکن کیا سندیلوی صاحب یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے حضرت

معاویہ کو معزول کرنے کا حکم خلاف شریعت تھا حالانکہ مودودی صاحب کے جواب میں وہ خود تسلیم کر چکے ہیں کہ:۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک کسی دوسری مصلحت کی بنا پر انہیں معزول کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہو۔ جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر انہیں برقرار رکھنے کے سبب کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا (اظہار حقیقت جلد اوّل حاشیہ ص ۲۲۳)

سندیلوی صاحب سے ایک اہم سوال

آپ یہ لکھ چکے ہیں کہ:۔ جنگِ جمل کی وجہ سے ایک حد تک سبائیوں کی طاقت فنا ہو گئی تھی اور یہ بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ:۔ جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ نے ان کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی) خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۲۱۲)۔ تو فرمایئے جب بکثرت مہاجرین وانصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم کر لی اور ان کی خلافت بھی مستقل ہوگئی۔ اور سبائی طاقت بھی کافی حد تک فنا ہوگئی اور یہ بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ امت مسلمہ کے اتحاد کی خاطر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے آخر میں دوبارہ انتخاب کا مطالبہ بھی ترک کر دیا تھا، تو اب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لئے قرآن کے خلیفہ موعود کی خلافت تسلیم کرنے اور ان کی اطاعت کر لینے میں شرعاً کونسی بات مانع رہ گئی تھی؟ کیا ان حالات کے بعد بھی قرآن کے خلیفہ موعود کی اطاعت نہ کرنا اجتہادی خطا نہیں قرار دی جاسکتی یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ اس وقت یقینی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ قرآن میں جن جن حضرات کو خلافت عطا کرنے کا وعدہ دیا گیا ہے اس کا مصداق اس وقت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں لیکن بعد ازاں چونکہ یہ بات واضح ہوگئی کہ خلفائے ثلثہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی بوجہ مہاجرین اولین میں ہونے کے آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تھے۔ تو جمہور اہل السنت والجماعت کا اسی عقیدے پر اجماع ہوگیا چنانچہ خود سندیلوی صاحب اقرار کرتے ہیں کہ:۔

ہماری حیثیت اور صحابہ کرام کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت علی کو خلیفہ تسلیم کرنا ان کے لئے عقیدے کی حیثیت نہیں رکھتا تھا جبکہ ہمارے لئے اس کی حیثیت عقیدے کی ہے وہ انہیں معزول کرنے یا ان کی خلافت سے اختلاف کرنے کا حق بھی رکھتے تھے جبکہ ہمیں یہ حق حاصل نہیں'' (ص ۲۲۵ ج ۲)

یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت تو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ ہی قرآن کے خلیفہ راشد ہیں فرمایئے! اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں۔ وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یہ یقین حاصل ہے اور حضرت علی کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لئے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی بنا پر امام غزالی بھی خلفائے اربعہ کو بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ احیاء العلوم جلد اول کی عبارت کتاب ہذا میں پیش کی جا چکی ہے) تو اب زیر بحث مسئلہ میں اہل السنت والجماعت کا یہی موقف صحیح قرار دیا جا سکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہ سے خلیفہ راشد و موعود کے ساتھ جنگ و قتال کرنے میں خطا ہو گئی تھی۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ تنقیص ہے اور نہ بے ادبی۔

سندیلوی مسلک سے شیعہ اور مودودی مذہب کو تقویت پہنچتی ہے

سندیلوی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ موعود ماننے کے باوجود حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مطالبہ کو صحیح قرار دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور خلیفہ کا دوبارہ انتخاب کیا جائے اگر اس مطالبہ معزولیٔ خلیفہ کو صحیح قرار دیا جائے تو ان بلوائیوں کے لئے بھی حضرت عثمان ذوالنورین کو خلافت سے معزول کرنے کے مطالبہ کا جواز پیدا ہو جاتا ہے۔ معزولی کے جواز کے لئے انہوں نے بھی حالات و واقعات ہی الزامات کی شکل میں پیش کئے تھے اور مودودی صاحب نے بھی خلافت و ملوکیت میں ایسے الزامات پیش کر دیئے ہیں۔ گو ان الزامات کے جوابات صدیوں سے علمائے اہل سنت

دیتے رہے ہیں اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی رحمۃ اللہ وغیرہ اکابر نے بھی دیئے ہیں لیکن مخالفین کی زبانیں تو اب تک کھلی ہوئی ہیں۔

قطب مصری

حتیٰ کہ مودودی جماعت کے ممدوح قطب مصری (جس کو یہ لوگ شہید کہتے ہیں) نے بھی محققانہ انداز میں لکھ دیا ہے کہ:۔ (لیکن دراصل یہ پہلا حادثہ نہ تھا اس سے بدتر واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو موخر کر کے ضعیف العمری کے زمانہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بنایا جانا ہے جس کے نتیجہ میں سلطنت کی کنجیاں مروان بن حکم کے قبضہ میں چلی گئیں (اسلام کا نظام عدل ص ۲۳۸)۔

(۲) مجھے پورا یقین ہے کہ اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور چند سال اور باقی رہ جاتا یا شیخین کے بعد تیسرے خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہوتے بلکہ اگر مسندِ خلافت پر آتے وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر جتنی تھی اس سے بیس سال کم ہوتی تو بڑی حد تک اسلامی تاریخ کا رُخ بدل جاتا (ایضاً ص ۲۰۲)

یہ عبارتیں میں نے اپنی کتاب ''مودودی مذہب'' میں بھی نقل کر دی ہیں۔ فرمایئے! قطب مصری کو مودودی جماعت بہت بڑا محقق اور مفسر مانتی ہے حالانکہ وہ بے چارے قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کو ہی نہیں سمجھتے، یا سمجھتے تو ہیں لیکن اور کسی مرض میں مبتلا ہیں۔ بہر حال جب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا ہے تو کیا اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت بڑھاپے کی عمر میں ہوں گے اور وہ نظام خلافت نہیں چلا سکیں گے العیاذ باللہ۔ اس قسم کے محققین عقل پرست ہوتے ہیں ان کی نظر صرف ظاہری واقعات پر ہے نہ کہ قرآن پر۔ سندیلوی صاحب غور فرمائیں۔ حالات کے تحت تو معترض یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ (العیاذ باللہ) اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلافت کی اہلیت رکھتے تو اچانک دو ہزار بلوائی مدینہ منورہ پر کیوں قبضہ کر لیتے اس فتنہ کے رونما

ہونے سے پہلے کیوں غفلت برتی گئی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی خلافت کا تحفظ کرتے۔ لیکن آپ نے باوجود صحابہ کرام کی خواہش اور مطالبہ کے انہیں بلوائیوں کا مقابلہ کرنے سے روک دیا۔ جس کے نتیجہ میں آپ شہید ہو گئے تو ان سب خرافات کا جواب یہی ہے کہ کوئی مومن بالقرآن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مرکزی پالیسی پر اعتراض نہیں کر سکتا۔ کیونکہ ان کو حسب وعدہ اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ اہل جان کے منصب خلافت پر سرفراز فرمایا تھا۔ بلوائیوں کی طرف سے خلیفہ راشد کی معزولی کا مطالبہ سراسر ناجائز تھا اس لئے خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ سے بطور پیشگوئی فرما دیا تھا کہ:۔

> یا عثمانؓ لعل اللّٰہ یُقَمِّصُکَ قَمِیْصًا فان ارادوك علی خلعه فلا تخلعه لهم (مشکوٰۃ شریف، بحوالہ ترمذی و ابن ماجه)
>
> ”اے عثمان رضی اللہ عنہ امید ہے کہ اللہ آپ کو ایک قمیص پہنائے گا۔ پس اگر لوگ اس کے اتارنے کا آپ سے ارادہ کریں تو آپ ان کی وجہ سے اسے نہ اُتاریں“۔

یہ حدیث حضرت عائشہ سے مروی ہے۔ حدیث میں قمیص سے مراد اللہ کی دی ہوئی خلافت راشدہ ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جان تو دے دی لیکن خلافت راشدہ سے دستبردار نہ ہوئے۔ تو گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسا نہیں فرمایا تھا اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی کیونکہ جس اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلافت کی قمیص پہنائی تھی اسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی خلافت کی قمیص پہنائی تھی تو اس حکم کے تحت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آ جاتے ہیں لیکن حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی باری آتی ہے تو سندیلوی صاحب جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی قمیص اتارنے والوں کی تردید کرتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی قمیص خلافت اُتارنے والوں کی حمایت کے لئے میدان میں اُتر آتے ہیں۔ آخر اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ آپ ہزار پہلو سے موشگافیاں کریں۔ حضرت علی المرتضیٰ کی معزولی کا مطالبہ بالکل ہی ناجائز ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت علی رضی اللہ عنہ

سے خلافت سے دستبردار ہونے کا مطالبہ نہیں کیا صرف قصاص حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مطالبہ کیا گیا۔ لیکن سندیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ حکمین کے سامنے جو قضیہ پیش کیا گیا تو سر فہرست خلافت کا مسئلہ تھا (ص ۳۷۵ ج ۲)

حالانکہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور دوسرے محققین بھی واضح طور پر لکھ رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نزاع خلافت کی وجہ سے نہ تھا۔ اسی لئے سندیلوی صاحب نے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی احیاء العلوم سے جو عبارت پیش کی تو درمیان کی یہ عبارت چھوڑ دی جس میں لکھا ہے کہ:۔ ولا منازعة من معاوية في الامامة "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نزاع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی امامت (خلافت) سے نہ تھا"

اس طرز تحقیق کی بنا پر تو ہمارے لئے فاضل سندیلوی صاحب سے حسن ظن کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان حامی۔

(۲) ہم شیعوں کے جواب میں حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت راشدہ کے ثبوت کے لئے آیت استخلاف اور آیت تمکین ہی پیش کرتے ہیں کہ جب اللہ کے وعدے کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین منصب خلافت پر سرفراز ہوئے ہیں تو ان کی مخالفت خداوند علیم وقدیر کی مخالفت ہے۔ لیکن اگر سندیلوی صاحب کی اس بات کو صحیح قرار دیا جائے کہ حضرت علی المرتضیٰ کا انتخاب عارضی تھا دوبارہ انتخاب کرانا لازمی تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول ہو جانا چاہیے تھا۔ تو پھر شیعہ اس بات کا جواز کیوں نہیں پیش کر سکتے کہ:۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب ناجائز تھا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک سازش کے تحت یہ کارروائی کی گئی تھی۔ تو شیعیت کے لئے کیا سندیلوی صاحب نے راستہ انکار خلفائے ثلثہ کا کھول نہیں دیا۔ اہل سنت ہزار تاویلیں کریں شیعوں کے لئے حجت بازی کی گنجائش رہے گی۔ لیکن جب خلفائے ثلثہ کو ہم قرآن کی خلافت موعودہ کا مصداق ثابت کر دیں تو پھر مکمل اتمام حجت ہو جائے گا اور وہی شخص انکار کر سکے گا جو بالکل بدفہم ہو۔ یا ان آیات قرآنی پر ایمان نہ رکھتا ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تحریف قرآن کا قائل ہو۔

بہر حال چاروں خلفائے راشدین کی حقانیت کو منوانے اور ان کی مرکزی پالیسی کو صحیح قرار دینے کی یہی ایک قطعی دلیل ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے قرآنی وعدے کے مطابق منصبِ خلافتِ راشدہ پر سرفراز فرمایا ہے۔

حدیث اتباع سنۃ الخلفاء الراشدین

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:۔

مَن یعِش منکم بعدی فسیری اختلافاً کثیراً فعلیکم بسنّتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسّکوا بھا وعضّوا علیھا بالنواجذ (مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ۔ بحوالہ ترمذی. ابو داؤد ابن ماجہ)

''میرے بعد تم میں سے جو شخص زندہ رہے گا تو وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھے گا پس (اس وقت) تم پر میری سنت (کی اتباع) لازم ہے اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (کی اتباع) لازم ہے۔ (اس کے ساتھ تمسک اختیار کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوط پکڑلو)''۔

اس حدیث کی شرح میں حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

''ومراد بخلفائے راشدین خلفائے اربعہ داشتہ اند و ہر کہ بر سیرت ایشاں برود و موافق سنت عمل کند حکم ایشاں دارد (اشعۃ اللمعات جلد اول ص ۱۳۹)۔

''اور خلفائے راشدین سے مراد چار خلفاء لئے گئے ہیں اور جو بھی ان کی سیرت کی پیروی کرے اور سنت کے موافق عمل کرے وہ انہی کے حکم میں ہے'' اور علامہ ملا علی قاری حنفی محدث بھی اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:۔

قیل ھم الخلفاء الاربعۃ ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللّٰہ عنھم لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام قال الخلافۃ بعدی ثلاثون سنۃ وقد انتھی بخلافۃ علیّ کرّم اللّٰہ وجہ. (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول ص ۲۴۲)

"اور (اس حدیث کے تحت) کہا گیا ہے کہ وہ (یعنی خلفائے راشدین مہدیین) خلفائے اربعہ ہیں۔ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا میرے بعد خلافت تیس سال ہو گی اور یہ مدت حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت پر ختم ہو جاتی ہے"۔

حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد

اور مقتدائے اہل سنت غوث اعظم حضرت سید عبدالقادر جیلانی قدس سرہ بھی انہی چاروں کو خلفائے راشدین قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

وافضل هٰؤلاء العشره الابرار الخلفاء الراشدون الاربعة الاخيار وافضل الاربعة ابوبكر ثم عمر ثم عثمان ثم على رضى اللّٰه تعالىٰ عنهم ولهٰؤلآء الاربعة الخلافة بعد النبى صلى الله عليه وسلم ثلثون سنة .

"اور عشرہ مبشرہ ابرار میں سے افضل چاروں خلفائے راشدین ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں اور ان چار میں سے افضل حضرت ابوبکر ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان پھر حضرت علی ہیں رضی اللہ عنہم۔ اور ان چاروں کے لئے نبی کریم ﷺ کے بعد خلافت تیس سال ہے" (غنیۃ الطالبین)

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ایام کو ملا کر تیس سال بنتے ہیں لیکن جمہور اہل سنت نے اس تیس سالہ خلافت کا مصداق امام حسن کی خلافت کو قرار نہیں دیا۔ اس لئے کہ ان کی خلافت خلفائے اربعہ کی خلافت کا تتمہ ہے۔ جو اصل کے مصداق نہیں بن سکتا۔ جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

"ایام خلافت بقیہ ایام نبوت بودہ است (خلفائے راشدین کی خلافت کا زمانہ بقیہ زمانہ نبوت تھا" (ازالۃ الخفاء جلد اول ص ۱۰۰) ترجمہ از امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمہ اللہ)۔ چونکہ امام حسن مہاجرین صحابہ میں سے نہیں ہیں اور قرآن کی آیت تمکین

اور آیت استخلاف میں خلافت دینے کا وعدہ مہاجرین صحابہ کے لئے ہے اس لئے آپ کی خلافت برحق ہونے کے باوجود قرآن کی موعودہ خلافت نہیں۔ حدیث کی پیشگوئی میں کسور کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی بوجہ مہاجرین صحابہ میں شامل نہ ہونے کے قرآن کی موعودہ خلافت کا مصداق نہیں بن سکتے۔ البتہ حضرت حسن کی صلح کے بعد آپ بالاتفاق برحق خلیفہ ہیں۔ رضی اللہ عنہم اجمعین

بہرحال یہ حدیث تفسیر ہے آیت استخلاف اور آیت تمکین کی۔ چونکہ قرآنی خلافت موعودہ ہی سب کے لئے معیاری خلافت ہے۔

جس کی پیروی دوسروں پر لازم ہے۔ اس لئے حدیث سے مراد بھی وہی خلفائے موعودین (چار یار) ہی ہو سکتے ہیں اس حدیث کے حکم کے تحت بھی حضرت علی المرتضیٰ کے طریقہ خلافت کی پیروی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر لازم تھی لیکن سندیلوی صاحب ان کو حضرت علی المرتضیٰ کے مقابلہ میں لا کر اپنی نادان دوستی کا ثبوت مہیا کر رہے ہیں۔ واللہ الہادی۔

حضرت شاہ اسمٰعیل کا ارشاد

محقق نبیل و مجاہد جلیل عارف باللہ حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ اسی حدیث کے تحت ارشاد فرماتے ہیں۔ اسی بنا پر علماء امت نے اطاعت امام کو غیر منصوصہ مقام میں صحت قیاس پر موقوف نہیں رکھا بلکہ اس کی اطاعت کو باوجود اس کے ضعیف قیاس کے بھی واجب جانا ہے اور اس کے مخالف کو اگرچہ اس کا قیاس امام کے قیاس سے اظہر اور قوی ہو جائز نہیں رکھا اور اس میں راز یہی ہے کہ اس کا حکم بذاتہ اصول دین سے ایک اصل ہے اور ادلہ شرعیہ میں سے ایک دلیل ہے (منصب امامت مترجم اُردو) لیکن سندیلوی صاحب نہ مشاجرات صحابہ کی بحث میں قرآن کی آیت استخلاف و آیت تمکین کو بنیادی حیثیت دیتے ہیں اور نہ ہی وہ اس حدیث کو پیش نظر رکھتے ہیں جس میں خلفائے راشدین کی سنت (طریقے) کی پیروی کو دوسروں پر لازم قرار دیا گیا ہے البتہ وہ قرآن کے خلیفہ موعود حضرت علی کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ خلافت کی بحث میں مساوی حیثیت دے

کر طبع آزمائی کرتے ہیں اور جنگِ صفین میں مساوی درجہ سے بھی اوپر مقام دے کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو بہ نسبت حضرت علی المرتضیٰ اقرب الی الحق کہتے ہیں اور ان کی رائے کو نہ صرف صحیح بلکہ اصح (زیادہ صحیح) قرار دیتے ہیں اور اس طرح وہ خارجیت اور شیعیت دونوں کا دروازہ کھولتے ہیں اور دعویٰ یہ کرتے ہیں کہ حضرت معاویہ نے اسلامی اصول کی ایک آئینی دفعہ کے تحفظ کے لئے یہ اقدام کیا تھا۔ گویا کہ سندیلوی صاحب کے نزدیک اسلامی اصول کی آئینی دفعہ یہ ہے کہ قرآن کے خلیفہ موعود و راشد کی اطاعت کے بجائے ان سے جنگ و قتال کیا جائے۔ سبحان اللہ۔ کیا عجیب فہم ہے۔

اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

ایک شبہ کا ازالہ

قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو تسلیم کرنے اور حدیث نبوی فعلیکم بسنّتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین کا خلفائے ثلثہ کی طرح حضرت علی کو مصداق قرار دینے کے بعد تو یہی لازم آتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے خلافت سے معزولی، دوبارہ انتخاب کا مطالبہ بالکل ناجائز تھا پھر اس پر مستزاد یہ کہ آپ نے صرف یہ نہیں کہ دلیل سے اختلاف کیا بلکہ خلیفہ راشد سے جنگ و قتال بھی کیا۔ تو پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جو شیعہ کھلے مخالف ہیں ان کی مخالفت کو بھی حقیقت پر مبنی قرار دینا چاہیے لیکن بجائے اس کے اہل السنّت والجماعت شیعوں کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا دفاع کرتے ہوئے شیعیت اور مودودیت کی تردید کرتے ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی کسی پہلو سے بھی تنقیص گوارا نہیں کرتے۔

الجواب (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موعود خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دور صحابہ میں یہ نصوص صحابہ کرام کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت و حدیث میں خلفائے اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرام نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف

اختیار کر لیا۔ اور وہ اس میں معذور تھے بحیثیت شرف صحابیت کے ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیص شان، کیونکہ اجتہادی خطا پر بھی ازروئے حدیث بخاری ایک گونہ ثواب ملتا ہے۔ تو کار ثواب پر ملامت کیونکر جائز ہو سکتی ہے؟ لیکن بعد میں جب اس امر کی وضاحت ہو گئی کہ آیت و حدیث کا مصداق حضرات خلفائے ثلثہ کی طرح حضرت علی المرتضیٰ بھی ہیں اس لئے آیت و حدیث کے تقاضا کو سمجھنے کے بعد اگر کوئی عالم و فاضل حضرت علی المرتضیٰ کی پالیسی اور طرز عمل پر تنقید و جرح کرتا ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان پر کسی پہلو سے امر خلافت میں ترجیح دیتا ہے اور ان کو جنگ صفین میں اقرب الی الحق کہتا ہے تو وہ یا تو بہت ہی کم فہم ہے یا حد درجے کا ضدی اور متعصب ہے یا اس کے اندر خارجیت کی ظلمت گھس گئی ہے جس کی وجہ سے اس کی بصیرت زائل ہو گئی ہے ہم کسی ایک شخص یا پارٹی کی غلط تحقیق یا نفسانی خواہش کی خاطر قرآن کی خلافت موعودہ و راشدہ کے تحفظ کا فریضہ چھوڑ نہیں سکتے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

مؤرخ ابن خلدون

مشہور مؤرخ ابن خلدون حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت میں اختلاف ہونے کی بحث میں لکھتے ہیں:۔ مذکورہ بالا اختلاف پہلے دور کے لوگوں میں تھا لیکن دوسرے دور والے بیعت علی رضی اللہ عنہ کی صحت انعقاد پر متفق تھے اور اس پر بھی کہ اب تمام مسلمانوں کو ان کی بیعت کر لینی ضروری ہے اور (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کی رائے درست ہے اور (حضرت) معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نواؤں کی خصوصاً (حضرت) طلحہ رضی اللہ عنہ و (حضرت) زبیر رضی اللہ عنہ کی رائے درست نہیں۔ کیونکہ انہوں نے بیعت کرنے کے بعد (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی اور اس پر بھی کہ دونوں فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گنہگار نہیں جیسا کہ مجتہدوں کا حکم ہے دور اول کے اس ایک قول پر دور ثانی کا

اتفاق مشہور و معروف ہے۔ (مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم ص ۳۴)

حق چار یار

تحریک خدام اہل سنت ''خلافت راشدہ'' اور ''حق چار یار'' کے عنوان و اعلان کو تحریر و تقریر کے ذریعے ایک خاص مشن کے طور پر پھیلا رہی ہے۔ بعض لوگ ''حق چار یار'' کی اصطلاح پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس سے باقی اصحاب رسول اللہ ﷺ کے صحابی یعنی یار ہونے کی نفی لازم آتی ہے حالانکہ تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار مومنین کاملین حضور خاتم النبیین ﷺ کے صحابی، یار اور جانثار و مددگار ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چار یار سے وہی چار خلفائے راشدین مراد ہیں جن کو قرآنی وعدہ کے تحت اللہ تعالیٰ نے خلافت راشدہ عطا فرمائی ہے۔ اس لئے خلافت راشدہ کے اعلان کے جواب میں ''چار یار'' پکارا جاتا ہے اور قرآن کی خلافت راشدہ کا مصداق صرف یہی چار خلفاء ہیں جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''ھدیۃ الشیعہ'' میں چار یار ہی کے عنوان سے ان کو ممتاز کیا ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۴۴۰)

حضرت حسن گو برحق خلیفہ ہیں اور ان کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی خلیفہ برحق ہیں اور ان کو رشد و ہدایت کی وجہ سے تو خلیفہ راشد کہہ سکتے ہیں لیکن قرآن کی مراد کے تحت ان کو خلیفہ راشد نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ خلافت راشدہ مہاجرین اولین کے ساتھ مختص ہے اور حضرت حسن اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں مہاجرین میں سے نہیں ہیں۔

خلفائے راشدین چار ہیں (امام اہل السنّت)

امام اہل السنّت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''خلفائے راشدین'' کے آخر میں خاتمۃ الکتاب کے تحت لکھتے ہیں:۔ ''بعض علمائے کرام نے خلفائے راشدین میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نام اضافہ کیا ہے مگر میں نے باتباع جمہور حضرت علی رضی اللہ عنہ پر خلافت راشدہ کو اس لئے ختم کر دیا کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت صرف چھ ماہ رہی پھر انہوں نے خود

ہی خلافت کی باگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دے دی اور خود بھی ان سے بیعت کرلی۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی رسول ہونے کے سبب سے صاحب فضائل ہیں اور ان کے بعد پھر مسندِ خلافت کو کوئی صحابی نصیب نہیں ہوا۔ مگر بایں ہمہ ان کو خلفائے راشدین میں شمار کرنا خلافِ تحقیق ہے۔ خلافت راشدہ کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے وہ اوصاف سوائے جماعت مہاجرین کے اور کسی میں نہیں پائے جاتے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان میں سے نہیں ہیں (ص ۲۳۹)

چاریار (مفتی اعظم ہند)

اور مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی لکھا ہے کہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تمام مسلمانوں کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام بنائے گئے۔ اس لئے یہ خلیفہ اول ہیں۔ ان کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفہ ہوئے ان کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفہ ہوئے اور ان کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ ہوئے۔ ان چاروں کو خلفائے اربعہ اور خلفائے راشدین اور چاریار کہتے ہیں (تعلیم الاسلام حصہ سوم ص ۱۸)

(۲) امتیازی اور موعودہ خلافت راشدہ کی بنا پر ان خلفائے اربعہ کے لئے ''چاریار'' کی اصطلاح تو قدیمی ہے چنانچہ (ا) سکندر نامہ فارسی (جو دینی درسگاہوں میں فارسی نصاب کی آخری کتاب ہوتی تھی) میں حضرت نظامی گنجوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

به از گوہر جاں نثارش کنم
ثنا خوانی چار یارش کنم

(ب) بدائع منظوم فارسی (درسی کتاب) تصنیف ۱۱۲۳ھ میں ہے:۔

شکر دیگر کہ آمدم بحساب
از محبان آل و ہم اصحاب

بخصوص آں چہار عنصر دین
خلفائے رسول حق بیقین

(ج) ”نام حق“ تصنیف ۶۹۳ھ میں حضرت شرف الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

شکر حق را کہ پیشوا داریم
پیشوائے چوں مصطفےٰ داریم
امت اُو دوست دارے ایم
دوستدار چہار یار وی ایم

(کلیاتِ امدادیہ)

ایک صدی پہلے اکابر دیوبند کے مرشد اعلیٰ امام چشتیہ شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں چار یار کی نشاندہی فرمائی تھی چنانچہ فرماتے ہیں:۔

چار یار اس کے ہیں چاروں خاص حق
ساری امت پر وہ رکھتے ہیں سبق
ہیں ابوبکر و عمر و عثمان علی
دوست پیغمبر کے اور حق کے ولی

شاہی سکوں پر چار یار

سنی سلاطین اسلام کو عقیدہ خلافت راشدہ اور کلمہ اسلام و ایمان لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے تحفظ کا اتنا دینی احساس تھا کہ انہوں نے اپنے شاہی سکوں پر درمیان میں کلمہ طیبہ اور اردگرد ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ چاروں خلفائے راشدین کے نام کندہ کیے تھے، چنانچہ جلال الدین اکبر بادشاہ کا سکہ بھی اسی طرح کا ہے۔ جس پر دوسری طرف اس کا نام اور سن ۹۱۱ھ کندہ ہے۔ آئین اکبری میں اکبر بادشاہ کے سکہ کے متعلق لکھا ہے:

سکے کے دوسری طرف وسط میں کلمہ طیبہ اور اِنَّ اللّٰہ یرزق من یشاء بغیر حساب لکھا ہوا ہے اور چاروں طرف حضرات چار یار رضی اللہ عنہم کے اسمائے گرامی کندہ ہیں (آئین اکبری جلد اوّل ص ۱۰۱) علاوہ ازیں شاہجہان بادشاہ کے سکہ پر بھی کلمہ طیبہ اور چار یار کے نام کندہ ہیں اور صفدر حیات خان صفدر کی مؤلفہ کتاب ''عہد مغلیہ مع دستاویزات'' ص ۲۵۲ پر لکھا ہے:۔

کہ شیر شاہ سوری کے دور میں سکوں پر دو قسم کی زبان کے الفاظ کندہ ہوتے تھے۔ ایک طرف فارسی اور دیوناگری رسم الخط میں بادشاہ کا نام، سَن اور ٹکسال کا نام ہوتا تھا۔ دوسری طرف درمیان میں کلمہ ہوتا تھا۔ سنی العقیدہ ہونے کے باعث کلمہ کے چاروں طرف خلفائے راشدین کے نام کندہ ہوتے تھے۔

(۳) اہل السنت والجماعت کی مساجد میں یہ شعر لکھنے کا رواج چلا آ رہا ہے۔

چراغ و مسجد و محراب و منبر
ابوبکر رضی اللہ عنہ و عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ و حیدر رضی اللہ عنہ

اس میں بھی خلفائے اربعہ کی خلافت راشدہ کی نشاندہی پائی جاتی ہے۔ ورنہ اصحاب و یارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعداد تو تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔

حق سب یار رضی اللہ عنہم

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تمام اصحاب و یارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب برحق ہیں تو حق سب یار کہنا چاہیے۔ حق چار یار کہنے سے یہ غلط فہمی ہوتی ہے کہ باقی اصحاب برحق نہیں ہیں۔

الجواب (۱) بیشک تمام اصحاب و یارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں۔ لیکن ہم حق چار یار تو خلافت راشدہ کے جواب میں کہتے ہیں اور ہر صحابی کو خلافت نہیں ملی۔ اور گو حضرت حسن رضی اللہ عنہ بھی برحق خلیفہ ہیں اور ان کی صلح کے بعد بالاتفاق حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی برحق خلیفہ ہیں۔ مگر یہ دونوں حضرات مہاجرین صحابہ میں سے نہیں ہیں اور قرآن حکیم کی آیت تمکین اور آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے مہاجرین صحابہ میں سے خلافت عطا کرنے کا

وعدہ فرمایا ہے۔ اور مہاجرین صحابہ ہمیں سے صرف چار حضرات ہی کو خلافت ملی ہے۔ یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم۔ چونکہ ان خلفائے اربعہ کی خلافت نص قرانی کے اقتضاء سے ثابت ہے۔ اس لئے دراصل معیاری خلافت راشدہ موعودہ صرف انہی خلفائے اربعہ کی ہے۔ مابعد کے خلفاء کے لئے بھی ان کی خلافت اپنے اپنے درجہ میں ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ انہی چار حضرات کی خلافت راشدہ کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ''اصلی است از اصول دین'' (یعنی اصول دین میں سے ایک اصل ہے) قرار دیتے ہیں۔ اس لئے قرآن میں موعودہ خلافت راشدہ کے جواب میں نہ حق سب یار کہنا مناسب ہے نہ حق چھ یار۔ بلکہ اس کا صحیح عنوان حق چار یار ہی ہے۔ اور اسی بنا پر صدیوں سے یہ چار یار کی اصطلاح چلی آرہی ہے۔

(۲) چونکہ حق چار یار کہنے میں رافضیت اور خارجیت دونوں کا ابطال ہوتا ہے۔ اس لئے رافضیت کی طرح خوارج بھی اس کے خلاف ہیں اور زیادہ تر یزیدی گروہ ہی حق چار یار کا مخالف ہے۔ لیکن صحیح العقیدہ سنی مسلمان حق چار یار کا مخالف نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس اعلان حق سے تو اس کا ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔

(۳) امام اہلسنت حضرت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی نے تو ایک رسالہ بنام ''حق چار یار'' کی کھلی حمایت فرمائی ہے۔ چنانچہ ایک مشہور سنی واعظ مولانا محمد اکرم شاہ صاحب المعروف قطبی شاہ صاحب نے اپنے تبلیغی دورے اور بعض شیعہ علماء سے مناظرہ کی روداد اپنے ایک رسالہ بنام ''حق چار یار'' میں لکھ کر ماہنامہ النجم لکھنؤ میں اشاعت کے لئے بھیجی تھی تو اس پر امام اہل السنّت مولانا لکھنوی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے یہ لکھا تھا کہ:۔ ناچیز مدیر النجم نے اپنے اخیری سفر پنجاب میں مولوی صاحب موصوف سے درخواست کی تھی کہ اپنے تبلیغی دوروں کے حالات النجم کے لئے بھیج دیا کریں۔ الحمدللہ موصوف نے درخواست کو قبول فرمایا (النجم لکھنؤ ۷ ربیع الثانی ۱۳۴۷)

(۴) بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر حق چار یار کہنا صحیح ہے تو پھر شیعوں کی

اصطلاح پنجتن پاک کو کیوں ناجائز کہا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں لفظ پاک سے شیعوں کی مراد معصوم ہونا ہے۔ کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے علاوہ علی المرتضی، حضرت فاطمۃ الزہرا، حضرت حسن اور حضرت حسین کو بھی معصوم کہتے ہیں۔ لیکن اہل السنت کے نزدیک سوائے انبیائے کرام کے کوئی معصوم نہیں ہے۔ لہذا سُنی مسلمان پنجتن پاک کی اصطلاح قبول نہیں کرسکتا۔ یہاں یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ غیر نبی کو معصوم تو نہیں کہہ سکتے لیکن غیر نبی محفوظ ہوسکتا ہے۔ اور معصوم اور محفوظ میں فرق یہ ہے کہ معصوم وہ ہے جس سے گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا اور محفوظ وہ ہے جس سے گناہ سرزد ہوسکتا ہے۔ مگر اللہ کا فضل خصوصی شامل ہو جائے تو کوئی بندہ ساری عمر گناہوں سے محفوظ رہے محفوظ گناہ تو کرسکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس کو محفوظ رکھتا ہے۔ بہرحال حق چار یار کی اصطلاح پر علمی طور پر تو کسی اعتراض کی گنجائش نہیں ہے۔ یا تو وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں جو علم وفہم نہیں رکھتے اور زیادہ وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں جو ضدی اور عنادی ہیں۔ خارجیت کی بیماری میں گرفتار ہیں۔ یا بعض پارٹی کی وجہ سے اس کی مخالفت کرتے ہیں۔

(۳) لیکن آج کے پُرفتن دور میں جہاں خلافت راشدہ کا انکار کیا جارہا ہے۔ وہاں کلمۂ اسلام میں بھی روافض نے اضافہ کر کے اصلی کلمہ اسلام کو ناقص کلمہ قرار دے دیا ہے۔ اب شیعہ فرقہ کے لوگ یہ کلمہ پڑھتے ہیں: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ علیؑ ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلافصل اور کلمہ کے اس تیسری جز کا اعلان وہ اپنی اذانوں میں بھی کرتے ہیں۔ حالانکہ شیعہ کتب حدیث میں بھی نہ یہ کلمہ اسلام وایمان سے ثابت ہے اور نہ اذان چونکہ رافضی تین خلفائے راشدین کا انکار کرتے ہیں اور خارجی چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی المرتضی کا اور سُنی چاروں کو نص قرآنی کے تقاضا کے تحت خلفائے راشدین مانتے ہیں اور یہی برحق عقیدہ ہے۔ اس لئے خلافت راشدہ اور حق چار یار کے اعلانِ حق کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خدام اہل سنت کو پرچم حق چار یار بلند کرنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ خدام نشانِ توحید۔ یا اللہ مدد۔ اصلی کلمہ اسلام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور خلافت راشدہ حق چار یار کے اعلان کو بطور مستقل تحریک پھیلا رہے ہیں۔ چنانچہ بسوں، ویگنوں،

سوزوکیوں، سکوٹروں اور سائیکلوں پر بھی حق چار یار وغیرہ کی پلیٹیں دور دور تک اپنا جلوۂ حق دکھا رہی ہیں۔ چار یار کو برحق خلفائے راشدین ماننے والوں کا ایمان جذبہ حق چار یار کے اعلان سے اور زیادہ بڑھ جاتا ہے۔ اس کے قلب وروح میں ایمانی تازگی پیدا ہو جاتی ہے البتہ رافضی اور خارجی ذہنیت رکھنے والے حق چار یار سے گھبراتے ہیں اور وہ لوگ بھی حق چار یار کو پسند نہیں کرتے جو اِن حضرات کو خلفائے راشدین ماننے کے باوجود معیارِ حق نہیں مانتے بلکہ ان پر تنقید وجرح کرنے کو اپنا حق سمجھتے ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو مودودی صاحب کی کتاب "خلافت وملوکیت"۔

احرار رضا کار اور چار یار

لکھنؤ میں تحریک مدحِ صحابہ کے سلسلہ میں مشہور شاعر احرار مرزا غلام نبی جانباز لکھتے ہیں:۔ یوپی مجلس احرار نے مرکز کے مشورے پر تحریک سول نافرمانی شروع کر دی اور ۱۰ جولائی ۱۹۳۶ء کو ذمہ دار احرار کارکن مدحِ صحابہ پڑھ کر گرفتار ہونا شروع ہو گئے۔ احرار رضا کار حسبِ ذیل شعر پڑھتے اور انہیں گرفتار کر لیا جاتا۔

جن کا ڈنکا بج رہا ہے چار سو لیل ونہار
وہ ابوبکر و عمر و عثمان و حیدر چار یار

(کاروانِ احرار، ج ۲، ص ۲۱۳، مرتبہ از جانباز مرزا)

اور پاکستان کے پہلے وزیر اعظم لیاقت علی خان مرحوم نے بھی مدحِ صحابہ کے حق میں یوپی اسمبلی میں بیان دیتے ہوئے اسی شعر کا حوالہ دیا تھا (ملاحظہ ہو تحریک مدحِ صحابہ از مظہر علی اظہر) یہ ہے تاریخی اہمیت چار یار کی معلوم نہیں، اعلان حق چار یار سے مولانا سندیلوی کیا اثر لیتے ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق وصواب پر ہونے پر دلائل کا خلاصہ

مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی بحث میں بندہ نے ضروری تفصیل کے ساتھ مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کے استدلالات واعتراضات کا تجزیہ کر کے اہل حق کے خلاف ان کے مسلک

توقف کا جمہور اہل سنت کے خلاف ہونا ثابت کر دیا ہے آخر میں جمہور اہل السنت والجماعت کے مقبول مسلک کی تائید میں مذکورہ دلائل کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ اہل فہم وانصاف حضرات اس کے مطالعہ سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ وما توفیقی الا باللہ باللہ علیہ توکلت والیہ أنیب

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فضائل مخصوصہ

(۱) بچپن سے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ پرورش پانے کی نعمت نصیب ہوئی (۲) دعوئ نبوت کے بعد بچوں میں سب سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے ہیں (۳) اسلام کے بعد بھی مکی زندگی میں رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تربیت رہے ہیں (۴) حضرت علی مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ ہجرت کے موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اپنے بستر پر سلایا اور کفار نے جو امانتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رکھی ہوئی تھیں ان کا واپس کرنا حضرت علی صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد فرمایا (اور خود رفیق یار جاں نثار، یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بحکم خداوندی مدینہ منورہ تک کے لئے منتخب فرمایا اور یارِ غار کی یہ رفاقت محض ہجرت کی رفاقت نہ رہی بلکہ آپ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے یارِ مزار بھی بنے اور یہ رفاقت قیامت تک کے لئے نصیب ہوگئی۔

(۵) حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ اصحاب بدر میں سے ہیں جن کو دوسرے اصحاب پر فضیلت حاصل ہے (۶) حضرت علی المرتضی سوائے تبوک کے، بدر، احد، خندق، حدیبیہ، خیبر، فتح مکہ وغیرہ تمام مشاہد میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں اور سفر تبوک کے موقع پر بھی خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو مدینہ منورہ میں بطور نائب قیام کرنے کا حکم دیا تھا لیکن اس عارضی نیابت سے خلافت ثابت نہیں ہوتی جس کو خلیفہ بلا فصل دلیل بنایا جا سکے (۷) حضرت علی المرتضی اصحاب بیعت رضوان میں سے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح کی آیت لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبایعونك تحت الشجرہ الآیۃ میں اپنے راضی ہونے کا قطعی اعلان فرما دیا ہے۔ (۸) غزوۂ خیبر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

آپ کو خصوصیت سے علم عطا فرما کر آپ کے متعلق اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے محب و محبوب ہونے کا اعلان فرمایا اور حضور کی دعا سے آپ کو عظیم فتح نصیب ہوئی (۹) حضرت علی المرتضٰی مجاہدین فتح مکہ میں سے ہیں۔ اس موقع پر رسول پاک ﷺ نے آپ کو خصوصی طور پر بتوں کو توڑنے کا حکم دیا (۱۰) حضرت علی المرتضٰی ان اصحاب عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جن کو خصوصی طور پر یہ نشان اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی بشارت ملی ہے۔

عشرہ مبشرہ کے اسماء مبارکہ یہ ہیں:۔

(۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) حضرت عمر فاروق (۳) حضرت عثمان ذوالنورین (۴) حضرت علی المرتضٰی (۵) حضرت طلحہ (۶) حضرت زبیر (۷) حضرت سعد بن ابی وقاص (فاتح ایران) (۸) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۹) امین امت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح (۱۰) اور حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہم اجمعین۔

(۱۰) حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے بعد خلیفہ کے انتخاب کے لئے عشرہ مبشرہ میں سے چھ اصحاب کی شوریٰ قائم فرمائی ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ چنانچہ ارکان شوریٰ حسب ذیل ہیں:۔

(۱) حضرت عثمان ذوالنورین (۲) حضرت علی المرتضٰی (۳) حضرت طلحہ (۴) حضرت زبیر (۵) حضرت عبدالرحمٰن بن عوف (۶) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم۔ ان میں سے سوائے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے باقی حضرات دستبردار ہو گئے اور انتخاب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سپرد ہوا آپ نے غور و فکر اور چھان بین کے بعد خلافت کے لئے حضرت عثمان ذوالنورین کو منتخب فرمایا اور حضرت علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ نے اسی وقت برضا و رغبت حضرت ذوالنورین کی بیعت کر لی۔

(۱۱) ابن سبا منافق (یہودی) کی سازش کے تحت بلوائیوں نے خلیفہ راشد حضرت عثمان ذوالنورین کو شہید کر دیا۔ ان نازک حالات میں باصرار حضرت علی المرتضٰی نے خلافت قبول فرمائی۔ لیکن حضرت عثمان کے قاتلین کے قصاص کے مطالبہ کی بنا پر صحابہ کرام میں اختلاف پیدا ہو گیا۔ جس کے نتیجہ میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے معرکے

پیش آئے۔ ان دونوں جنگوں میں سبائیوں، بلوائیوں کی سازشیں کام کر رہی تھیں۔ جنگ جمل کے بعد تو حضرت علی المرتضٰی اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ میں مصالحت ہوگئی اور بکثرت مہاجرین وانصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کرلی۔

چنانچہ سندیلوی صاحب خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار اور اکابر صحابہ نے ان کی خلافت تسلیم کرلی تو ان کے نزدیک (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک) ان کی خلافت مستقل ہوگئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی اپنی جگہ صحیح تھا اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں (اظہار حقیقت جلد۲ ص۳۱۲)

علاوہ ازیں آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تسلیم کرنے کے بعد ماننا پڑتا ہے کہ حضرت علی المرتضٰی کی خلافت شروع سے ہی من جانب اللہ مستقل تھی اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپکا دورِ خلافت عبوری نہ تھا۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت تسلیم نہ کی۔ بلکہ شرائط پیش کرتے رہے۔

چنانچہ خود سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔

ابن عساکر کی منقولہ بالا روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ شام کی پبلک کی یہ وفاداری اور جان نثاری دیکھ کر حضرت جریر رضی اللہ عنہ بہت متاثر ہوئے اس کے بعد حضرت معاویہ نے کہا کہ اگر حضرت علی مجھے شام اور مصر دونوں کا گورنر بنانا منظور کرلیں اور یہ بھی منظور کرلیں کہ ان کے بعد کسی کی بیعت میرے اوپر واجب نہ ہوگی تو میں ان کی بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ خلافت کی کوئی خواہش نہ رکھتے تھے بلکہ سبائی فتنہ سے اسلام کو بچانے کے لئے شام کی گورنری پر قائم رہنا چاہتے تھے۔ مصر کا اضافہ انہوں نے کیوں کیا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص۳۱۹)

(تبصرہ) سندیلوی صاحب حضرت معاویہ کی حمایت میں اتنے غالی ہو چکے ہیں کہ ان کی سوچ پر پردہ پڑ جاتا ہے۔ فرمائیے! اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ مطالبہ کیا ہے تو ہم تو بحیثیت صحابی ہونے کے ان کے حسن ظن قائم رکھیں گے۔ لیکن عام لوگ اس مطالبہ سے

کیا نتیجہ نہ نکالیں گے کہ حضرت معاویہ اقتدار پرست تھے (ب) وہ خواہ مخواہ خلیفہ راشد کو تنگ کرنا چاہتے تھے (ج) اگر خلیفہ کی اطاعت کے لئے ماتحت اولی الامر (گورنر) اس قسم کی شرطیں لگانا شروع کر دیں تو خلیفہ وقت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ کیا اس سے دوسرے حکام کے لئے نافرمانی کا دروازہ نہیں کھلتا۔ سندیلوی صاحب بیچارے اس بحث میں ناجائز طرفداری کرنے کی وجہ سے اتنے مخبوط الحواس ہو چکے ہیں کہ وہ ایسی باتیں لکھتے ہیں جس سے الٹی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی پوزیشن مجروح ہوتی ہے۔

یہ ہیں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے نادان دوست۔ علاوہ ازیں کیا سندیلوی صاحب اتنی بات سمجھنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے کہ جب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے شروع ہی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو صوبہ شام کی گورنری سے معزول کر دیا تھا تو کیا وہ اب سیاسی رشوت دے کر حضرت معاویہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے۔ کیا یہ وہی حضرت علی المرتضیٰ نہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے بیعت رضوان کے سلسلہ میں اپنے راضی ہونے کا اعلان کی ہوا تھا۔ یہ بھی رضی اللہ عنہم ورضوعنہ کا مصداق بوجہ مسابقت اور مہاجرین اولین میں ہونے کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ تو وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ کے طبقہ میں تھے۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے راضی ہونے کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ وہ مہاجرین وانصار کی حسن اسلوب سے پیروی کریں۔

سندیلوی صاحب! اگر آپ کے نزدیک نص قرآنی کی اتباع کوئی حیثیت ہے تو بکثرت مہاجرین وانصار کی بیعت کرنے کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر یہ لازم نہ تھا کہ وہ بھی اختلاف ترک کر کے خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰ کی غیر مشروط اطاعت قبول کر لیتے۔ لیکن سندیلوی صاحب تو اسلام کی اس بنیادی اور اصولی دفع کی طرف آتے ہی نہیں اور ادھر اُدھر گھوم گھام کر وقت گذارتے ہیں۔ پس چہ باید کرد۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کیوں معزول نہ کیا

مودودی صاحب کے جواب میں سندیلوی صاحب ایک حدیث سے استدلال

کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

حضرت عثمان نے اس حدیث سے سمجھ لیا ہوگا کہ خود نبی کریم ﷺ کا منشا مبارک یہ تھا کہ حضرت معاویہ کو امیر شام مقرر فرمایا جائے۔ اس لئے آپ نے کبھی انہیں اس منصب سے معزول کرنے یا ان کا تبادلہ کرنے کا ارادہ نہیں فرمایا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص کو خود آقائے دو عالم ﷺ نے امیر بنانا پسند نہیں فرمایا۔ حضرت عثمان کی کیا مجال تھی کہ انہیں اس سے معزول کرنے کا خیال بھی دل میں لاتے۔ (اظہار حقیقت جلد اول ص ۲۲۲)

حضرت علی المرتضیٰ کی معزولی کا مطالبہ کیونکر جائز تھا؟

اسی استدلال کی بنا پر اہل سنت کا مؤقف یہ ہے کہ اگر رسول اکرم ﷺ کو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا امیر شام بننا پسند تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کو معزول کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے تو جب آیت استخلاف و آیت تمکین کا خود سندیلوی صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصداق قرار دیتے ہیں اور جس کا مطلب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت کے لئے یہ بیان کرتے ہیں کہ گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کیا تھا تو اس طرح ماننا پڑے گا کہ خلفائے ثلٰثہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ کا خلیفہ بننا خود اللہ تعالیٰ کو پسند تھا اور گویا کہ اس نے خود ہی اپنے آپ کو خلیفہ مقرر کیا تھا۔ اب سندیلوی صاحب رب العلمین کو حاضر و ناظر جان کر جواب دیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ، موعودہ اور مقرر کردہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ کو خلافت سے معزول ہونے کا مطالبہ کرنے کا کسی کو حق پہنچ سکتا ہے۔ اور کیا سندیلوی صاحب اس کا تصور کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ گو اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ معذور تھے مختلف حالات کے پیش نظر انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا (اور آخر میں اس مطالبے سے بھی دستبردار ہو گئے تھے) کیا از روئے نص قرآنی یہ مطالبہ درحقیقت بالکل ناجائز تھا۔ مگر دور صحابہ گزرنے کے بعد اب بھی جو سندیلوی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے اس مطالبہ کو صحیح قرار دے رہے ہیں وہ نص قرآنی کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ اس سے بڑھ کر بھی کوئی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا نادان

دوست ہو سکتا ہے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگر صحابی نہ ہوتے اور پھر مجتہد ہونے کی وجہ سے ان کا اختلاف بلکہ جنگ وقتال اجتہاد پر مبنی نہ ہوتا تو پھر ان کا حکم اور تھا۔ لیکن اس کو ان کی اجتہادی خطا بھی نہ قرار دیا جائے تو نص قرآنی کے تقاضا کی اتباع اور نافرمانی میں کیا فرق باقی رہ جاتا ہے؟ کچھ تو عقل وانصاف سے کام لینا چاہیے۔

صحابہ کرام کے مختلف مواقف

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور ان کی تائید ونصرت کرنے نہ کرنے میں صحابہ کرام نے اختلاف کیا ہے جس کے متعلق علامہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتیں سندیلوی صاحب نے پیش کی ہیں جن پر گزشتہ اوراق میں بحث ہو چکی ہے۔ مزید اطمینان کے لئے اکابر اسلام کے حسب ذیل ارشادات ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

ارشاد فرماتے ہیں:۔ نیز اکابر اہل سنت شکر اللہ تعالیٰ سعیھم اصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات در وقت منازعات ومحاربات یک دگر سہ گروہ بودند جمع بدلیل و اجتہاد حقیت جانب امیر را معلوم نمودہ بودند وجمعے دیگر بدلیل واجتہاد حقیت جانب دیگر را یافتہ وطائفہ دیگر متوقف بودند۔ وہیچ جانب را بدلیل ترجیح ندادہ پس بر طائفہ اولیٰ نصرت جانب امیر واجب آمد کہ موافق اجتہاد ایشان است و بر طائفہ دوم نصرت بجانب مخالف امیر لازم آید کہ مؤدی اجتہاد است و بر طائفہ سوم توقف لازم آمد وترجیح یکے بر دیگرے خطا۔ پس ہر سہ فرقہ بمقتضائے اجتہاد خود عمل نمودند وآنچہ برایشاں لازم و واجب بود بجا آوردند۔ پس ملامت چہ گنجائش دارد وطعن چہ مناسب بود۔

(مکتوبات امام ربانی جلد ثانی طبع قدیم ص ۵۳۔ مکتوب نمبر ۳۶)

اکابر اہل سنت کے نزدیک (اللہ تعالیٰ ان کی کوششیں قبول فرمائیں) باہمی جھگڑوں اور لڑائیوں میں صحابہ کرام کے تین گروہ ہوئے ہیں۔ ایک گروہ نے اپنی دلیل واجتہاد کی بنا

پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا حق پر ہونا معلوم کر لیا۔ دوسرے گروہ نے اپنی دلیل و اجتہاد کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھنے والوں کا حق پر ہونا معلوم کیا۔ اور تیسرے گروہ نے اس میں توقف اختیار کیا اور دلیل کی بنا پر کسی ایک جانب کو ترجیح نہ دے سکے۔ پس پہلے گروہ کے لئے اپنے اجتہاد کی بنا پر حضرت امیر رضی اللہ عنہ (علی) کی نصرت واجب ہوگئی۔ اور دوسرے گروہ پر حضرت امیر کے مخالف جانب نصرت واجب ہوئی کیونکہ ان کے اجتہاد کا یہی تقاضا تھا اور تیسرے گروہ پر توقف لازم ہوا کیونکہ وہ اپنے اجتہاد و دلیل کی بنا پر کسی کو ترجیح نہ دے سکے (اس لئے وہ کسی کی نصرت نہیں کر سکتے تھے)۔ پس صحابہ کرام کے ہر سہ گروہ نے اپنے اجتہاد کی بنا پر عمل کیا۔ اس لئے کسی کو ملامت کرنے کی گنجائش نہیں اور نہ کسی پر طعن کرنا مناسب ہے۔

(ب) اس کے بعد حضرت مجدد فرماتے ہیں:۔

لیکن جمہور اہل سنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد برانند کہ حقیت در جانب امیر بودہ و مخالف او راہ خطا را پیمودہ لیکن ایں خطا چوں خطائے اجتہادی است از ملامت و طعن دور است (ایضاً ص ۵۴) لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو اُن پر ظاہر ہوئی ہے یہ مسلک رکھتے ہیں کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جانب تھا اور آپ کے مخالف راہ خطا پر چلے ہیں۔ لیکن ان کا اختلاف چونکہ اجتہاد پر مبنی ہے اس لئے اس خطا کی وجہ سے ان پر طعن و ملامت نہیں کی جا سکتی۔

امام نووی رحمہ اللہ کا ارشاد

فضائل صحابہ و مشاجرات صحابہ کی بحث میں امام نووی فرماتے ہیں:۔

واما علی رضی اللّٰہ عنہ فخلافتہ صحیحۃ بالاجماع و کان ھو الخلیفۃ فی دقتہ لاخلافۃ لغیرہ واما معاویۃ رضی اللّٰہ عنہ فھو من العدول الفضلاء والصحابۃ النُجبآء . واما

الحروب التی جرت فکانت لکل طائفة شبهة لا اعتقدت تصویب انفسها بسببها وکلهم عدول ومتاولون فی حروبهم و غیرها ولم یخرج شیء من ذلك اَحَدًا منهم من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد کما یختلف المجتهدون بعدهم فی مسائل مِن الدِّمآء وغیرها ولا یلزم من ذلك نقص اَحدٍ منهم واعلم ان سبب تلك الحروب ان القضا یا کانت مشتبهه فلشدة اشتبا هما اختلف اجتهادهم وصارو ثلاثة اقسام قسم ظهر لهم بالاجتهاد ان الحق فی هذا الطرف وان مخالفه با غٍ فوجب علیهم نصرته وقتال الباغی علیه فیما اعتقدوه ففعلوا ذلك ولم یکن یحل لمن هذه صفة التاخر عنه مساعدة امام العدل فی قتال البغاة فی اعتقاده وقسم عکس هولاء ظهر لهم بالاجتهاد ان الحق فی الطرف الاخر فوجب علیهم مساعدته وقتال الباغی علیه وقسم ثالث اشتبهت علیهم القضیة وتحیّروا فیها ولم یظهرلم ترجیح احد الطرفین فاعتزل الفریقین وکان هذا الاعتزال هو الواجب قح حقهم لانه لا یحل الاقدام علی قتال مسلم حتی یظهر لم ترجیح احد الطرفین فاعتزل الفریقین وکان هذا الاعتزال هو الواجب فی حقهم لانه لا یحل الاقدام علی قتال مسلم حتی یظهر انه مستحق لِذلك و لو ظهر لهولآء رجحان احد الطرفین و انه الحق لما جازلهم التاخر عن نصرته فی قتال البغاة علیه فکلهم معذورون رضی اللّٰہ عنهم ولهذا اتفق اهل الحق ومن یعتدبه فی الاجماع. علی قبول

شهادتهم ورواياتهم وكمال عدالتهم رضي الله عنهم اجمعين.

(نووی شرح مسلم جلد ثانی ص ۲۷۲ کتاب فضائل الصحابہؓ)

اور بالاجماع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے اور اپنے وقت میں وہی خلیفہ تھے۔ اور آپ کے سوا اور کسی کی خلافت نہ تھی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ عادل، فاضل اور شریف صحابہ میں سے ہیں۔ مگر جو جنگیں آپس میں لڑی گئی ہیں تو ان میں ہر ایک گروہ کو ایک شبہ لاحق تھا جس کی وجہ سے وہ اپنے آپ کو صواب پر ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اور سب صحابہ عادل ہیں اور جنگوں وغیرہ اختلافات میں تاویل کرنے والے ہیں اور ان میں سے کوئی چیز بھی ان میں سے کسی کو (صفت) عدالت سے خارج نہیں کرتی کیونکہ وہ مجتہد ہیں۔ انہوں نے ان مسائل میں جو اجتہاد سے تعلق رکھتے ہیں اسی طرح اختلاف کیا ہے جس طرح ان کے بعد کے مجتہدین نے قصاص وخون وغیرہ کے مسائل میں اختلاف کیا ہے۔ اور اس اجتہادی اختلاف کی وجہ سے ان میں سے کسی کے لئے نقص لازم نہیں آتا۔ اور جاننا چاہیے کہ ان جنگوں کا سبب یہ ہوا کہ سخت اشتباہ کی وجہ سے حالات و معاملات مشتبہ ہو گئے جس کی وجہ سے ان کے اجتہاد میں اختلافات پیدا ہو گیا اور وہ تین گروہ بن گئے۔ ایک فریق وہ تھا جن پر اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ ظاہر ہوا کہ حق اس طرف ہے اور اپنے اعتقاد میں انہوں نے جس کو باغی قرار دیا تھا اس سے قتال کرنا واجب تھا۔ پس انہوں نے ایسا کیا۔ اور جس کی یہ حالت ہو اس کے لئے باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے میں امام عادل کی مدد سے پیچھے ہٹنا حلال نہیں ہے۔ اور ایک گروہ ان کے برعکس تھا۔ ان پر اپنے اجتہاد کی وجہ سے یہ ظاہر ہوا کہ حق دوسری طرف ہے اس لئے اس کی مدد کرنا اور اس کے خلاف جو باغی ہے اس کے خلاف لڑنا واجب ہے۔ اور تیسری قسم ان صحابہ کی تھی کہ ان پر قضیہ (معاملہ) مشتبہ ہو گیا۔ اور اس میں وہ حیران رہ گئے اور دونوں میں سے کسی طرف ترجیح دینا ان پر نہ کھل سکا۔ اس لئے انہوں نے فریقین سے علیحدگی اختیار کی اور ان کی یہ علیحدگی (کنارہ

کشی) ان کے حق میں واجب تھی۔ کیونکہ جب تک یہ ظاہر نہ ہو جائے کہ وہ جنگ کرنے کا مستحق ہے۔ کسی مسلمان کے خلاف لڑنے کا اقدام کرنا حلال نہیں ہے۔ اور اگر ان حضرات کے لئے کسی ایک طرف ترجیح دینا) اور اس کا حق پر ہونا واضح ہو جاتا تو ان کے لئے ان کی نصرت سے ہاتھ کھینچ لینا اور اس کے بالمقابل باغیوں سے جنگ نہ کرنا جائز نہ ہوتا۔ پس تمام صحابہ اس بارے میں معذور ہیں۔ اس لئے تمام اہل حق کا اور ان کا جن ک اجماع میں اعتبار کیا جاتا ہے اس امر پر اتفاق ہے کہ ان کی شہادتیں اور روایتیں قابل قبول ہیں اور ان کی عدالت کامل ہے''۔

مندرجہ بالا عبارت سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام کے تینوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا ہے۔ اس لئے کوئی بھی ان میں سے قابل ملامت نہیں۔ سب عادل ہیں۔ البتہ اس وقت امامِ عادل حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے اور کوئی خلیفہ نہ تھا۔

اگر امام نووی رحمہ اللہ کی صرف یہی عبارت ہوتی تو سندیلوی صاحب حسب عادت اس سے توقف کا مسلک نکال لیتے۔ لیکن امام نووی نے اس کے باوجود جمہور اہل سنّت کے مسلک کی بھی وضاحت کردی کہ:۔

وكان عليٌّ رضى الله عنه هو الحق المصيب فى تلك الحروب هذا مذهب اهل السنة .

(ايضاً جلد ثانى كتاب الفتن ص ٣٩٠)

''اور ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق و صواب پر تھے، یہی اہل سنّت کا مذہب ہے''۔

۱۲۔ حسب حدیث نبوی:۔

فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين .

(مشكوٰة شريف)

خلفائے اربعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ، حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس حدیث کا اصل مصداق ہیں۔ جیسا کہ شارحین حدیث علامہ ملا علی قاری محدث حنفی اور شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی نے اس کی وضاحت کر دی ہے۔

شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

اس حدیث کے تحت حضرت شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

جس وقت مواضع اختلاف اور مسائل اجتہاد میں امام کا حکم دو جانب میں سے ایک جانب متوجہ ہو تو ہر مجتہد، مخلص، عالم، عامی، عارف اور غیر عارف پر واجب العمل ہوگا۔ کسی کو اس کے ساتھ اپنے اجتہاد یا مجتہدین سابقین کے اجتہاد یا اپنے الہام یا شیوخ متقدمین کے الہام سے تعرض نہیں ہو سکتا۔ جو کوئی حکم امام کے مخالف کرے اور مذکور الصدر امور کے خلاف تمسک کرے تو بے شک عند اللہ عاصی ہوگا اور اس کا اختلاف عند رب العالمین، انبیائے مرسلین اور مجتہدین اور علماء کے حضور میں قابلِ قبول نہ ہوگا اور یہ مسئلہ اجماعی ہے کہ دین اسلام میں سے کسی کو اس کے ساتھ اختلاف نہیں ہے۔ ایک امر یہ ہے کہ قوانین ریاست اور آئین سیاست جو خلیفہ راشد سے ظاہر ہوئے ہیں۔ سنت نبویہ کا حکم رکھتے ہیں۔ پس خلفائے عظام کا طریقہ بمنزلہ سنن انبیاء کرام کے ہے اور مناظرات میں استدلال اور معاملات و عادات میں ان سے تمسک کافی وشافی ہے۔ پس اس کے آئین استنباط قبیل سنت سے ہیں نہ کہ جنس بدعت سے (منصب امامت ص ۸۹)

حضرت شاہ شہید قدس سرہ کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت علی المرتضیٰ چونکہ موعود خلیفہ راشد تھے اس لئے اس کے اجتہاد کی پیروی لازم تھی اور ان کا اجتہاد ہی بوجہ سنت نبویہ کا حکم رکھنے کے صحیح تھا۔ اس کے خلاف کو صحیح نہیں قرار دے سکتے۔ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطا چونکہ اجتہاد پر مبنی ہے اس لئے آپ پر طعن کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا طریقہ عمل خوارج اور باغیوں کے احکام کا مأخذ ہے (امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

علامہ ملا علی قاری محدث حنفی فرماتے ہیں:۔

وقال ابو حنیفہ لولا علی رضی اللہ عنہ لما یعرف السیرۃ فی الخوارج (شرح فقہ اکبر)

''امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو خوارج کے بارے میں کوئی طریقہ نہ معلوم سکتا''۔

علاوہ ازیں امام غزالی فرماتے ہیں:۔اور سب سے اول بدعتیوں سے حضرت علی نے مجادلہ کا ڈھنگ نکالا۔ کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خارجیوں سے بحث کرنے کو بھیجا اور انہوں نے ان سے یہ تقریر کی کہ تم اپنے امام کی عقوبت کے خواہاں کیوں ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس وجہ سے کہ اس نے قتال کیا اور قیدی اور غنیمت ہم کو نہ دی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ امر کفار کی لڑائی میں ہوتا ہے۔ بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر حضرت عائشہؓ جمل کی لڑائی میں قید ہو جاتیں اور وہ تم میں سے کسی کے حصہ میں پڑ جاتیں تو کیا تم ان سے وہی معاملہ برتتے جو اپنی لونڈیوں سے کرتے ہو حالانکہ نص قرآنی کی رو سے تمہاری ماں ہیں خارجیوں نے جواب میں عرض کیا کہ یہ کبھی نہ ہوتا۔ غرض کہ اس مجادلے سے دو ہزار آدمی آپ کی اطاعت میں آ گئے۔ (مذاق العارفین ترجمہ احیاء العلوم جلد اول ص ۱۳۲)

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام غزالی کے نزدیک بھی اس وقت واجب الاطاعت امام حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تھے اور علامہ ابن حزم نے بھی تصریح کر دی ہے کہ:۔ **وھو الامام الواجب طاعتہ الفصل ص ۶۰**) اور آپ ہی اس وقت امام تھے جن کی اطاعت واجب تھی۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک خوارج کے بارے میں آپ نے جو طریقہ اختیار فرمایا وہ بعد والوں کے لئے ایک واجب العمل نمونہ بن گیا۔ اور امام غزالی کی تصریح کے طریق عمل سے مطابق خوارج کے علاوہ باغیوں کے احکام بھی حضرت علی

المرتضیٰ کے ثابت ہوتے ہیں اور خلفائے اسلام نے بھی بُغاۃ کے احکام حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارشاد عمل سے اخذ کیے ہیں۔

اور علامہ قاضی ابوبکر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے تو تمام روئے زمین پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ مستحق خلافت اور کوئی نہ رہا تو خدا کی تقدیر کے مطابق خلافت اپنے وقت اور موقع میں ان کے سپرد ہوئی اور خداوند تعالیٰ کو جو کچھ منظور تھا ان کی زبانی احکام اور علوم بیان فرمائے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو عمر رضی اللہ عنہ ہلاک ہو جاتا اور اہل قبلہ کی جنگ اور ان کی سمجھ اور ان کے علم کا اظہار ہوا کہ آپ نے ان کو دعوت دی ان سے بحث کی اور جب تک جنگ شروع نہ ہوگئی آپ ان کی طرف نہ بڑھے۔ نہ جنگ میں ابتدا کی اور آواز دی کہ ہم جنگ میں پہل نہیں کریں گے اور حکم دیا کہ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کیا جائے۔ زخمی کو قتل نہ کیا جائے۔ کسی عورت پر حملہ نہ کیا جائے۔ ان کا مال غنیمت نہ لوٹا جائے اور حکم دیا کہ مخالفین کی شہادت قبول ہے ان کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہاں تک کہ اہلِ علم نے کہا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی یہ جنگ نہ ہوتی تو ہمیں باغیوں سے جنگ کرنے کا طریقہ ہی معلوم نہ ہوتا (العواصم من القواصم مترجم ص ۳۱۶)

سندیلوی صاحب کی الٹی چال

لیکن مولانا محمد اسحٰق سندیلوی مشاجرات صحابہ کی بحث میں حضرت علی المرتضیٰ کو بحیثیت امام وقت مرکزی اور بنیادی حیثیت نہیں دیتے اور وہ اس طرح بحث کرتے ہیں جس سے حضرت علی المرتضیٰ کا منصب خلافت راشدہ موعودہ مجروح ہوتا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ (یعنی صفین) میں حضرت معاویہ اقرب الی الحق تھے کیونکہ انہوں نے تا بہ امکان جنگ کو ٹالنے کی کوشش کی اور فوج کشی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمائی۔ پھر یہ کہ صلح کی پیشکش بھی حضرت معاویہ ہی کی طرف سے ہوئی (اظہار حقیقت جلد۲ ص ۴۵۵)

(ب) زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ جب حضرت علی نے لشکر کشی کی تو انہوں نے بھی مقابلہ کیا (ایضاً حاشیہ ۱۸۸)

اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اصل مرکزی شخصیت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تھی۔ جس کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی لشکر کشی ان کے خلاف صحیح یا بہتر اقدام نہ تھا۔ حالانکہ خلیفہ راشد موعود حضرت علی المرتضیٰ ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی اطاعت سے بظاہر منحرف ہیں تو ان حالات میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے خدا کی دی ہوئی خلافت موعودہ کے تحفظ کے لئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بیعت کی دعوت دی۔ لیکن جب انہوں نے بجائے اطاعت کے الٹا آپ کے معزول ہونے اور دوبارہ انتخاب ہونے کا مطالبہ کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قرآن کے حکم **فقاتلوا التی تبغی** پر عمل کیا یعنی امام کے خلاف جو بغاوت کرنے والے ہیں ان سے رجوع الی الحق ہونے تک قتال کرو۔ اب سندیلوی صاحب ہی فرمائیں کہ ان کے پاس آیت استخلاف کے تقاضہ نص کے مقابلہ میں کونسی نص موجود ہے جس کی بنا پر آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس جنگ میں بجائے علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اقرب الی الحق قرار دے رہے ہیں۔

(۲) قاضی ابوبکر بن عربی کی مندرجہ بالا عبارت میں (جس میں فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس جنگ میں سے باغیوں کے احکام معلوم ہوئے ہیں) یہ بھی ہے کہ:۔

جب تک جنگ شروع نہ ہوئی۔ آپ (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) ان کی طرف نہ بڑھے، نہ جنگ میں ابتدا کی۔

۳۔ علاوہ ازیں باغیوں کے ساتھ جنگ کرنے میں امام کے لئے اقدام کرنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ قاضی ثناء اللہ صاحب مفسر و محدث پانی پتی لکھتے ہیں۔

وان لم یدوا ذلک وتحیزوا للقتال مجتمعین حل لنا قتالھم بداءً.

''اور اگر وہ نہ رکیں اور لڑائی کے لئے آمادہ ہوں اجتماعی حیثیت سے تو ہمارے لئے ان سے جنگ کرنے میں ابتداء کرنا (بھی جائز ہے) اور حضرت

علی رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں ابتدا بھی نہیں کی اور اگر خود اقدام فرمایا ہے تو یہ بھی جائز ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر تنقید اور یزید کی تائید

جنگ جمل وصفین کے بارے میں سندیلوی صاحب واضح طور پر حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت موعودہ کی پالیسی پر تنقید کر رہے ہیں اور ان کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

اما تصویب القتال سے جو مضمون شروع ہوتا ہے اس کا تعلق درحقیقت صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہے۔ جملے کا مطلب یہ ہے کہ آں محترم نے جو اصحاب جمل و اصحاب صفین سے جنگ کرنے کا فیصلہ فرمایا یہ موصوف کی اجتہادی غلطی تھی۔ مگر اجتہادی غلطی صرف اس حد تک ہوئی کہ آں محترم نے ترک اولیٰ فرمایا۔ اولیٰ یہ تھا کہ جنگ نہ کرتے مگر حدود جواز سے تجاوز نہیں فرمایا یعنی قتال کا اقدام شرعاً جائز تھا مگر خلاف اولیٰ تھا۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۴۸)

ترک اولیٰ کو اجتہادی خطا قرار دینا سندیلوی صاحب کی کم فہمی ہے۔ کیونکہ ترک اولیٰ جواز کی حد میں ہوتا ہے۔ اور کسی جائز کام کو غلط نہیں کہہ سکتے اور وہ خود بھی یہ لکھ رہے ہیں کہ آپ کا یہ اقدام لشکر کشی شرعاً جائز تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سندیلوی صاحب کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی کسی نہ کسی درجے سے ثابت کرنے میں لطف آتا ہے۔ لیکن اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی غلطی کی نسبت کوئی کر دے تو ان کی ملامت سے وہ بچ نہیں سکتا۔ مندرجہ جملہ اما تصویب القتال پہلے بھی زیر بحث آ چکا ہے۔

(ملاحظہ ہو کتاب ہذا میں)

اب سندیلوی صاحب کی یزید کے بارے میں پالیسی ملاحظہ ہو۔

جناب مولانا غلام یحییٰ صاحب ہزاروی رحمہ اللہ سابق صدر المدرسین جامعہ حنفیہ تعلیم الاسلام جہلم نے فسق یزید کے مسئلے میں مولانا سندیلوی سے تحریری بحث کی تھی۔ اور اس

سلسلے میں واقعہ حرہ پیش کیا تھا جس میں اہل مدینہ کو یزیدی فوج نے ظلم وستم کا نشانہ بنایا تھا۔ تو اس کے جواب میں سندیلوی صاحب نے فرمایا:۔

تیسرے الزام کے متعلق عرض ہے کہ اس میں شیعہ راویوں اور مورخوں نے جھوٹ اور مبالغہ آرائی سے کام لے کر رائی کا پہاڑ بنایا ہے۔ ورنہ انصاف کی بات یہ ہے کہ نفس بغاوت فرو کرنے کے لئے فوج بھیجنا کوئی جرم نہیں اور بحیثیت سلطان یزید کا فریضہ اور حفاظت ملت کے لازم تھا۔ (غیر مطبوعہ خط محررہ ۲۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۹۵ھ)

فرمایئے! اگر قرآن کے موعودہ اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ راشد حضرت علی المرتضیٰ اپنی خلافت کے تحفظ کے لئے بیعت کا مطالبہ کرتے ہیں اور پھر مخالفین کے خلاف ملک وملت کے تحفظ کے لئے لشکر کشی کرتے ہیں (اور از خود حملہ میں پہل بھی نہیں کرتے بلکہ حملہ اشترنخعی کی سازش سے ہو جاتا ہے) تو سندیلوی صاحب اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب یزید کی شخصیت زیر بحث آتی ہے تو اس کی لشکر کشی کو تحفظ ملت کے فریضہ پر محمول کر دیتے ہیں اور اس کے اس اقدام کی پوری پوری تائید کرتے ہیں۔ جس کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوئیں اور مسجد نبوی میں نہ اذان ہو سکی نہ نماز۔ اور مخالفین کی بغاوت فرو کرنے کا فریضہ ادا کرتے ہوئے بعد ازاں یزیدی فوجوں نے خانہ کعبہ پر حملہ کر کے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو حرم شریف میں شہید کر کے کتنے دن سُولی پر لٹکائے رکھا۔ لیکن حضرت سندیلوی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ ع

آخر کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ پر چوٹ

مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں اپنے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل الصحابہ اور احق بالخلافت ثابت کرتے ہوئے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت پیش کردی تو سندیلوی صاحب جوش میں آ گئے اور جواب میں یوں ارشاد فرمایا کہ:۔

شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد امت میں سب سے

زیادہ مستحق خلافت سمجھے جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے کئی سال بعد بھی جب کہ حالات میں بہت دور رس تبدیلیاں ہو چکی تھیں وہ ویسے ہی مقبول ہوں اور عوام و خواص انہیں اسی طرح سب سے زیادہ مستحق خلافت سمجھتے ہوں (ایضاً اظہارِ حقیقت جلد ۲ ص ۴۲۱)

(ب) حاشیہ میں مودودی صاحب کا یہ قول لکھ کر کہ:۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر کوئی خلافت کے لئے احق نہ تھا۔ فرماتے ہیں جناب والا امام ممدوح تو اس وقت بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ ان کا قول اس دور کے آراء کا ترجمان کیسے سمجھا جا سکتا ہے اور اس کا کوئی اثر اس دور کی امت پر کیسے پڑ سکتا ہے۔

سندیلوی صاحب سے پوچھئے کہ آپ جو اس سلسلے میں لمبی چوڑی بحث فرما رہے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ و قتال پر کھلا تبصرہ کر رہے ہیں۔ کیا آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں وہاں موجود تھے کہ آپ کے لئے تحقیق و تبصرہ کرنا تو جائز بلکہ ضروری ہو گیا۔ لیکن امام احمد مجتہد اگر تبصرہ فرمائیں تو ان کا یہ حق اس لئے نہ تسلیم کیا جائے کہ وہ اس دور میں تو خود نہ تھے۔ صدیوں بعد کی پیدائش ہیں کیا سندیلوی صاحب امام غائب کی طرح وہاں لوگوں کی نظروں سے غائب رہ کر ان حالات (جنگ و قتال) کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ (ب) علاوہ ازیں سندیلوی صاحب نے جو یہ لکھا ہے کہ شہادت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے وقت تو حضرت علی رضی اللہ عنہ شوریٰ کے چھ ارکان میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرف سے استحقاق خلافت رکھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے منتخب ہونے کے بعد بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت کے زیادہ حقدار تھے لیکن بعد میں حالات کی تبدیلی کی وجہ سے وہ احق بالخلافت نہیں رہے ہوں گے۔ تو یہ بات وہ محقق کہہ سکتا ہے جو قرآن پر ایمان نہیں رکھتا۔ لیکن جس مسلمان کا یہ یقین ہے کہ آیت استخلاف کے وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفائے ثلاثہ کے بعد جو منصب خلافت موعودہ عطا فرمایا اس کی وجہ سے آپ کا اپنے دور میں احق بالخلافہ ہونا ہی تھا۔ مگر سندیلوی صاحب باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو آیت استخلاف کا مصداق قرار دینے کے اس قرآنی استدلال کو مشاجرات صحابہ کی بحث میں بالکل برداشت نہیں کر سکتے اور کوشش یہی

کرتے ہیں کہ اپنے دور میں حضرت علی المرتضیٰ کا احق بالخلافہ ہونا دورِ حاضر کے اہل سنت پر مشتبہ ہو جائے۔ مولانا موصوف دراصل کسی مرض سے مغلوب ہیں اور قابل رحم ہیں۔

عقیدہ خلافت راشدہ اصولی ہے یا فروعی

گو اہل السنّت والجماعت کے نزدیک نفس خلافت کا مسئلہ فروعی مسائل سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ اصولی مسائل سے لیکن خلفائے اربعہ امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کی خلافت چونکہ قرآن حکیم کی ایک عظیم پیش گوئی پر مبنی ہے اور حسب آیت استخلاف اور آیت تمکین ان حضرات کی خلافت حق تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق قائم ہوئی ہے۔ (کہ اگر ان کو ان آیات کا مصداق قرار نہ دیا جائے تو پھر ان آیات مبارکہ کی صحت ثابت نہیں ہو سکتی) اس لیے اس پہلو سے یہ خاص خلافت ہے جس کی نوعیت اصولی ہے نہ کہ فروعی۔ چنانچہ امام المحققین حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) ارشاد فرماتے ہیں۔

دریں زمانہ بدعت تشیع آشکار شد و نفوس عوام بہ شبہات ایشاں متشرب گشت و اکثر اہل ایں اقلیم در اثبات خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شکوک بہم رسانید ند لاجرم نور توفیق الٰہی در دل این بندۂ ضعیف علمے را مشروح و مبسوط گردانید تا آنکہ بعلم الیقیں دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواراں اصلے است از اصول دین تا وقتیکہ ایں اصل را محکم نگیرند ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود زیرا کہ اکثر احکامے کہ در قرآن عظیم مذکور شدہ مجمل است بدوں تفسیر سلف صالح بحل آں نتواں رسید...... وقدوۂ سلف دریں امور بخلفائے راشدین است و تمسک ایشاں باذیال خلفاء۔

اس زمانہ میں بدعت تشیع (شیعیت) آشکار ہو گئی ہے اور عام لوگوں کے دل ان کے شبہات سے متاثر ہو گئے ہیں اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے ہیں۔ لہٰذا توفیق الٰہی کی روشنی میں اس بندۂ ضعیف کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ

خلافت ان بزرگوں کی ایک اصل ہے اصول دین سے۔ جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے کوئی مسئلہ مسائل شریعت سے مضبوط نہ ہوگا۔ کیونکہ اکثر احکام جو قرآن حکیم عظیم میں مذکور ہیں مجمل ہیں بغیر تفسیر سلف صالح کے ان احکام کا حل نہیں ہوسکتا اور اکثر حدیثیں خبر واحد ہیں شرح کی محتاج ہیں۔ بغیر اس کے کہ سلف کی ایک جماعت ان کو روایت کرے اور مجتہدین ان سے استنباط کریں۔ قابل تمسک نہیں ہوسکتیں اور نہ بدوں ان بزرگوں کی کوشش کے متعارض حدیثوں میں تطبیق کی کوئی صورت ہوسکتی ہے۔ اسی طرح تمام فنون دینیہ مثل علم قرات وتفسیر وعقائد وسلوک کے بغیر اقوال ان بزرگوں کے کسی اصل پر قائم نہیں رہ سکتے اور سلف صالحین نے ان امور میں خلفائے راشدین ہی کی پیروی کی ہے۔ اور انہی کے دامن کو مضبوط پکڑا ہے قرآن کا جمع ہونا اور قرات شاذہ سے قرات متواترہ کا امتیاز پانا خلفائے راشدین ہی کی کوشش پر مبنی ہے اور عہدہ قضاء کے فرائض اور حدود اور احکام فقہ وغیرہ انہی خلفاء کی تحقیق پر مرتب ہیں (لہذا) جو شخص اس اصل کے توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ فی الحقیقت تمام فنون دینیہ کو مٹانا چاہتا ہے۔

(ازالۃ الخفاء جلد اوّل مترجم ص ۸،۹ ترجمہ امام اہل السنت مولانا عبدالشکور لکھنوی)

حضرت شاہ صاحب دہلوی کی مندرجہ عبارت تبصرہ کی محتاج نہیں۔ گویا کہ آفتاب آمد دلیل آفتاب کا مصداق ہے۔ اگر فاضل سندیلوی اپنی علمی انانیت سے آزاد ہوکر غور فرمائیں تو چاروں خلفائے راشدین کا فقہی اور اجتہادی مقام ان پر واضح ہو جائے اور وہ حضرت علی المرتضیٰ کی مرکزی پالیسی (جس کا خصوصی تعلق جنگ جمل و جنگ صفین سے ہے) کو قدوہ قرار دے کر آپ کے اجتہاد کو حق وصواب اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کو خطا پر محمول کرنے میں عار محسوس نہ کریں اور وہ اس کے برعکس اپنی اس تحقیق سے رجوع کرلیں۔ جو انہوں نے حضرت علی المرتضیٰ کے تقابل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں بیان کی ہے کہ:۔

(۱) وہ نہ تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت سے کلیتہً منحرف تھے نہ ان کی خلافت کے منکر۔ وہ صرف اپنی معزولی کے مسئلہ میں ان کی اطاعت واجب نہ سمجھتے تھے۔ ان کی یہ

رائے آئین اسلام کی ایک مدلل ومبرہن تشریح پر مبنی تھی۔ جسے کسی طرح غلط نہیں کہا جاسکتا۔ (اظہار حقیقت جلد۲ ص۱۷۸)

(ب) یہاں تو لکھا ہے کہ:۔ معزولی کے مسئلہ میں ان کی اطاعت واجب نہیں سمجھتے۔ لیکن دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔ اس صورت میں حکم خلیفہ کی تعمیل ضروری بلکہ جائز بھی نہیں (ص۴۰۲)

(تبصرہ) حالانکہ معاملہ برعکس ہے۔ آئین اسلام کی مدلل ومبرہن تشریح تو حضرت علی المرتضٰی ہی کر سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خلفائے ثلاثہ کے بعد خلافت راشدہ کے لئے چن لیا تھا۔ جن کے متعلق خود رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا تھا اقضاکم علیؓ (بخاری) یعنی تم میں سے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۲) لکھتے ہیں:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے صحیح ضرور تھی۔ مگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے اصح یعنی نسبتاً زیادہ صحیح تھی (ایضاً جلد۳ ص۲۲۰)

(۳) واقعات پر نظر کرنے سے تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ اس جنگ (یعنی صفین) میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اقرب الی الحق تھے (ایضاً ص۴۵۵)

(۴) حضرت معاویہ کو معزول کرنے میں عجلت فرمانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شرعی نہیں سیاسی غلطی تھی (ص۱۹۳)

سندیلوی صاحب کی اس قسم کی عبارتیں گذشتہ تفصیلی بحث میں حسب موقع درج کی جاچکی ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ فاضل سندیلوی نے حضرت علی المرتضٰی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلاف میں (کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا صحیح تھا یا نہ۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا انتخاب عارضی تھا یا مستقل اور دوبارہ انتخاب خلیفہ ہونا چاہئے تھا یا نہیں۔ جس کے نتیجہ میں جنگ صفین کا معرکہ پیش آیا) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو حیثیت ایک عظیم سیاسی مدبر کے پیش نظر رکھا ہے۔ اور حضرت علی المرتضٰی کی شخصیت کو انہوں نے صرف ایک بزرگ صحابی کی حیثیت سے دیکھا ہے اور اس طرف سے آنکھیں بند کرلی ہیں کہ حضرت علی المرتضٰی کے مخصوص فضائل کیا ہیں اور خاص کر ان کو

خلافت اور حکمرانی اور سیاسی اور انتظامی اہلیت و قابلیت اور علم و اجتہاد کا کتنا بلند مقام حاصل تھا کہ علیم و حکیم خدائے برتر نے ان کو خلفائے ثلاثہ کے بعد امت کی قیادت کے لئے منتخب فرما کر اپنے قرآنی وعدہ کے مطابق ان کو خلافت راشدہ کا عظیم منصب عطا فرمایا۔

اگر بالفرض بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے رب العالمین کے علم میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت خلافت نبوت کے لئے زیادہ اہل ہوتی تو وہ خلفائے ثلاثہ کے بعد ان کو چوتھا خلیفہ موعود مقرر کرتا۔ اور سندیلوی صاحب کی کج بحثی کی بنیاد بھی یہی کج فہمی ہے۔ اگر یہی طریقہ بحث آیت استخلاف اور آیت تمکین کو نظر انداز کر کے حضرات خلفائے ثلاثہ حضرت صدیق اکبر، حضرت فاروق اعظم اور حضرت عثمان ذوالنورین کے متعلق اختیار کیا جائے تو وہاں بھی قیاس آرائیاں چل سکتی ہیں۔ چنانچہ شیعہ علماء و مجتہدین نے بھی اسی قسم کے اوہام و وساوس کی بنا پر خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کے انکار کی گنجائش نکالی ہے۔ سندیلوی صاحب شیعہ لٹریچر کا مطالعہ کریں تو انہیں نظر آئے گا کہ ان کے سامنے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ایک عظیم شخصیت ہے جو معصوم بھی ہیں اور انبیائے سابقین علیہم السلام سے افضل بھی ہیں ان کے نزدیک منصب امامت بھی منصب نبوت و رسالت سے افضل ہے۔ اس لئے وہ اس مفروضہ کی بنا پر آیت استخلاف اور آیت تمکین کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہی روش ابو الاعلیٰ مودودی نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بحث میں اختیار کی ہے کہ انہوں نے رطب و یابس روایات کو تو پیش نظر رکھا ہے لیکن اس طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں کہ حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ قرآن کے موعودہ تیسرے خلیفہ ہیں اور اپنے دور میں سب سے زیادہ معاملات خلافت اور امور مملکت کے سمجھنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ان کی خلافت کی پالیسی پر تنقید و جرح کرنا گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے منتخب خلیفہ راشد کے انتخاب پر تنقید و جرح کرنا ہے اور یہی طریق بحث سندیلوی صاحب نے حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے سلسلہ میں اختیار کیا ہے جس کو وہ اپنے زعم میں ایک علمی و شرعی تحقیق سمجھ رہے ہیں۔ واللہ الهادی

دفاع خلفائے راشدین

اہل السنت کے اجماعی عقیدہ کے مطابق حضرات خلفائے اربعہ بترتیب خلافت ایک دوسرے سے افضل ہیں۔ ان کی خلافت کا استحقاق بھی اسی ترتیب پر مبنی ہے۔ اب اگر کوئی شخص حضرت عثمان ذوالنورین کو حضرات شیخین (حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ و حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) پر ازروئے خلافت فوقیت دیتا ہے تو ہم حضرت ذوالنورین کی شرعی عظمت کو محفوظ رکھتے ہوئے دلائل سے اس کا جواب دیں گے۔ (البتہ جزوی فضیلت اس سے مستثنیٰ ہوگی) اسی طرح اگر کوئی شخص حضرت علی المرتضیٰ کی (ازروئے خلافت و امامت) خلفائے ثلاثہ اور خصوصاً شیخین پر برتری کا قائل ہے تو ہم حضرت علی المرتضیٰ کی شرعی عظمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے دلائل سے اس کی تغلیط کریں گے (البتہ جزوی فضیلت اس سے مستثنیٰ ہوگی)۔ حالانکہ خلفائے اربعہ کے باہمی تفاضل اور استحقاق خلافت میں اشتباہ بھی ہوسکتا ہے۔ کیونکہ یہ چاروں خلفاء مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ بیعت رضوان میں شامل ہیں۔ بدرو احد وغیرہ مشاہد خیر میں شریک ہیں۔ (حضرت عثمان کو بھی بدر کی غنیمت میں سے حصہ دیا گیا تھا اور حضرت علی المرتضیٰ بھی بحکم رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی سفر تبوک میں تشریف نہیں لے گئے) چاروں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور چاروں آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہیں۔ یہی چاریار حدیث فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المہدیین کی مراد ہیں۔

(۲) اسی اصول کے تحت اگر کوئی شخص دور خلافت مرتضوی میں (ازروئے سیاست و خلافت) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی برتری کا قائل ہوگا تو ہم حضرت علی المرتضیٰ اور ان کی موعودہ خلافت کا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتے ہوئے پورا پورا دفاع کریں گے۔ حالانکہ خلفائے اربعہ کی مذکورہ خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ شریک بھی نہیں ہیں اور اس میں کوئی اشتباہ بھی واقع نہیں ہوسکتا۔ البتہ یہاں بھی ہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرعی عظمت کا پورا پورا تحفظ کرتے ہوئے جواب دیں گے۔ تاکہ کسی پہلو سے ان جلیل القدر صحابی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کسی پہلے سے کوئی تنقیص و توہین لازم نہ آئے۔ اور حضرات اکابر اہل سنت

سے یہی طرز تحقیق اختیار فرمایا ہے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف اجتہادی خطا منسوب کرنے کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ اور حسب قول سندیلوی کسی صحاب کی طرف اجتہادی غلطی منسوب کرنے میں کوئی بے ادبی بھی نہیں ہے۔

(ملاحظہ ہو اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۵)

اسی طرح حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بالاتفاق تمام ملت اسلامیہ نے خلیفہ تسلیم کر لیا تو اب اگر کوئی شخص (خواہ کسی بھی لباس میں ہو) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت کو مجروح کرے گا (جیسا کہ فرقہ شیعہ کے بعد مودودی صاحب نے اپنی کتاب خلافت وملوکیت میں اس جرم کا ارتکاب کیا ہے) تو ہم عقیدہ اہل سنت والجماعت کی بنا پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا پورا پورا دفاع کریں گے۔ جیسا کہ بندہ نے اپنی کتابوں "مودودی مذہب" اور علمی محاسبہ وغیرہ میں یہ فریضہ ادا کیا ہے۔

حکمین کا فیصلہ اور بیک وقت دو خلیفہ

سندیلوی صاحب نے واقعہ تحکیم پر مفصل بحث کی ہے۔ جس میں حضرت علی المرتضیٰ کی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ حکم (ثالث) مقرر ہوئے تھے۔ فاضل سندیلوی اس بارے میں اپنی تحقیق یہ پیش کرتے ہیں:۔

(۱) دونوں حضرات (یعنی حضرات علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) کے درمیان متنازعہ فیہ امور دو تھے۔

۱۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں یا بالفاظ دیگر سبائی پارٹی کا معاملہ۔ حضرت معاویہ ان سے قصاص اور اس پارٹی کی قوت توڑنے کا مطالبہ کر رہے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس مطالبہ کو پورا کرنے کے لئے تیار نہیں تھے۔

۲۔ دوسرا مسئلہ خلافت کا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے بیعت اور اپنی خلافت کو تسلیم کرنے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ان کی خلافت کو ہنگامی اور عبوری

سمجھتے تھے۔ اور ان کے انتخاب کے طریقہ کو صحیح طریق انتخاب نہ سمجھتے تھے اور دوبارہ انتخاب واستصواب کا مطالبہ کر رہے تھے حکمین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ خلیفہ کے انتخاب جدید واستصواب رائے اور قصاص کا مطالبہ ترک کر دیں اور ان مسائل میں فریق نہ رہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ فیصلہ کیا کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی خلافت تسلیم کرنے اور بیعت کرنے کے مطالبے سے دستبردار ہو جائیں۔ گویا فریق کی حیثیت سے وہ بھی ترک کر دیں۔ روایت کے آخری جملے اس چیز کو بالکل صاف کر دیتے ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ و حضرت عمرو بن العاص دونوں اس بات پر متفق ہو جاتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان متنازعہ فیہ امور غیر جانبدار جماعت صحابہ رضی اللہ عنہم کے سپرد کر دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ جو فیصلہ فرمائیں اس پر فریقین عمل کریں۔

ظاہر ہے کہ نزاع اس بارے میں تو نہ تھی کہ دونوں حضرات میں سے کون خلیفہ ہے؟ یا کس کی خلافت کو باقی رکھا جائے۔ اور کسے معزول کیا جائے؟

پھر اس معاملے کو جماعت صحابہ کے سپرد کرنے کے کیا معنیٰ؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو معاملہ جماعت صحابہ کے سپرد کیا گیا وہ انہی نزاعی امور پر مشتمل تھا جن کا تذکرہ ہم نے مندرجہ بالا سطور میں کیا ہے۔ اس کے بعد نمبر ۴ کے تحت سندیلوی صاحب لکھتے ہیں:۔

حضرات حکمین نے امور متنازعہ بین الفریقین کا کوئی فیصلہ نہیں فرمایا بلکہ جو فیصلہ بھی ہوا وہ غیر جانبدار صحابہ کا تھا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۶۱، ۳۶۲)

۶۔ اس کے بعد سندیلوی صاحب قرائن وشواہد کی روشنی میں فرماتے ہیں۔ ان قرائن سے آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہو گیا کہ دوسرا احتمال غلط اور پہلا ہی صحیح ہے۔ یعنی اجتماع اذرح میں اکابر صحابہ نے طے کر دیا تھا کہ دونوں حضرات حدود معینہ میں خلیفہ کے منصب پر فائز ہوں اور ملک دونوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ فریقین اپنے اپنے مطالبات سے دستبردار ہو جائیں۔ تاکہ خانہ جنگی اور مسلمانوں کی خون ریزی کا سلسلہ بند ہو اور اخوت و مصالحت کی فضا پیدا ہو۔ (ایضاً ص ۳۶۹)

الجواب

ا۔ یہاں ہمیں اس سے بحث نہیں کہ مندرجہ بالا فیصلہ حکمین نے کیا تھا یا غیر جانب دار اکابر صحابہ نے۔ البتہ سندیلوی صاحب کے اس بیان کی بنا پر ہمارا سوال یہ ہے کہ وہ غیر جانب دار صحابہ کون کون تھے اور تقریباً ان کی تعداد کتنی تھی؟ کیونکہ سندیلوی صاحب خود یہ تسلیم کر چکے ہیں کہ:۔

جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہ نے ان (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ) کی خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہو گئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی (ج ۲ ص ۴۱۲) جب بکثرت مہاجرین و انصار نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت کر لی تھی تو غیر جانبدار صحابہ تو بہت قلیل تعداد میں رہ گئے ہوں گے۔

حالانکہ سندیلوی صاحب یہ بھی لکھ رہے ہیں کہ:۔

یاد رکھنا چاہیے کہ ان لڑائیوں میں صحابہ کرام کی اکثریت غیر جانبدار رہی اور ان حضرات کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ (ص ۴۴۱)

۲۔ فاضل سندیلوی غیر جانبدار صحابہ کا موقف بیان کرتے ہوئے علامہ ابن حزم کی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" کی عبارت پیش کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

اس نقل کے علاوہ غیر جانبدار صحابہ کی غیر جانبداری خود اس بات کی برہان جلی ہے کہ ان کا مسلک اس مسئلہ میں توقف ہی تھا۔ فریقین میں کسی کو وہ غلطی پر نہیں سمجھتے تھے۔ عام طور پر یہ حضرات اسے "قتال فتنہ" کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ جس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ فریقین کے بارے میں صواب و خطا کا کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور مسئلہ ان پر مشتبہ ہو گیا۔ (ایضاً ص ۴۴۱)

فرمائیے۔ غیر جانب دار حضرات پر جب مسئلہ مشتبہ ہو گیا تھا اور فریقین کے درمیان وہ کوئی فیصلہ نہ کر سکے تھے (اور اس سلسلے میں بندہ نے ص ۲۳۲ پر امام نووی اور حضرت مجدد الف ثانی کی عبارتیں بھی پیش کر دی ہیں۔ چنانچہ حضرت مجدد فرماتے ہیں۔

اور تیسرے گروہ پر توقف لازم ہوا کیونکہ وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کس کو ترجیح نہ دے سکے۔ امام نووی نے فرمایا کہ:۔ تیسری قسم ان صحابہ کی تھی کہ ان پر قضیہ (معاملہ) مشتبہ ہو گیا اور اس میں وہ حیران رہ گئے اور دونوں سے کسی طرف کو ترجیح دینا ان پر نہ کھل سکا اس لئے انہوں نے فریقین سے علیحدگی اختیار کی اور ان کی یہ علیحدگی (کنارہ کشی) ان کے حق میں واجب تھی۔ تو اب ان حضرات نے کس دلیل کی بنا پر فریقین میں فیصلہ کرنا قبول فرمایا۔ اگر ان کو اس قضیہ کی تحقیق ہو گئی تھی تو وہ غیر جانبدار نہ رہے۔ اور اگر اس وقت تک معاملہ مشتبہ تھا تو پھر وہ کیونکر فیصلہ کرنے والے قرار دیئے جا سکتے ہیں۔ فیصلہ تو تحقیق حال پر مبنی ہوتا ہے نہ کہ اشتباہ حال پر۔

۳۔ بیک وقت دو خلیفوں (اماموں) کی موجودگی تو خوارج کے فرقہ کرامیہ کا مسلک ہے نہ کہ اہل سنت کا۔ چنانچہ علامہ ابن تیمیہ کی عبارت پر پیش کی جا چکی ہے کہ:۔

فقالت طائفة انه امام وان معاوية امام وانه يجوز نصب امامين في وقت اذا لم يمكن الاجتماع على امام واحد وهذا يحكى عن الكرامية وغيرهم .

(منهاج السنة جلد۱ ص ۱۴۴)

"پس ایک گروہ کا قول ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی امام تھے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اور جب کسی ایک امام پر اتفاق نہ ہو سکے تو بیک وقت دو اماموں کا تقرر جائز ہے۔ اور یہ قول کرامیہ وغیرہ سے منقول ہے"۔

معلوم ہوا کہ یہ اہل سنت کا مسلک نہیں ہے اور اسی وجہ سے سندیلوی صاحب نے جہاں اہل سنت کے مسلک بیان کئے ہیں وہاں اس مسلک کا ذکر نہیں کیا۔ ملاحظہ ہو اظہار حقیقت جلد دوم ص ۲۴۰ اور کتاب ھذا میں بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بیک وقت دو خلیفوں کے تقرر کے جواز کا مسلک اہل سنت کا نہیں۔ تو سندیلوی صاحب کس بنا پر غیر جانبدار صحابہ کے فیصلہ کی تحسین کر رہے ہیں۔ اگر یہ فیصلہ پسندیدہ ہے تو اہل سنت نے یہ مسلک کیوں اختیار نہیں کیا؟ اگر جانبدار صحابہ کے

اس فیصلہ میں ان حضرات سے اجتہادی غلطی کا صدور ہوا ہے۔ لیکن اس کے باوجود آپ توقف کا مسلک غیر جانبدار صحابہ کی طرف منسوب کر کے اس کو قوی ترین اور پسندیدہ مسلک قرار دیتے ہیں اور اسی کو آپ جمہور اہل سنت کا مسلک بتاتے ہیں۔ ایں چہ بوالعجبیست

۴۔ قاضی ابوبکر بن عربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:۔

وقال ابن اسحق . فی حدیث یرویه معاویه . اذا کان فی الارض خلیفتان فاقتلوا احدهما .

(احکام القرآن جلد رابع ص ۱۷۲۲)

ابن اسحٰق نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث بیان کی ہے کہ:۔
جب ملک میں دو خلیفہ ہوں تو ان میں سے ایک کو قتل کر دو۔ (ب) ایضاً فرماتے ہیں:۔ قال مالك اذا بویع للامام فقام علیه اخوانه قوتلوا اذا کان الاول عدلاً (ایضاً احکام القرآن ص ۱۷۲۱) امام مالک فرماتے ہیں کہ جب ایک امام کے لئے بیعت کر لی جائے تو پھر اس کے خلاف اس کے بھائی کھڑے ہو جائیں تو اگر پہلا امام عادل ہے تو ان کے ساتھ لڑائی کرو"۔ فرمائیے آپ کی تحقیق کے مطابق اگر غیر جانبدار صحابہ کا مندرجہ فیصلہ صحیح ہے تو وہ حدیث مذکور کے خلاف ہے اور امام مالک کے مسلک کے بھی خلاف ہے۔ ثابت ہوا کہ اگر بقول آپ کے غیر جانبدار صحابہ نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی جگہ خلیفہ ہیں اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اپنی جگہ تو یہ ان حضرات کی اجتہادی غلطی پر مبنی ہے۔ اس لئے اہل سنت نے یہ مسلک اختیار نہیں کیا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس کے جانشین تھے

علاوہ ازیں ہمارا سوال ہے کہ خلفائے اربعہ تو بالترتیب ایک دوسرے کے جانشین ہوئے ہیں اور حضرت عثمان ذوالنورین کے جانشین حضرت علی المرتضیٰ تھے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کیا جائے تو سندیلوی صاحب فرمائیے کہ وہ کس کے جانشین تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے جانشین تو قرار نہیں دیئے جاسکتے اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بھی نہیں بن سکتے۔ کیونکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے جانشین حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت سے پہلے اس درمیانی عرصہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کس کے جانشین تھے سوچ کر جواب دیں (حق چار یار رضی اللہ عنہم)

۵۔ مندرجہ فیصلہ کی پہلی جز صحیح ہے یعنی یہ کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ قصاص کے مطالبہ سے دست بردار ہو جائیں اور دوبارہ انتخاب کا مطالبہ نہ کریں۔ لیکن یہ دوسری جز صحیح نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے اپنی بیعت کے مطالبہ سے دستبردار ہو جائیں (گویا فریق کی حیثیت سے وہ بھی مطالبہ ترک کر دیں۔

قرآنی فیصلہ کیا ہے

سندیلوی صاحب کے تمام پیش کردہ قیاسات وقرائن کا ایک ہی مسکت جواب ہے اور وہ یہ کہ حضرت علی المرتضیٰ خلفائے ثلاثہ کی طرح آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق اور موعودہ خلیفہ ہیں۔ چنانچہ سندیلوی صاحب خود بھی تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کی مصداق ہے۔ یعنی حضرات خلفائے ثلاثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے۔ اور آں محترم کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضیہ اور پسندیدہ خلافت تھی جیسا کہ آیت تمکین سے سمجھ میں آتا ہے (جواب شافی ص ۱۰)

۲۔ سندیلوی صاحب نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کی حقانیت کو آیت استخلاف سے ثابت کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

اس لئے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے۔ اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔ (غیر مطبوعہ مضمون ص ۵ مورخہ ۱۸ محرم ۱۳۹۳ھ)

سندیلوی صاحب کے اس مضمون کی بحث پہلے گذر چکی ہے۔

ب۔ گویا کہ صحابہ کرام سے فرمایا جا رہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد تم خلیفہ کا انتخاب کرنا۔ ہماری توفیق خاص تمہاری رفیق ہوگی اور یہ نظام خلافت ہمارا موعودہ اور پسندیدہ نظام خلافت ہوگا۔ (ایضاً ص ۵)

ج۔ اسی مضمون کے ص ۳ پر سندیلوی صاحب کا عنوان یہ ہے:۔

نص قرآنی سے خلافت صدیق کا ثبوت۔ اور چونکہ فاضل سندیلوی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی آیت استخلاف کا مصداق قرار دے چکے ہیں۔ اس لئے (تفاوت مرتبہ کے باوجود) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے لئے بھی آیت استخلاف سے وہی امور ثابت ہوں گے جو حضرت صدیق اکبر کے لئے ثابت ہیں یعنی یہ کہ:۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت نص قرآنی سے ثابت ہے۔ آپ کا انتخاب بھی بالکل صحیح تھا اور وعدہ خداوندی کے مطابق اس میں کوئی غلطی واقع نہیں ہوئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نظام خلافت بھی اللہ تعالیٰ کا موعودہ اور پسندیدہ نظام خلافت تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس قرآنی وعدے اور فیصلے کے بعد بھی اگر سندیلوی صاحب کا یہ نظریہ ہے کہ (۱) حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا حالات کے تحت یہ مطالبہ صحیح تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے دستبردار ہو جائیں اور دوبارہ آزادانہ انتخاب کرایا جائے۔

(۲) ان کے لئے حالات کے تحت قرآن کے موعودہ خلیفہ کا معزولی کے سلسلہ میں حکم ماننا جائز ہی نہ تھا۔

(۳) بجائے حکم ماننے کے حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ وقتال کرنا جائز تھا خواہ وہ دفاعی ہی ہو۔

(۴) جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین وانصار کے بیعت کرنے کے باوجود بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بیعت نہ کرنا صحیح تھا۔

(۵) حضرت علی المرتضیٰ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلیفہ منتخب کرنے کے باوجود بھی ان کے دور خلافت میں حکمین یا غیر جانب دار صحابہ کا یہ فیصلہ صحیح تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرح حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی جگہ مستقل خلیفہ ہیں۔ (اگرچہ وہ

مہاجرین صحابہ سے بھی نہیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آیت تمکین میں خلیفہ بنانے کا اعلان فرمایا ہے) اگر حضرت علی المرتضیٰ کو آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق قرار دیئے، آپ کی خلافت نص قرآنی سے ثابت ہونے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مثل حضرت صدیق اکبر کے حضرت علی المرتضیٰ کا اللہ کی توفیق سے صحیح انتخاب خلافت ہونے کے باوجود بھی سندیلوی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ثالث حضرات کے موقف کو صحیح مانتے ہیں تو پھر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضیٰ کو آیت تمکین اور آیت استخلاف کا مصداق قرار دینے میں مخلص نہیں ہیں۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ایثار

(۵) حضرت علی المرتضیٰ نے تحکیم کی تجویز قبول کر کے یہ ثابت کر دیا کہ آپ تفریق نہیں چاہتے تھے آپ خلوص اور للّٰہیت کا پیکر تھے اور خلیفہ موعود کو ایسا ہی ہونا چاہئے۔ لیکن جہاں تک آپ لچک قبول کر سکتے تھے آپ نے کی۔ مگر جب ثالث حضرات نے ان کے مقابلہ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو بھی اپنے دائرہ منصب خلافت پر فائز کر دیا تو آپ نے اس کو تسلیم نہیں کیا۔ اور آپ یہ فیصلہ قبول بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس معاملہ میں خود ہی استقامت عطا فرمائی۔ اور ان سے اس سلسلہ میں خطائے اجتہادی کا صدور بھی نہیں ہونے دیا۔ کیونکہ اگر آپ بھی برضا و رغبت اس فیصلہ کو قبول فرما لیتے تو پھر اللہ تعالیٰ کا وعدہ صحیح ثابت نہ ہو سکتا تھا۔ کیونکہ خلافت کا وعدہ صرف مہاجرین صحابہ سے تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مہاجر صحابی نہ تھے اور وعدہ خداوندی کا مصداق اپنے اپنے دور میں خلفائے اربعہ میں سے ایک ہی خلیفہ تھا نہ کہ دو دو۔ اگر دور خلافت مرتضوی میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو صحیح قرار دیا جائے تو پھر شیعوں کے عقیدہ امامت و خلافت کا بھی جواز پیدا ہو جاتا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی امام و خلیفہ برحق قرار دیئے جا سکتے ہیں اور ان کا کلمہ اسلام اور اذان میں خلیفہ بلا فصل کا اضافہ و اعلان

بھی صحیح قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۶) حکمین کے فیصلہ کے غلط ہونے کی آنحضرت ﷺ نے جو پیشگوئی فرمائی ہے اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے ازالۃ الخفاء متن فارسی جلد دوم میں جس کا ذکر فرمایا ہے (جس کی بحث کتاب میں گذر چکی ہے) وہ حق تعالیٰ کے وعدہ قرآن کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ البتہ ہمیں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی مخصوص بلند شان کے پیش نظر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو فقیہ و مجتہد قرار دیتے ہوئے خطائے اجتہادی سے زائد اور کوئی حکم لگانے کا حق نہیں پہنچتا اور خود سندیلوی صاحب کے نزدیک بھی۔

"کسی صحابی کی طرف خطائے اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں"۔

(اظہار حقیقت جلد دوم ص ۳۶۵)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے حضرات صحابہ ان حالات میں معذور تھے اور یہ بھی ملحوظ رکھیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے اصل اختلاف حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا قصاص لینے اور نہ لینے پر مبنی تھا۔ چنانچہ امام غزالی اور دوسرے محققین نے یہی فرمایا ہے جیسا کہ امام غزالی کی عبارت (احیاء العلوم سے) کتاب ہذا میں نقل کی جاچکی ہے۔ لیکن اب سندیلوی صاحب حضرت علی المرتضیٰ کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تسلیم کرنے کے بعد معذور نہیں ہیں۔ وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر آیت استخلاف کی نص قرآنی کے تقاضے کو مجروح کررہے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں واضح طور پر خلافت موعودہ کا ذکر کر کے مسئلہ خلافت کے بارے میں جن فتنوں کا دروازہ بند کیا تھا۔ (جو) اپنے اپنے دائرہ میں رافضیت، خارجیت اور مودودیت کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں۔ سندیلوی صاحب اس کے کھولنے کے مرتکب ہورہے ہیں۔

اظہارِ حقیقت یا اخفائے حقیقت

دراصل ان کی کتاب اظہارِ حقیقت نہیں بلکہ اخفائے حقیقت ہے۔ ان کا رسالہ

''جواب شافی'' نہیں بلکہ نا صافی ہے۔ بظاہر انہوں نے ردّ شیعیت اور ردّ مودودیت کا عنوان قائم کیا ہے۔ لیکن اس کی آڑ میں وہ رد سنیت کر رہے ہیں اور حضرت علی المرتضیٰ کی قرآنی خلافت کو مشتبہ بنا رہے ہیں۔ اور اہل سنت کے دلوں سے سلف و خلف محققین اہل سنت کا اعتماد اٹھا رہے ہیں۔ واللہ الہادی۔

توقف کا مسلک کمزور ترین مسلک ہے

سندیلوی صاحب لکھتے ہیں اہل سنت والجماعت کے یہ مسالک ہیں جو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ کرام کے درمیان واقع ہونے والے مشاجرات کے بارے میں اکابر علمائے اہل السنت کی مختلف جماعتوں نے اختیار فرمائے ہیں۔ راقم السطور کے نزدیک ان مسالک میں قوی ترین مسلک پہلا یعنی مسلک توقف کا ہے۔ کیونکہ یہ ان صحابہ کرام کا مسلک ہے جو ان حوادث کے وقت موجود اور غیر جانبدار تھے۔ وہ واقعات کے مشاہد تھے اس کے ساتھ یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ شریعت و مزاج شریعت کی واقفیت و معرفت تفقہ فی الدین اور فہم و بصیرت کے اعتبار سے صحابہ کرام کا جو درجہ و مرتبہ ہے وہ کسی دوسرے امتی کو نصیب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انہوں نے جو مسلک اختیار فرمایا اسی کو اختیار کرنا ہمارے لئے سب سے بہتر ہے۔ (اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۵۷)

الجواب

(۱) سندیلوی صاحب بھی عجیب و غریب محقق ہیں۔ انہوں نے ''مسلک توقف'' کو قوی ترین اور پسندیدہ مسلک قرار دینے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ:۔ یہ صحابہ کرام کا مسلک ہے۔ اس پر ہم ان سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا تمام صحابہ کرام کا یہ مسلک ہے۔ ہر گز نہیں۔ مشاجرات کے بارے میں تو صحابہ کرام کے تین گروہ تھے۔

۱۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین

۲۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے متبعین

۳۔ توقف کرنے والے صحابہ کرام

اگر صحابہ ہونے کی وجہ سے توقف کا مسلک قوی ترین ہے تو دوسرے دونوں مسلک بھی چونکہ صحابہ کرام کے ہیں اس لئے وہ بھی قوی ترین ہونے چاہئیں۔ خدا جانے فاضل سندیلوی کو کیا ہو گیا ہے ع

کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

۲۔ بیشک صحابہ شریعت و مزاج شریعت سے واقف تھے اور امت میں تفقہ فی الدین اور فہم و بصیرت کے اعتبار سے ان کا بڑا درجہ ہے۔ لیکن کیا توقف کا مسلک اختیار کرنے والے صحابہ ہی تفقہ فی الدین رکھتے تھے یا دوسرے صحابہ کرام بھی اور پھر اگر معیار یہی ہے تو ان صحابہ کرام میں حضرت علی المرتضیٰ کو تفقہ فی الدین میں امتیازی مرتبہ حاصل تھا۔ چنانچہ خود رسول اللہ ﷺ نے بھی آپ کے متعلق اقضاکم علیؓ (بخاری) فرمایا۔ علاوہ ازیں جن کو علیم و حکیم خدائے قدیر نے حسب وعدہ منصب خلافت راشدہ پر فائز فرمایا ہے خلافت راشدہ کے مسائل حل کرنے کے لئے ان کے تفقہ فی الدین وغیرہ کا درجہ بہ نسبت دوسرے صحابہ کرام کے اعلیٰ ہونا چاہیے۔ (اگرچہ فاضل سندیلوی کو یہ ناپسند ہو)

۳۔ توقف کی بحث میں پہلے عرض کیا گیا ہے کہ جن صحابہ کرام نے فریقین میں سے کسی کا ساتھ نہیں دیا۔ ان پر یہ معاملہ مشتبہ ہو گیا تھا اور وہ اپنے اجتہاد کی بنا پر کوئی فیصلہ نہ کر سکے تھے اور اس وقت کے پیچیدہ حالات میں وہ معذور تھے۔ لیکن بعد ازاں جب کہ یہ حقیقت منکشف ہو گئی کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی قرآن کے موعودہ چوتھے خلیفہ تھے۔ تو اب توقف کا مسلک ہمارے لئے قوی ترین مسلک نہیں قرار دیا جا سکتا۔ سندیلوی صاحب اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جس مسلک میں حقیقت حال واضح ہی نہ ہو کیا اسے بھی قوی ترین اور پسندیدہ مسلک قرار دے سکتے ہیں۔ اور اگر مسلک توقف اختیار کرنے والے علمائے اہل سنت کا مطلب یہ ہے کہ مشاجرات صحابہ کے واقعات نہ بیان کئے جائیں۔ کیونکہ اس سے ناواقف لوگ صحابہ کرام کے کسی نہ کسی فریق سے بدظن ہو سکتے ہیں۔ تو یہ جدا امر ہے اور یہ کسی فریق کی طرف اجتہادی خطا منسوب کرنے سے متعارض بھی نہیں ہے۔ جیسا کہ پہلے اس پر تبصرہ کیا جا چکا ہے۔ بہر حال تردد و تذبذب والا مسلک قوی ترین نہیں بلکہ کمزور ترین مسلک ہے اس لئے جمہور اہل سنت نے اسے اختیار نہیں کیا۔

علامہ ابن حزم نے بھی باوجود صحابہ کرام سے توقف کا مسلک نقل کرنے کے اپنی تحقیق یہی لکھی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مصیب تھے اور فریق ثانی سے اجتہادی غلطی کا صدور ہوا تھا اور اس مسئلہ کی نوعیت بھی اسی طرح ہے جس طرح سندیلوی صاحب نے لکھا ہے کہ دور صحابہ میں خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کو افضل صحابہ ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن دور صحابہ کے گزرنے کے بعد خلفائے ثلاثہ کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہو گیا۔

کل مجتہد مصیب کا مسلک بھی مرجوح ہے

حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما میں سے دونوں کو جنگ صفین وغیرہ میں مصیب قرار دینا (کہ دونوں کا اجتہاد صحیح تھا اور ان میں سے کسی سے بھی اجتہادی خطا کا صدور نہیں ہوا) مرجوح ہے۔ جس کی بحث کتاب ہذا ص ۳۲۵ پر گزر چکی ہے۔

۲۔ خصوصاً یہ امر قابلِ غور ہے کہ جب حسب وعدہ قرآنی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہی اپنے دور میں خلیفہ موعود ثابت ہوتے ہیں اور محققین اہل سنت نے تصریح کی ہے کہ اپنے دور میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام تھے۔ علاوہ ازیں بیک وقت دو خلیفوں کا تقرر اہل سنت کا مسلک نہیں۔ بلکہ خوارج کے فرقہ کرامیہ کا ہے۔ اس لئے اہل سنت کا تحقیقی مسلک یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے جو اپنی خلافت کا اعلان فرمایا ہے یہ ان کی اجتہادی خطا پر مبنی ہے۔ وہ اگرچہ معذور ہیں۔ لیکن بعد میں آنے والے معذور نہیں قرار دیئے جا سکتے۔

اہل سنت کے نزدیک بیک وقت دو خلیفہ کا تقرر جائز نہیں ہے۔ اور اگر اہل سنت کے نزدیک حضرت معاویہ کا اجتہاد صحیح ہوتا تو وہ بیک وقت دو خلیفہ کے تقرر کو کیوں ناجائز قرار دیتے۔

قوی ترین مسلک حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب اور حضرت معاویہ کے مخطی ہونے کا ہے

مندرجہ بالا تبصرہ کے تحت جب مسلک توقف کمزور ترین اور کل مجتہد مصب ہونے کا

مسلک مرجوح قرار پاتا ہے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ متاخرین کے جس مسلک کو سندیلوی صاحب نے اپنے جذباتی مرض سے مغلوب ہو کر:۔

درحقیقت بالکل غلط، بے دلیل بلکہ خلاف دلیل قرار دے رہے ہیں (ملاحظہ ہو اظہار حقیقت جلد دوم ص ۴۶۱)

وہی درحقیقت راجح ترین، قوی ترین اور مقبول ترین مسلک ہے۔ کیونکہ یہ مسلک قرآن مجید کی آیت استخلاف و آیت تمکین پر مبنی ہے۔ چنانچہ حسب وعدہ خداوندی جب حضرت علی المرتضیٰ کا انتخاب صحیح تھا، ان کی خلافت موعودہ تھی اور بوجہ مہاجرین اولین میں سے ہونے کے اپنے دور میں وہی ایک موعود و راشد خلیفہ تھے۔ ان کی موجودگی میں نہ کوئی اور خلافت کا حقدار ہو سکتا تھا۔ نہ کوئی ان کے انتخاب خلافت کو چیلنج کر سکتا تھا۔ ان کی خلافت یقیناً اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ خلافت تھی اور یہی آیت استخلاف کی نص کا تقاضا ہے۔ تو اب کوئی صاحب عقل و انصاف عالم حضرت علی المرتضیٰ کو آپ آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق قرار دینے کے بعد فریق ثانی کو مصیب قرار نہیں دے سکتا۔ جنہوں نے دوبارہ انتخاب کا مطالبہ کیا ہے۔ خلیفہ موعود حضرت علی المرتضیٰ سے جنگ و قتال تک نوبت آئی ہے۔ اور آخر وقت تک آپ کی خلافت تسلیم نہیں کی۔ بلکہ خلیفہ موعود کی موجودگی میں اپنی جداگانہ [1] خلافت قائم کی ہے۔ البتہ حضرت معاویہ چونکہ جلیل القدر صحابی ہیں۔

---

[1] امام حسن رضی اللہ عنہ کا ایثار: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور یہ صلح رسول پاک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عظیم پیشگوئی کے نتیجہ میں نصیب ہوئی ہے۔ ان ابنی هذا سید لعل اللہ ان یصلح به بین الفئتین العظیمتین من المسلمین (صحیح بخاری) یہ میرا بیٹا (حضرت حسن) سردار ہے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرادے گا۔ اس سے حضرت حسن کی بھی خصوصی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور امام حسن کا یہ بڑا ایثار ہے ورنہ اگر حضرت حسن صلح کر کے اپنی خلافت حضرت معاویہ کے سپرد نہ کرتے اور مقابلے میں رہتے تو کی حضرت معاویہ کو وہ کامیابیاں نصیب ہو سکتی تھیں جو صلح کے بعد حاصل ہوئیں۔

اہل سنت کے نزدیک مجتہد ہیں۔ انہوں نے یہ اختلاف کسی نفسانی خواہش کی بنا پر نہیں کیا۔ البتہ اس بارے میں ان سے اجتہادی غلطی ہوگئی ہے جس میں وہ معذور ہیں اور اس پر بھی ان کو ایک اجر ملے گا۔ لیکن نص قرآنی کے مقابلہ میں ان کی اجتہادی خطا ماننے کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور اجتہادی خطا کی ان کی طرف نسبت کرنا بے ادبی بھی نہیں اور نہ اس کی وجہ سے ان پر طعن وملامت کرنے کا کوئی جواز مل سکتا ہے۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین

جمہور اہل سنّت کا مسلک

اس مسلک کو بلا دلیل اور خلاف دلیل قرار دے کر صرف متاخرین کا مسلک قرار دینا سندیلوی صاحب کی کم فہمی یا ناجائز ضد وتعصب کا نتیجہ ہے ورنہ یہ جمہور اہل سنت کا پسندیدہ مسلک ہے۔ متقدمین بھی عموماً یہی مسلک رکھتے تھے۔ اور متاخرین ومتقدمین کے مسلک مین کوئی تعارض نہیں ہے چنانچہ محققین اہل سنّت کے ارشادات حسب ذیل ہیں:۔

امام عبدالقاہر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

امام عبدالقاہر رحمۃ اللہ بغدادی متوفی ۴۲۹ھ عقائد اہل سنّت کے بیان میں فرماتے ہیں:۔

وقالوا بامامة علي في وقته وقالوا بتصويب علي في حُروبه بالبصره وبالصِفين وبنهروان .

(الفَرق بين الفِرق ص ۳۴۳. طبع بيروت)

"اور اہل سنّت والجماعت اس بات کے قائل ہیں کہ اپنے وقت میں حضرت علی امام تھے اور جمل، صفین اور نہروان کی جنگوں میں آپ صواب پر تھے"

(۲) امام موصوف رحمہ اللہ لکھتے ہیں:۔

اجمع اصحابنا على ان عليًا رضى الله عنه كان مصيباً فى قتال اصحب الجمل وفى قتال اصحاب معاوية بصفين .

وقالوا فى الذين قاتلوه بالبصرة انهم كانوا على الخطأ .

وقالوا فی عائشة وفی طلحة والزبیر انهم اخطئوا ولم یفسقوا لان عائشة قصدت الاصلاح بین الفریقین فغلبها بنوضبة وبنوا الازد علی رأیها فقاتلوا علیًا فهم الذین فسقوا دونها .

(اصول الدین عربی ص ۲۸۹ ناشر مکتبہ عثمانیہ (جامعہ اشرفیہ) لاہور)

''اور ہمارے اصحاب کا اس پر اجماع ہے کہ اصحاب جمل اور اصحاب معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ صواب پر تھے اور بصرہ میں جن لوگوں نے آپ سے جنگ کی ہے وہ خطا پر تھے اور وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے متعلق کہتے ہیں کہ انہوں نے خطا کی ہے لیکن فاسق نہیں ہیں کیونکہ حضرت عائشہ کا ارادہ فریقین میں صلح کرانے کا تھا۔ آپ کی رائے پر بنوضبہ اور بنوالازد غالب آگئے تھے پس انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی لہذا وہ فاسق ہیں نہ کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا''

(۲) علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ

علامہ ابن حزم اندلسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۵۶ھ (جن کی عبارت سندیلوی صاحب نے اپنی تائید میں پیش کی ہے) تحریر فرماتے ہیں:۔

فبهذا قطعنا علی صواب علی رضی اللّٰہ عنه وصحة امامته وانه صاحب الحق وان له اجرین اجر الاجتهاد واجر الاصابة وقطعنا ان معاویةؓ ومن معه مخطئون مجتهدون ماجورون اجراً واحداً (الفصل فی الملل والنحل ص ۶۱

''پس اس بنا پر ہم یقین رکھتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں صواب پر ہیں اور آپ کی امامت صحیح ہے اور برحق تھے اور آپ کے لئے دو اجر ہیں۔ ایک اجر اجتہاد کرنے کا اور ایک اجر اجتہاد کے صحیح ہونے کا اور ہم اس پر بھی

یقین رکھتے ہیں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی مجتہد ہیں اور خطا کرنے والے ہیں اور (خطا کی وجہ سے بھی) ان کو ایک اجر ملے گا"

(۳) امام ابواسحٰق اسفرائنی رحمہ اللہ

امام ابوالحسن اشعری متوفی چند سال و ۳۳۰ھ کے شاگرد امام ابواسحٰق اسفرائنی رحمہ اللہ متوفی ۴۱۸ھ فرماتے ہیں:۔

فانه ای التخاصم والنزاع والتقاتل والدفاع الذی جری بینهم کان عن اجتهاد قد صدر من کل واحد من رؤوس الفریقین ومقصد سائغ بکل فرقةٍ من الطائفتین وان کل المصیب فی ذلك واحدهما وهو علیٌ رضوان الله علیه ومن والاه والمخطی هو من نازعِه وعاداه غیر ان للمخطیء فی الاجتهاد اجراً وصواباً خلافاً لاهل الجفاء والعناد فکل ما صح مما جری بین الصحابة الکرام وجب حمله علی وجه ینفی عنهم الذنوب والآثام .

"اس لئے کہ جو نزاع وجدال اور دفاع وقتال صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان پیش آیا وہ اس اجتہاد کی بنا پر تھا جو فریقین کے سرداروں نے کیا تھا اور فریقین میں سے ہر ایک کا مقصد اچھا تھا اگر چہ اس اجتہاد میں برحق فریق ایک ہی ہے اور وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء ہیں۔ اور خطا پر وہ حضرات ہیں جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نزاع وعداوت کا معاملہ کیا البتہ جو چوتھا فریق خطا پر تھا اسے بھی ایک اجر وثواب ملے گا۔ اس عقیدہ میں صرف اہل جفاء وعناد ہی اختلاف کرتے ہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام کے درمیان مشاجرات کی جو صحیح روایات ہیں ان کی بھی اس میں تشریح کرنا واجب ہے جو ان حضرات سے گناہوں کے الزام کو دُور کرنے والی ہو۔" (بحوالہ مقام صحابہ ص ۱۰۴ مؤلفہ حضرت مولانا محمد شفیع صاحب۔ صاحب تفسیر معارف القرآن۔ سابق مفتی دارالعلوم دیوبند)

(ب) نیز امام اسفرائینی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

وقد اتفق اهل الحق ان المصيب في تلك الحروب والتنازع امير المومنين عليؓ من غير شك الخ

"اور اس بات پر اہل حق کا اتفاق ہے کہ ان جنگوں میں حق بلا شبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا الخ (ایضاً مقام صحابہ ص ۱۰۷)

علاوہ ازیں امام ابو اسحٰق اسفرائینی نے مشاجرات کے بارے میں صحابہ کرام کے تین گروہوں کا تذکرہ فرمایا ہے جس میں تیسرے گروہ کے متعلق فرماتے ہیں:۔

وقسم ثالث اشتبهت عليهم القضية فلم يظهر لهم ترجيح احد الطرفين واعتزلوا الفريقين وكان هذا الاعتزال هو الواجب في حقهم.

"صحابہ کی ایک تیسری جماعت وہ تھی جس کے لئے کچھ فیصلہ کرنا مشکل تھا اور اس پر یہ واضح نہ ہو سکا کہ فریقین میں سے کس کو ترجیح دے۔ یہ جماعت فریقین سے کنارہ کش رہی اور ان حضرات کے حق میں یہ کنارہ کشی ہی واجب تھی" (ایضاً مقام صحابہ ص ۱۰۸)

ثابت ہوا کہ امام اسفرائینی کے نزدیک توقف جمہور اہل سنّت کا مسلک نہیں بلکہ حضرت علی کا مصیب ہونا اہل سنّت کا متفق علیہ مسلک ہے۔

(نوٹ) مذکورہ تینوں حضرات جن کا مسلک نقل کیا گیا ہے یعنی امام عبدالقاہر، علامہ ابن حزم اور امام ابو اسحٰق اسفرائینی، امام غزالی سے متقدم (پہلے) ہیں۔

(۴) امام غزالی رحمہ اللہ

حجۃ الاسلام امام غزالی رحمہ اللہ متوفی ۵۰۵ھ کی عبارت جو سندیلوی صاحب نے پیش کی تھی اس پر بحث گذر چکی ہے اور حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ امام غزالی رحمہ اللہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کے قائل تھے چنانچہ فرماتے ہیں:۔

وکتبُ القوم مشحونة بالخطاءِ الاجتهادی کما صرّح به الامام الغزالی والقاضی ابوبکر وغیرهما۔

(مکتوبات امام ربانی جلد اوّل مکتوب نمبر ۲۴۹)

"اور اہل سنت کی کتابیں خطائے اجتہادی کے قول سے بھری ہوئی ہیں جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تصریح کی ہے"

(۵) قاضی ابوبکر بن العربی رحمۃ اللہ علیہ

امام غزالی کے شاگرد قاضی ابوبکر بن العربی متوفی ۴۵۳ھ فرماتے ہیں:۔ اور یہ جو اُن میں جنگ ہوئی تھی وہ تو قطعی معلوم ہے اور اس کا اس سبب سے ہونا بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ اس معاملہ میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف تھا۔ کیونکہ خون کے مطالبہ کرنے والے کا یہ حق نہیں ہے کہ وہ خود فیصلہ کرے اور اگر مدعی کو قاضی پر شک ہو تو اس سے یہ جائز نہیں ہو جاتا کہ اس کے خلاف بغاوت کرے بلکہ حق کا اس سے مطالبہ کرے۔ اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو جائے تو فبہا ورنہ خاموش رہے اور صبر کرے (العواصم من القواصم مترجم اُردو ص ۲۷۳، ایضاً متن عربی ص ۱۶۴ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) نیز قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں:۔

فتقرر عند علمآء المسلمین وثبت بدلیل الدین ان علیًا رضی اللہ عنه کان اماماً وانّ کل من خرج علیه باغٍ۔

(احکام القرآن جلد رابع ص ۱۷۱۸)

"اور علماء اہل اسلام کے نزدیک یہ بات مقرر اور دینی دلیل سے ثابت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی امام تھے اور جس کسی نے بھی آپ کے خلاف خروج کیا ہے باغی تھے"۔

(**نوٹ**) یہ عبارت پہلے بھی زیر بحث آ چکی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۲۹۲)

(۶) حضرت غوث اعظم

غوث اعظم حضرت الشیخ السید عبدالقادر جیلانی حنبلی قدس سرہٗ متوفی ربیع الثانی ۵۶۱ھ عقائد اہل السنت والجماعت کے بیان میں فرماتے ہیں:۔

وكان اماماً حقًّا الى ان قتل خلاف ما قالت الخوارج انه لم يكن اماماً قط تبًا لهم . واما قتاله بطلحة والزبير وعائشة ومعاوية فقد نص الامام احمد رحمه الله على الامساك عن ذلك وجميع ما شجر بينهم من منازعة منافرة وخصومة لان الله تعالىٰ يزيل ذلك من بينهم يوم القيٰمة كما قال عزّوجلّ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُتَقٰبِلِيْنَ . ولان عليًّا كان على الحق فى قتالهم لانه كان يعتقد صحة امامته على ما بيّنا من اتفاق اهل الحل والعقد من الصحابة على امامته وخلافته فمن خرج من ذلك بعد وناصبه حربًا كان باغياً خارجاً على الامام فجاز قتاله ومن قاتله من معاوية وطلحة والزبير طلبو اثار عثمان خليفة حق المقتول ظلماً والذين قتلوه كانوا فى عسكر علىؓ فكل ذهب الى تاويل صحيح فاحسن احوالنا الامساك من ذلك وردهم الى الله عزّوجلّ . واما خلافة معاوية بن ابى سفيان فثابتةٌ صحيحة بعد موت علىؓ وبعد خلع الحسن بن على رضى الله عنهما نفسه عن الخلافة وتسليمها الى معاوية (غنية الطالبين)

''حضرت علی رضی اللہ عنہ شہید ہونے تک امام برحق تھے۔ بخلاف خوارج کے کہ وہ کہتے ہیں کہ آپ امام (حق) نہ تھے۔ان کے لئے ہلاکت ہے۔اور آپ کے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کرنے کے بارے میں امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح کی ہے کہ ان حضرات کے مابین جو نزاع اور لڑائی جھگڑا ہوا ہے ان کو بیان نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی باہمی کدورت کو دور کر دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "ہم ان کے دلوں کی کدورت نکال دیں گے اور وہ ایک دوسرے کے سامنے تختوں پر بیٹھنے والے آپس میں بھائی بھائی ہوں گے اور اس بنا پر کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ان سے قتال کرنے میں حق پر تھے کیونکہ آپ اپنی امامت صحیح ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے اس بنا پر کہ (جیسا ہم نے پہلے بیان کیا ہے) کہ آپ کی امامت وخلافت پر اہل حل و عقد صحابہ کا اتفاق ہو گیا تھا۔ پس اس کے بعد جس نے آپ کے خلاف خروج کیا ہے اور آپ کے ساتھ جنگ قائم کی ہے وہ امام کا باغی اور خارجی تھا اس لئے اس کے ساتھ قتال کرنا جائز تھا۔ اور حضرت معاویہ، حضرت طلحہ وحضرت زبیر نے جو آپ سے جنگ کی ہے تو وہ خلیفہ برحق و مظلوم (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ) کے قصاص لینے کی بنا پر کی تھی اور جن لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک نے (اپنے اجتہاد میں) تاویل صحیح اختیار کی ہے۔ پس ہمارے لئے سب سے بہتر یہ ہے کہ ان کا ذکر نہ کریں اور ان کا معاملہ اللہ عزوجل کے حوالے کر دیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت حسن بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کی اپنی خلافت سے دستبرداری اور حضرت معاویہ کے سپرد کرنے کے بعد حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی خلافت ثابت اور صحیح ہے"۔

مندرجہ عبارت میں حضرت سیّد جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ لکھنا کہ حضرت علی امام برحق تھے اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے قتال کرنے میں حق پر تھے" اور پھر یہ لکھنا کہ "حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی صلح کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت صحیح ہے"۔ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک اس قتال میں حضرت معاویہ وغیرہ سے اجتہادی خطا ہوئی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ

کی موجودگی میں حضرت معاویہ کی خلافت صحیح نہ تھی اور مشاجرات وقتال کے واقعات کے ذکر نہ کرنے کو اچھا سمجھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضرت سیّد جیلانی رحمۃ اللہ علیہ توقف کے قائل تھے۔ اگر آپ کا مسلک توقف کا ہوتا تو پھر آپ یہ کیوں فرماتے کہ حضرت علی حق پر تھے اور حضرت معاویہ کی خلافت بعد وفات حضرت علی وصلح حضرت حسن صحیح تھی۔ ع

ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد

(۷) امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

شارح صحیح مسلم امام محی الدین النووی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں:۔

وکان علی رضی اللّٰہ عنہ ھو المحق المصیب فی ذلک الحروب ھذا مذھب اھل السنۃ .

(نووی کتاب الفتن . جلد دوم ص ۳۹۰)

''اوران جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق وصواب پر تھے۔ اہل سنّت کا یہی مذہب ہے''۔

(۸) صاحب ہدایہ

امام علی بن ابی بکر فرغانی مرغینائی صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۹۳ھ لکھتے ہیں:۔

ثم یجوز التقلّد من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لانہ الصحابۃ تقلدوا من معاویۃ والحق کان بید علی رضی اللّٰہ عنہ فی نوبتہ (ھدایہ کتا ب ادب القاضی)

''پھر سلطان جائر سے عہدہ قبول کرنا جائز ہے جیسا کہ سلطان عادل سے قبول کرنا جائز ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے عہدہ قبول کیا تھا حالانکہ اپنی خلافت کے دور میں حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا''۔

صاحب ہدایہ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حق وصواب پر ماننے کی وجہ سے حضرت

معاویہ رضی اللہ عنہ کو سلطان جائز قرار دیا ہے اور یہاں جور سے مراد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی ہے۔ اور اس کی مفصل بحث گزر چکی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص۴۱۶)

(۹) امام ابن ہمام رحمہ اللہ

شارح ہدایہ امام ابن ہمام رحمہ اللہ متوفی ۸۶۱ھ نے فتح القدیر پر شرح الہدایہ میں مندرجہ عبارت کی شرح میں صاحب ہدایہ کے بیان کردہ مسلک کی تائید کی ہے۔ علاوہ ازیں انہوں نے اپنی کتاب المسایرہ میں بھی حضرت علی المرتضیٰ کی خلافت کے متعلق فرمایا ہے:۔

واتفق اهل الحق على ان معاوية ايام عليؓ من الملوك لا الخلفآ.

''اور اہل حق کا اس امر پر اتفاق ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بادشاہوں میں سے تھے نہ کہ خلفاء سے''۔

یہاں اجتہادی خطا کی بنا پر ہی حضرت معاویہ کو ملک قرار دیا گیا ہے نہ کہ خلیفہ۔ اور امام ابن ہمام کے نزدیک اہل حق کا یہ متفق علیہ عقیدہ ہے۔ ابن ہمام رحمہ اللہ کی عبارت پر بحث گذر چکی ہے۔ (ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص۴۱۹)

(۱۰) امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ

امام ابن تیمیہ متوفی ۷۲۸ھ مشاجرات صحابہ کی بحث میں فرماتے ہیں:۔

والذين قاتلوه لا يخلو اما ان يكونوا عصاة او مجتهدين مخطئين او مصيبين وعلى كل تقدير فهذا لا يقدح فى ايمانهم ولا يمنعهم الجنة (منهاج السنة جلد دوم ص۲۰۵)

''اور جن لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کی ہے وہ اس حال سے خالی نہیں کہ یا تو وہ گنہگار ہیں یا مجتہد ہیں خطا کرنے والے یا صواب کو پانے والے۔ اور بہر صورت یہ امر اُن کے ایمان میں خرابی کا باعث نہیں ہے اور ان کے جنت میں جانے کے لئے مانع نہیں ہے''۔

اس کے بعد اسی سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

ولهذا اتفق اهل السنة على انه لا تفسق واحدة من الطائفتين وان قالوا فی احداهما انهم كانوا بغاة لانهم كانوا متاولین مجتهدین والمجتهد المخطیء لا یکفر ولا یفسق.

''اور اسی وجہ سے اہل سنت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان دونوں گروہوں میں سے کوئی بھی فاسق نہیں ہے۔ اگرچہ وہ ایک دوسرے کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ باغی ہیں کیونکہ وہ مجتہد ہیں اور تاویل کرنے والے ہیں اور مجتہد مخطی نہ کافر ہوتا ہے نہ فاسق''۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ علامہ ابن تیمیہ کے نزدیک جمہور اہل سنت کا مسلک توقف کا نہیں ہے اور نہ کل مجتہد مصیبؒ کا ہے بلکہ وہ فریقین میں سے کسی ایک کے بارے میں خطائے اجتہادی کے قائل ہیں اور اس کو اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ قرار دیتے ہیں اور گو ابن تیمیہ نے یہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب ہونے کی تصریح نہیں کی لیکن آپ کا مسلک یہی ہوگا۔ کیونکہ امام غزالی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:۔ ولم یذھب الی تخطئة علیؓ ذو تحصیل اصلاً (احیاء العلوم باب العقائد) ''اور کسی صاحب علم نے یہ نہیں کہا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں اجتہادی غلطی ہوگئی تھی علاوہ ازیں ابن تیمیہ حضرت علی کو حدیث اولی الطائفتین بالحق کا مصداق قرار دیتے ہیں (منہاج السنۃ)۔ علامہ ابن تیمیہ کی مندرجہ عبارتوں کی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

(ملاحظہ ہو کتاب ہذا ص ۲۷۲)

(۱۱) حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ

مفسر و محدث و مؤرخ حافظ ابن کثیر الدمشقی متوفی ۷۷۴ھ مشاجرات صحابہ کی بحث میں حدیث اولی الطائفتین بالحق کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

وان اصحاب علیؓ ادنی الطائفتین الی الحق وهذا هو

مذهب اهل السنة والجماعة ان عليا هو المصيب وان كان معاوية مجتهداً وهو ماجور ان شآء الله ولكن علياً هو الامام فله اجران (البدايه والنهايه جلد۷ ص ۲۸۰ طبع بيروت)

''اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ دونوں گروہوں میں سے حضرت علی رضی اللہ عنہ زیادہ حق پر تھے اور اہل السنّت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ (اپنے اجتہاد میں) صواب پر تھے اگر چہ حضرت معاویہ کو بھی مجتہد ہونے کی وجہ سے (ایک) اجر ملے گا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی اس وقت کے امام تھے اس لئے ان کو دو اجر ملیں گے''۔

یہاں حافظ ابن کثیر نے واضح طور پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مصیب ہونے (اور حضرت معاویہ کے مخطی) ہونے کو اہل السنّت والجماعت کا مذہب قرار دیا ہے۔

(۱۲) حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ

مشہور محدث شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۵۲ھ فرماتے ہیں:۔

وذهب جمهور اهل السنة الى تصويب من قاتل مع عليؓ لا متثال قوله تعالىٰ وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا الأية وفيها الامر بقتال الفئة الباغية وقد ثبت ان من قاتل عليًا كانوا بغاة وهؤلآء مع هٰذا التصويب متفقون على انه لا يذم واحد من هؤلآء بل يقولون اجتهدوا فاخطؤا . وذهب طائفة قليلة من اهل السنة وهو قول كثيرٌ من المعتزلة ان كلاً من الطائفتين مصيبٌ وطائفة الى ان المصيب طآئفة لا بعينها.

(فتح الباری جلد۱۳ كتاب الفتن ص ۵۸)

''اور جمہور اہل السنّت کا مسلک یہ ہے کہ جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو کر لڑنے والے ہیں وہ صواب پر تھے کیونکہ انہوں نے اس آیت پر عمل کیا تھا

"اگر مومنین میں سے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو" اور اس آیت میں باغی گروہ کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم ہے۔ اور تحقیق یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی ہے وہ باغی تھے اور یہ حضرات (یعنی جمہور اہل السنّت والجماعت) باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کو صواب پر قرار دینے کے اس امر پر بھی متفق ہیں کہ جنہوں نے ان سے جنگ کی ہے وہ قابل مذمت نہیں ہیں۔ بلکہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اجتہاد کیا جس میں ان سے خطا ہو گئی۔ اور اہل السنّت میں سے ایک قلیل گروہ کا یہ مسلک ہے اور اکثر معتزلہ بھی یہی کہتے ہیں کہ یہ دونوں گروہ صواب پر تھے۔ اور ایک گروہ اس بات کا قائل ہے کہ ان میں سے بلا تعیین ایک گروہ صواب پر ہے"

حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی جمہور اہل السنّت کا مسلک فریق ثانی کی اجتہادی خطا کا واضح کر دیا ہے اور فریقین کے صواب پر ہونے کا مسلک قلیل اہل السنّت اور کثیر معتزلہ کا قرار دیا ہے۔

(۱۳) حافظ ابن حجر مکی رحمہ اللہ

المحدث الفقیہ حافظ ابن حجر مکی ہیتمی رحمہ اللہ متوفی ۹۷۴ھ/۹۷۳ھ فرماتے ہیں:۔

ومن اعتقاد اهل السنة والجماعة ان ما جرى بين معاوية وعلى رضى الله عنهما من الحروب فلم يكن لمنازعة معاوية يعنى فى الخلافة للاجماع على حقيقتها لِعَلِيٍّ كَمَامَرَّ. (صواعق محرقة ص۱۲۹)

"اور اہل السنّت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے درمیان جو جنگیں ہوئی ہیں وہ حضرت علی کی خلافت کے بارے میں نزاع کرنے کی وجہ سے نہ تھیں کیونکہ جیسا کہ گذر چکا ہے کہ حضرت علی کی خلافت کے برحق ہونے پر اجماع ہے"

اس کے بعد انہی مشاجرات کے سلسلہ میں بحث کرنے کے بعد لکھتے ہیں:۔

ومن اعتقاد اهل السنة والجماعت ایضاً ان معاویة رضی اللّٰہ عنہ لم یکن فی ایام علیؓ خلیفةً وانما کان من الملوك وغایة اجتهاده انه کان له اجر واحد علی اجتهاده واما علیؓ فکان له اجران اجرٌ علی اجتهاده واجر علی اصابته.

(ایضاً ص ۱۲۹)

"اور اعتقاد اہل السنت والجماعت میں سے یہ بھی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ایام خلافت میں خلیفہ نہ تھے بلکہ بادشاہ تھے اور ان کے اجتہاد کی غایت یہ ہے کہ ان کو اس اجتہاد پر ایک اجر ملے گا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے اس میں دو اجر ہیں ایک اجتہاد کرنے کا اور دوسرا اس میں صواب پر ہونے کا"۔

یہاں محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تصریح کر دی ہے کہ ان جنگوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مصیب (صواب پر) اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو (خطا پر) ماننا اہل السنت والجماعت کے عقائد میں شامل ہے۔

(۱۴) حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ متوفی ۱۰۱۲ھ کا مسلک گزشتہ مباحث میں متعدد بار پیش کیا جا چکا ہے چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں:۔ "لیکن جمہور اہل السنت بدلیلے کہ برایشاں ظاہر شدہ باشد برانند کہ حقیت در جانب امیر بودہ ومخالف او راہ خطارا پیمودہ لیکن ایں خطا چوں خطائے اجتہادی است از ملامت وطعن دور است الخ (مکتوبات امام ربانی جلد ثانی مکتوب نمبر ۳۶۔ طبع قدیم ص ۵۴) "لیکن جمہور اہل سنت اس دلیل کی بنا پر جو اُن پر ظاہر ہوئی ہے اس مسلک پر ہیں کہ حق حضرت امیر رضی اللہ عنہ (علی) کی جانب تھا اور آپ کے مخالفین خطا کے راستے پر چلے ہیں۔ مگر یہ خطا چونکہ اجتہادی ہے اس لئے طعن و ملامت سے دُور ہے"۔ اس بحث میں پوری عبارت کتاب ہذا ص ۱۵۱ پر منقول ہے۔

(۱۵) علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ محدث

علامہ علی قاری محدث حنفی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں:۔

(ا) وقد كان امر طلحةؓ و الزبيرؓ خطاء غير انهما فعلاما فعلا عن اجتهادٍ و كانا من اهلِ الاجتهادِ . وقد ندما على ما فعلا و كذا عائشة (رضى الله عنها) ندمت على ما فعلت وكانت تبكى حتى تبلّ خمارها ثم كان معاوية مخطئا الا انه فعل ما فعل عن تاويل فلم يصر به فاسقاً .

(شرح فقه اكبر ص ۸۲ مطبوعه دهلى)

''حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا معاملہ خطا (پر مبنی) تھا۔ مگر وہ دونوں چونکہ مجتہد تھے اور انہوں نے اپنے اجتہاد کی بنا پر ایسا کیا (اس لئے قابل ملامت نہیں ہیں) ان دونوں نے اپنے اس فعل پر ندامت کا اظہار کیا تھا اور اسی طرح حضرت عائشہ (صدیقہ رضی اللہ عنہا) نے بھی اظہار ندامت کیا تھا کہ روتے روتے آپ کا دوپٹہ آنسوؤں سے تر ہو جاتا تھا پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس میں اجتہادی غلطی کی تھی مگر انہوں نے جو کچھ کیا تاویل کی بنا پر کیا تھا۔ اس لئے اس وجہ سے آپ فاسق نہیں قرار پاتے''۔

(ب) نیز محدث علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

واما كفّ الالسنة عن الطعن فيهم فان كلاً منهم مجتهد وان كان على رضى الله عنه مصيباً فلا يجوز الطعن فيهما . والاسلم للمومنين ان لا يخوضوا فى امرهما قال عمر بن عبدالعزيز تلك دمآء طهّر الله ايدينا منها فلا نلوّث السنتنا بها . قال النووى رحمه الله كان بعضهم مصيباً مُخطئاً معذوراً فى الخطاء لانه كان بالاجتهاد والمخطىء اذا خطأ لا اثم عليه وكان على رضى الله عنه هو المحق المصيب

فی تلك الحروب هذا مذهب اهل السنة .

(مرقاۃ جلد ۱۰ ص ۱۳۲ طبع امدادیہ ملتان)

''اور ان (صحابہ) پر طعن کرنے سے اپنی زبانوں کو روکنا اس وجہ سے ہے کہ وہ سب مجتہد تھے اگرچہ ان میں حضرت علی مصیب تھے (یعنی آپ کا اجتہاد صحیح تھا) پس ان دونوں فریقوں میں سے کسی پر طعن جائز نہیں ہے اور مومنین کے لئے زیادہ سلامتی اس میں ہے کہ ان دونوں کے معاملہ میں غور و خوض نہ کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ یہ ایسے خون ہیں کہ اللہ تعالی نے ہمارے ہاتھوں کو ان سے پاک رکھا ہے پس ہمیں ان کے ساتھ اپنی زبانوں کو ملوث نہ کرنا چاہیے۔ (امام) نووی فرماتے ہیں کہ ان میں سے بعض مصیب تھے اور بعض خطا کرنے والے۔ (مگر) اس میں معذور تھے۔ کیونکہ ان سے یہ خطا اجتہاد کی بنا پر ہوئی اور اجتہاد میں خطا کرنے والے پر کوئی گناہ نہیں ہے اور ان لڑائیوں میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی حق اور صوب پر تھے۔ یہ ہے مذہب اہل السنّت''۔

علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا علامہ عبدالعزیز صاحب فرہاروی متوفی ۱۲۳۹۔۱۲۴۰ھ اپنی مشہور کتاب النبراس شرح العقائد میں فرماتے ہیں:۔

وقال اهل السنة كان الحق مع عليؓ وان من حاربه مُخطئٌ فى الاجتهاد فهو معذور وان كلاًّ من الفريقين عادلٌ صالحٌ ولا يجوز الطعن فى احد منهم (النبراس طبع جديد ص ۵۰۲)

''اور اہل السنّت کا قول یہ ہے کہ حق حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور جس نے آپ سے جنگ کی ہے وہ اپنے اجتہاد میں خطا پر تھے اور معذور تھے۔ اور بے شک فریقین میں سے ہر ایک عادل اور صالح تھا اور ان میں سے کسی پر طعن کرنا جائز نہیں ہے''۔

(ب) نیز علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ متکلم ومحدث فرماتے ہیں:۔

والصحابة الاربعة مجتهدون فی الحرب مخطئون فيه وعلیٌّ مجتهد مصيبٌ الخ

''اور چاروں صحابہ (یعنی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ اس جنگ میں اجتہادی طور پر خطا کرنے والے ہیں اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں صواب پر ہیں'' (الناهية عن طعن امير المؤمنين معاوية رضی اللہ عنہ)

علاوہ ازیں اسی کتاب میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے متعلق حدیث تقتلك الفئة الباغية (تجھے باغی گروہ قتل کرے گا) کے تحت لکھتے ہیں:۔

فان اهل السنة اجمعوا ان من خرج علی عليٍّ كرّم الله وجهه خارج علی الامام الحق الا ان هٰذا البغی الاجتهادی معفوٌّ عنه .

''اہل السنّت کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے خلاف نکلے ہیں وہ امام حق کے خلاف خروج کرنے والے ہیں۔ مگر یہ بغاوت چونکہ اجتہادی ہے اس لئے معاف ہے''۔

اور علامہ فرہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب مرام الکلام فی عقائد الاسلام ص ۴۸ پر بھی اہل السنّت والجماعت کا یہی مسلک تحریر فرمایا ہے۔

(۱۷) حضرت مفتی محمد شفیع صاحب

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب بانی دارالعلوم کراچی رحمۃ اللہ علیہ نے مشاجرات صحابہ پر مفصل بحث کرتے ہوئے اہل سنّت کے اجماعی مسلک کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے خصوصاً مشاجرات صحابہ میں تو جس طرح امت کا اس پر اجماع ہے کہ دونوں فریق کی تعظیم واجب اور دونوں فریق میں سے کسی کو بُرا کہنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اس پر بھی اجماع ہے کہ جنگ جمل میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے ان کا مقابلہ کرنے

والے خطا پر۔ اسی طرح جنگ صفین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ حق پر تھے اور ان کے مقابل حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے اصحاب خطا پر۔ البتہ ان کی خطاؤں کو اجتہادی خطا قرار دیا جو شرعاً گناہ نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہو۔ بلکہ اصول اجتہاد کے مطابق اپنی کوشش صرف کرنے کے بعد بھی اگر ان سے خطا ہوگئی تو ایسے خطا کرنے والے بھی ثواب سے محروم نہیں ہوتے۔ ایک اجر اُن کو بھی ملتا ہے۔ (ایضاً مقامِ صحابہ ص ۸۹)

مندرجہ بالا عبارتیں ان حضرات اکابر اہل السنت کی ہیں جن میں متقدمین بھی ہیں اور متأخرین بھی۔ ان سے ثابت ہوتا ہے کہ اصل مسلک اہل السنت والجماعت کا یہی ہے کہ مشاجرات صحابہ کرام کے سلسلہ میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے اجتہاد میں حق و صواب پر ہیں اور فریق ثانی اپنے اجتہاد میں خطا پر ہیں۔ البتہ اجتہادی اختلاف کی وجہ سے وہ معذور اور طعن و ملامت سے دور ہیں۔ بلکہ ان حضرات کو بھی اس میں ایک اجر ملے گا۔ لیکن اس کے برعکس جو مولانا محمد اسحٰق سندیلوی اس مسلک کو متاخرین کا مسلک قرار دے کر، بالکل غلط، بے دلیل بلکہ خلاف دلیل لکھ رہے ہیں اس میں ظلم در ظلم کے مرتکب ہیں۔ اس طریق سے انہوں نے دانستہ یا نادانستہ طور پر قرآن و حدیث پر مبنی اہل السنت والجماعت کے اسی راجح اور معتدل مسلک کو پامال کرنے کی کوشش کی ہے۔ انہوں نے متقدمین و متاخرین حضرات سے (جن میں حضرات اکابر [1] دیوبند قدس اللہ اسرارہم بھی شامل ہیں) علمی اور تحقیقی اعتبار سے اعتماد اُٹھانے کی سعی لاحاصل کر کے اپنے آپ کو

---

[1] یہاں یہ ملحوظ رہے کہ مشاجرات صحابہ کرام کے سلسلہ میں دیوبندی اکابر ہوں یا بریلوی سب کا مسلک جمہور اہل السنت والجماعت کے مطابق ہے۔ اکابر علماء اہلحدیث بھی یہی مسلک رکھتے ہیں چنانچہ مسلک اہلحدیث کے پیشوا جناب مولانا میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی مرحوم کا مسلک کتاب ہٰذا میں نقل کیا جا چکا ہے۔ جس میں انہوں نے ایک استفسار کے جواب میں فرمایا ہے کہ:۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کی اور اس لڑائی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ خطا پر اور اس اجتہادی غلطی پر اہل السنت کے نزدیک سب و شتم اور بدگوئی کرنا درست نہیں ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ جلد سوم ص ۴۵۵)

خطرے میں ڈال دیا ہے۔ اکابر اہل حق کے خلاف ان کے استدلالات و اعتراضات بالکل رکیک، بودے اور بے بنیاد ہیں۔ ہم سندیلوی صاحب سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنے شخصی وقار و پندار سے بالاتر ہو کر مسلک اہل حق کی اتباع کر کے خدائے بے نیاز کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِيْنُ ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى وسلم عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ سيّدنا مُحَمَّدٍ خاتم النّبيين وعَلٰى خلفاء الراشدين والٰهٖ واصحابهٖ اجمعين

خادمِ اہل سنّت مظہر حسین غفرلہ
مہتمم مدرسہ اظہار الاسلام مدنی جامع مسجد چکوال ضلع جہلم
وامیر تحریک خدام اہل سنّت، پاکستان
۲ رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ ۲۴ جون ۱۹۸۲ء

ضمیمہ

''خارجی فتنہ'' حصہ اوّل پر بعض اعتراضات کا علمی جائزہ

نوٹ: ''خارجی فتنہ'' حصہ اوّل جب پہلی بار طبع ہوا تو اس کی بعض عبارات، بلکہ بعض جملوں پر مولانا قاضی شمس الدین درویش نے اعتراضات کیے تھے جن کا جواب حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ نے ماہ نامہ حق چار یارؓ لاہور بابت مئی ۱۹۹۱ء میں شائع کر دیا تھا، اب ''خارجی فتنہ'' کے جدید اڈیشن میں مناسب معلوم ہوا کہ اس مضمون کو بطور ضمیمہ شامل کر دیا جائے۔ تاکہ قارئین ایک ہی کتاب میں دو لطف اُٹھا سکیں۔

''مولانا قاضی شمس الدین درویش اور یزیدی ٹولہ'' کے عنوان سے حضرت رحمہ اللہ نے قسط وار ایک جامع مضمون تحریر فرمایا تھا، خدا کرے کہ یہ بھی جلد کتابی شکل میں چھپ کر اہل ذوق کو تسکین دے سکے۔

(عبدالجبار سلفی)

"خارجی فتنہ"

حصہ اوّل پر بعض اعتراضات کا علمی جائزہ

ماہنامہ "حق چار یارؓ" کے سابقہ شمارے میں اس مضمون کی قسط ۸ شائع ہوچکی ہے جس کے آخر میں حافظ ابن کثیر محدثؒ کی کتاب البدایہ والنہایہ جلد ہفتم کی وہ عبارت درج کی گئی ہے جس میں ابن کثیر رحمہ اللہ نے حکمین کے متعلق زیر بحث روایت کو موضوع قرار دیا ہے اور سند کے اعتبار سے ایک راوی زکریا بن یحییٰ کو مجروح قرار دیا ہے۔ اس کے جواب میں بندہ نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی تہذیب التہذیب سے لاباس بہ کے تحت اس کا قابلِ اعتماد ہونا ثابت کیا ہے۔

درایت کے اعتبار سے حافظ ابن کثیر محدثؒ نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے:

اذ لو کان ھذا معلوماً عند علیؓ لم یوافق علی تحکیم الحکمین حتی لایکون سبباً لاضلال الناس کما نطق به ھذا الحدیث.

"یعنی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حکمین کا فیصلہ لوگوں کی گمراہی کا سبب بنے گا اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم ہوتا تو وہ حکمین کے تقرر کو ہی قبول نہ کرتے۔"

لیکن حافظ ابن کثیر کا اس میں تسامح پایا جاتا ہے کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور پیش گوئی فرمادیا کہ حکمین اس میں خطا کریں گے تو پیش گوئی تو بہر حال پوری ہونی تھی اور کوئی تدبیر تقدیر کو رد نہیں کر سکتی اس لیے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ یہ سوچ ہی نہیں سکتے تھے کہ کسی تدبیر سے رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کو پورا نہ ہونے دیا جائے اور غالباً اسی پیشگوئی کا تقاضا تھا کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے حکمین کی تجویز کو قبول کرلیا۔

اور جب حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے ضل کی مراد واضح کر دی کہ ان حکمین سے اجتہادی خطا ہوئی اور اجتہادی خطا پر بھی جب حسب حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ایک اجر ملتا ہے تو کوئی اہل علم تو اس حدیث کے مفہوم پر اعتراض نہیں کر سکتا باقی رہے جناب درویش اور ان کے ہم نوا تو وہ تو جہل مرکب میں مبتلا ہیں۔ واللہ الہادی

خارجی فتنہ حصہ اوّل کی عبارتیں:

مولانا قاضی شمس الدین صاحب درویش سے تحریری بحث کی ابتدا یزید کے بارے میں ہوئی تھی اور اس سلسلے میں میرے بعض جوابی خطوط اٹھائیس اور تیس صفحات پر بھی مشتمل تھے۔ انہوں نے دفاع یزید کے جذبہ میں اپنی جہالت سے تین چار یزیدی کمانڈروں کو صحابی قرار دیا اور مہلب محدث کو بھی صحابی سمجھا جس میں ان کو زک اٹھانا پڑی۔ بحث فسق یزید میں قرآن کی موعودہ خلافت راشدہ پر بھی ضمناً روشنی ڈالی گئی۔ اس میں بھی انہوں نے چار خلفاء راشدین کی خلافت کو منصوصہ نہیں بلکہ منصوبہ قرار دیا اور ناصبی کے معنی میں بھی ان کو پریشانی اٹھانی پڑی اور اسی قسم کی پریشانیوں کے ازالہ کے لیے انہوں نے میری تصنیف خارجی فتنہ حصہ اوّل کی بعض عبارتوں کو ہدف بنایا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے مکتوب محررہ ۲۸/ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ (۲۵ ستمبر ۱۹۸۴ء) میں لکھا کہ باعث تصدیق یہ ہے کہ آج رات بعد عشاء آپ کی تصنیف خارجی فتنہ حصہ اول دیکھ رہا تھا (ص ۴۵۵) پر یہ عبارت نظر پڑی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ پھر دو سطر بعد اللہ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے۔

تو یقین جانیے کہ فقیر سر سے پاؤں تک کانپ گیا۔ اس لیے نہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد نہ تھے۔ وہ یقیناً خلیفہ راشد تھے لیکن بے خیالی میں دو جلیل القدر صحابہ یعنی نمبر ۱ قائد غزوہ ذات السلاسل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جن کی ماتحتی میں حضرات شیخین اور امین الامت حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح جیسے عشرہ مبشرہ کے انتہائی اکابر صحابہ بھی تھے اور کتنے دن رات یہ سب صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں نمازیں پڑھتے رہے اور نمبر ۲ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جیسے اکابر کو گناہگار اور یقیناً نافرمانی

کرنے والے قرار دے دیا گیا، اور قرار کس نے دیا؟ پندرہویں صدی کے ایک عجمی عالم نے۔ تو یقین مانیے رات بھر نیند نہیں آئی آخر دو بجے اٹھ بیٹھا اور آپ کو یہ عریضہ لکھنا شروع کر دیا۔ مثل مشہور یاد آئی...... ایاز قدر خود را بشناس

② ...... پھر ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ (۳ر فروری ۱۹۸۵ء) کے مکتوب میں جناب درویش نے لکھا کہ: آپ نے کتاب خارجی فتنہ میں آیت استخلاف و تمکین کی تشریح میں زورِ تحریر سے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ بن العاص اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ اشعری کو گناہگار تک لکھ دیا جو از حد افسوسناک ہے۔ ترتیب خلافتِ راشدہ کا اس طرح منصوص ہونا اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم تک کو معلوم نہ تھا۔ اکابر انصار نے طے کر لیا تھا کہ خلیفہ انصار میں سے ہوگا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے حضرات شیخین کو وہاں پہنچا دیا اور لفظی ردوکد کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوگئے۔ چونکہ بعد کی امت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کر لیا تھا لہٰذا بعد کے اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔

③ ...... پھر یکم رجب ۱۴۰۵ھ کے مکتوب میں درویش صاحب موصوف نے لکھا: ہرنولی ضلع میانوالی کا لکھا ہوا گرامی نامہ محررہ ۲۵ر جمادی الثانیہ ۱۴۰۵ھ ملا۔ خیریت معلوم ہو کر مسرت ہوئی۔ طالبِ دعا بھی بحمد اللہ بخیریت ہے۔ آپ نے تحریر فرمایا کہ: خارجی فتنہ حصہ اوّل کی بعض عبارتوں سے آپ کے شبہات کا ازالہ ہوگیا ہے۔ مخدوم ما، لاریب کہ کتاب ''آفتاب ہدایت'' کے بعد کتاب دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فتنہ رفض کے خلاف ایک مضبوط ہتھیار ہے۔ لیکن یہ اپنی جگہ پر ہے اور اس سے خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۵۵ کی وہ عبارتیں جو آپ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور قائد غزوۂ ذات السلاسل حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو جن کی فوج میں حضرات شیخین اور حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تھے ① ناجائز کام کرنے والے ② گناہ کا کام کرنے والے ③ سخت نافرمانی کرنے والے ④ اور حکم خداوندی کے خلاف کرنے والے جیسے نامناسب جملے لکھے ہیں، کتاب دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے ان کا کوئی ازالہ نہیں ہوتا، نہ ہو سکتا ہے۔

④ ...... پھر مکتوب محررہ ۶ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ (۶ نومبر ۱۹۸۹ء) میں لکھا کہ جناب نے خارجی فتنہ حصہ اوّل از (ص ۴۵۴) تا (ص ۴۵۹) خصائص بیہقی سے جو روایت (ص ۴۵۶) پر نقل کی ہے۔ وہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق منکر اور موضوع ہے۔ اگر آپ کی صحت اجازت دے تو آپ یہ دونوں مقامات دیکھ سکتے ہیں۔ پس مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موضوع حق کے بعد یہ تین صفحات از ص ۴۵۶ تا ۴۵۸ سے رجوع فرمالیں اور اس کا اعلان رسالہ ''حق چار یار'' میں بھی کیا جا سکتا ہے اور دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی روح سے بھی معافی مانگیں۔ (قاضی صاحب درویش کے اس خط کی متعلقہ پوری عبارت زیر بحث مضمون قسط نمبر ۸ میں نقل کی جا چکی ہے)۔

⑤ ...... قاضی شمس الدین درویش موصوف نے حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی مہتمم مدرسہ حقانیہ ساہیوال کے نام اپنے مکتوب محررہ ۱۶/۱۰/ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں بعنوان ''قاضی مظہر صاحب کی بات'' یہ لکھا کہ ابتداء میں فقیر کو قاضی مظہر حسین صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ پھر مکاتبت شروع ہوئی پھر خارجی فتنہ حصہ اوّل میں حضرات حکمین کے متعلق تلخ نوائی پڑھی تو دل کھٹا ہو گیا۔ جناب نے حدیث ارحم امتی بامتی ابوبکر واشدھم فی امر اللہ عمر سے جو استدلال فرمایا فقیر کو کم علمی کی وجہ سے سمجھ نہیں آیا۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کی ارحمیت امتِ مسلمہ کے لیے تھی۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کی اشدیت کفار کے لیے تھی وہ بالکل ابتدائی بزرگ تھے۔ اب پندرہویں صدی کے قاضی صاحب قرن اولی کے دو جلیل القدر صحابیوں کو یقیناً گناہگار، نافرمان لکھیں تو یہ فقیر سے برداشت نہیں ہو سکتی۔ حکمین کے متعلق جو موضوع حدیث ضالا فاضلا لکھی ہے اس کی ابن کثیر رحمہ اللہ نے سخت تردید لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو جلد ۶، ص ۲۱۶، ج ۷، ص ۲۸۴ طبع مصر تاریخ ابن کثیر۔ پھر مولانا تقی عثمانی کا ملک غلام علی صاحب سے تحریری معرکہ شروع ہو گیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور تاریخی حقائق نامی کتاب چھپی اور اس کے علاوہ بے شمار موافق مخالف مواد برسوں پڑھا جس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور خود یزید کے متعلق صحیح صورت حال سمجھنے میں بہت مدد ملی اور یہ معلوم ہوا کہ مشاجرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے وقت امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے علاوہ عشرہ مبشرہ کے چار

اصحاب زندہ تھے۔ دو (حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ) تو تھے ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف کیمپ میں اور شہید بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فوجیوں کے ہاتھوں سے ہوئے تھے اور باقی دو (حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص اور حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید) بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہم نوا نہ تھے اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی مصالحت کر لینے کے بعد وہ بھی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت میں داخل ہو گئے تھے اور باقی صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی تین گروہ تھے۔ ایک گروہ دونوں طرف نہ تھا۔ دوسرا گروہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو باغی سمجھتا تھا۔ تیسرا گروہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو باغی سمجھتا تھا۔ تو یہ تینوں فریق مخلص مجتہد تھے اور سب نے اپنے اپنے اجتہاد پر عمل کیا۔ لہٰذا سب ہی معذور، ماجور اور عدول ہیں نووی ص ۳۹۰، ۲ پر ہے۔

اسی مکتوب میں درویش صاحب لکھتے ہیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرات طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ و عائشہ رضی اللہ عنہا و معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جو جنگیں ہوئیں تو ہم کو مناسب نہیں کہ ان کے آپس کے جھگڑوں میں ہم کوئی گفتگو کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کے معاملہ کو جانتا ہے۔ پھر آگے چل کر خود حضور غوث پاک فرماتے ہیں "اور ہمارے لیے یہی بہتر ہے کہ اس قسم کی گفتگو سے ہم بھی اپنی زبانوں کو روکیں اور ان کے معاملے کو خدا کے سپرد کر دیں"۔ (غنیۃ الطالبین ج ۱، ص ۱۹۰ طبع لاہور ۱۲۸۲ھ) لیکن قاضی صاحب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو خاطی اور باغی لکھتے ہی چلے جا رہے ہیں اور متاخرین حضرات کے کچھ نظریات سامنے لا رہے ہیں لیکن ابتداء صدر اوّل کے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان مشاجرات کو جس طرح سمجھا اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو فیصلے فرمائے ہیں وہ متاخرین حضرات کی ذاتی آراء پر ہزار درجہ بھاری ہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق خود حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ واقضاھم علی ۔ بنابریں مابین مشاجرات صحابہ رضی اللہ عنہم فقیر مسلک توقف کو ہی انسب سمجھتا ہے۔ بہر حال فقیر کا ذوق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو صوری اور اجتہادی خطا اور بغاوت کا مرتکب نہ قرار دیا جائے اسی لیے فقیر جناب قاضی صاحب کی اس سخت نویسی کی تائید نہیں کر سکتا جہاں انہوں نے بمصداق "چھوٹا منہ بڑی بات" صدر اوّل کے دو عظیم اور جلیل القدر صحابیوں کو گناہ کا

کام کرنے والے۔ یقیناً سخت نافرمانی کرنے والے (ص ۴۵۵) اور حکم خداوندی کا خلاف کرنے والے (ص ۴۵۸) خارجی فتنہ حصہ اوّل میں لکھ مارا ہے۔

وائے گرلیں امروز بود فرد اے

اور قاضی صاحب کی یہ تند مزاجی موروثی ہے۔ ان کے والد صاحب نے بھی جو کٹر بریلوی تھے اور مناظرہ سلانوالی ۱۹۳۶ء میں اہل بدعت کے صدر تھے حضرت گنگوہی رحمہ اللہ اور حضرت انبیٹھوی رحمہ اللہ کو نام بنام قطعی کافر اور خارج از اسلام لکھا ہے۔ ان کے مکروہ فتوی کی عکسی نقل ارسال ہے۔

الجواب:

قاضی شمس الدین صاحب درویش نے خارجی فتنہ حصہ اوّل کی محل اعتراضات عبارتوں کے متعلق جو مجھے خطوط لکھے ہیں یا جو مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی زید فضلہم کو خط لکھا ہے ان کے اقتباسات یہاں قارئین کی خدمت میں پیش کر دیے ہیں تاکہ درویش صاحب یہ نہ کہہ سکیں کہ ان کے خطوط کو نظر انداز کر دیا گیا ہے اور ایک عالم دین کے نام جو انہوں نے اس سلسلے میں ایک خط نقیب ختم نبوت نومبر ۱۹۹۰ء میں شائع کیا ہے وہ مضمون یزیدی ٹولہ قسط نمبر ۸ میں پہلے درج کر دیا گیا ہے۔ یہاں قاضی درویش صاحب کا جواب دو طرح عرض کروں گا ① الزامی ② تحقیقی۔ الزامی جواب یہ ہے کہ اگر درویش صاحب دیانتداری سے میری زیر بحث عبارتوں کو سبائیت اور شیعیت پر مبنی سمجھتے تھے تو پھر انہوں نے انہی خطوط میں میرے متعلق قابل مدح واحترام کلمات کیوں لکھے۔

مثلاً مکتوب ۲۸ر ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ میں:

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام لطفہ

② ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ بخدمت گرامی فخر اہل سنت وکیل الصحابہ الحاج حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ ودام لطفہ۔

③ یکم رجب ۱۴۰۵ھ بخدمت جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام لطفہ۔

④ مکتوب ۸ر محرم ۱۴۰۶ھ۔ بخدمت جناب فخر اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ ودام لطفہ گزارش آنکہ آپ کا والا نامہ محررہ ۲۴ر ذی الحجہ فقیر کو

۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۰۵ھ کو مل گیا تھا۔ اس سے ایک دن پہلے مرسلہ پارسل جس میں کتاب لاجواب آفتاب ہدایت اور کشف خارجیت اور روداد مدرسہ اور چند نسخے احتجاجی مکتوب کے ملے تھے۔ احتجاجی نسخے تو اہم مقامات پر دُور و نزدیک تقسیم کر دیے…… یہ وضاحت بہت ضروری ہے کہ فقیر کو آپ کے ساتھ موانست و مطابقت ہے معاندت اور منافست بالکل نہیں ہے اور فقیر آپ کا حلیف ہے حریف نہیں۔

قارئین حضرات! اندازہ فرمایئے جناب درویش مذکورہ محل اعتراض عبارتوں کے باوجود (جس کو اب سبائیت قرار دے رہے ہیں) بندہ کے ساتھ موانست اور مطابقت کا اظہار فرما رہے ہیں۔

⑤ مکتوب ۵؍ ربیع الاوّل ۱۴۰۶ھ میں مخدوم مکرم فخر اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام لطفہ

⑥ ۶؍ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ محب مکرم جناب مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ۔ پرسوں ایک دوست سے معلوم ہو کر بہت افسوس ہوا کہ ان دنوں آپ کی طبیعت سخت ناساز ہے۔ دفاع صحابہ و حضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنی بساط و استعداد کے مطابق جناب کی جو مساعی حسنہ ہیں وہ قابل قدر ہیں اللہ تعالیٰ آپ کا زادِ آخرت بنائے۔ زلات کو معاف فرمائے۔

⑦ مولانا حکیم حافظ محمد طیب صاحب کے نام اپنے مکتوب محررہ ۴؍ شوال ۱۴۱۰ھ (۴؍ مئی ۱۹۹۰ء) میں ماہنامہ حق چار یارؓ (شعبان و رمضان ۱۴۱۰ھ) میں مفتی مزمل حسین کاپڑیا (کراچی) کے شائع کردہ ایک مضمون پر تنقید و اعتراض کرنے کے بعد آخر میں لکھتے ہیں کہ: پھر تعجب کی بات یہ ہے کہ حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہ جو مذہب رفض کے مضمرات اور دسیسہ کاریوں کو سمجھنے والی باریک بین عقابی نگاہ کے مالک ہیں ان کی نگاہ سے اوجھل ہو کر یہ مضمون کس طرح پاکستان کے انتہائی سنجیدہ ماہنامہ ”حق چار یار“ میں جگہ پا گیا۔

منقولہ خطوط سے واضح ہوتا ہے کہ جناب درویش موصوف ۲۸؍ ذی الحجہ ۱۴۰۴ھ مطابق ۲۵؍ ستمبر ۱۹۸۴ء سے لے کر ۴؍ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۴؍ مئی ۱۹۹۰ء تک قریباً چھ سال

کے عرصے میں میری تصنیف خارجی فتنہ حصہ اول کی زیر بحث عبارتوں پر اعتراض بھی کرتے رہے اور مکتوب ۶ محررہ ۶ / ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ میں تو وضاحت کر دی کہ:

''دفاع صحابہ وحضرات اہل بیت رضی اللہ عنہم کے متعلق اپنی بساط و استعداد کے مطابق جناب کی جو مساعی حسنہ ہیں وہ قابلِ قدر ہیں۔'' اور پھر میری تصنیف ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' کی تائید میں تو مستقل طور پر تائیدی تقریظ لکھی جو ماہنامہ حق چار یار رضی اللہ عنہم اگست ستمبر ۱۹۹۰ء میں شائع ہو چکی ہے لیکن اس کے باوجود ماہنامہ نقیب ختم نبوت ملتان (ذیقعدہ ۱۴۱۰ھ، جون ۱۹۹۰ء) میں ان کا ایک طویل مضمون شائع ہو گیا جس میں (ص ۲۰) پر یہ لکھ دیا کہ: ''صحیح بات تو یہ ہے کہ قاضی مظہر حسین صاحب پختہ سبائی ہیں اور حب ابن سبا سے سخت مغلوب ہیں اس لیے وہ جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم پر تبرا بکتے ہیں۔ درویش صاحب اپنے ہی قلم سے اس خادم اہل سنت کو فخر اہل سنت بھی لکھتے ہیں اور اسی قلم سے پختہ سبائی بھی لکھتے ہیں۔ تعجب ہے کہ قاضی شمس الدین صاحب درویش اتنے لمبے چوڑے جھوٹ کو ہضم کیسے کر لیتے ہیں۔ (واللہ الہادی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں متضاد بیانات:

جمہور اہل سنت کی تحقیق کے مطابق اگر میں نے یہ لکھا ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے اجتہادی خطا ہو گئی تھی تو درویش صاحب اس کو سبائیت اور شیعیت قرار دیتے ہیں لیکن خود انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مفصل ندامت نامہ شائع کیا ہے جس کا عنوان ہی یہ قائم کیا ہے ''خلیفہ راشد چہارم امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مفصل ندامت نامہ'' (نقیب ختم نبوت دسمبر ۹۰ء) بندہ نے ماہنامہ حق چار یارؓ (فروری ۱۹۹۱ء) میں اس پر تنقیدی تبصرہ کر دیا ہے۔ قارئین کرام دوبارہ مطالعہ فرمالیں۔ علاوہ ازیں جس اقرار کو ندامت نامہ اور اجتہادی خطا قرار دے رہے ہیں وہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اجتہادی خطا نہیں بلکہ ترک اولیٰ ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

وکان ترک القتال اولی من فعلہ کما ہو مذہب جمہور الصحابہ۔

''بہ نسبت جنگ کرنے کے جنگ نہ کرنا بہتر تھا جیسا کہ جمہور صحابہ کا مذہب

ہے۔" [البدایہ والنہایہ جلد ۶، ص ۲۱۴]

اور اہلِ علم جانتے ہیں کہ ترک اولیٰ وہاں بولا جاتا ہے جہاں دونوں صورتیں جائز ہوتی ہیں لیکن ان میں سے ایک صورت بہتر ہوتی ہے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ صفین گو شرعاً جائز تھی (کیونکہ اس میں خلافتِ راشدہ کا تحفظ مقصود تھا) لیکن اگر یہ جنگ نہ ہوتی تو بہتر تھا۔ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ تو نبی نہیں صحابی ہیں حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو بعض واقعات منقول ہیں اور قرآن مجید میں جن کو ذنب وغیرہ سے معتبر کیا گیا ہے تو مجتہد اہل سنت کے نزدیک ذنب سے مراد نہ گناہ ہے نہ خطا، بلکہ ترک اولیٰ ہے۔ چنانچہ مودودی نظریات کے رد میں بندہ نے عصمت انبیاء کے مسئلہ پر اپنی کتاب مفتی محمد یوسف صاحب مودودی کے علمی جائزہ کا جواب علمی محاسبہ میں مفصل و مدلل بحث لکھی ہے جو بہت مفید ہے بفضلہٖ تعالیٰ۔

قاضی شمس الدین صاحب درویش اپنے مکتوب محررہ ۱۶؍ اکتوبر ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی زید مجدہم کو لکھتے ہیں کہ: بہر حال فقیر کا ذوق یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو صوری واجتہادی خطا اور بغاوت کا مرتکب نہ قرار دیا جائے۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ندامت نامہ اپنے اس ذوق کے باوجود کیوں شائع کیا۔ یہ فقیروں اور درویشوں کا ذوق کس لیے بدلتا رہتا ہے بلکہ درویش صاحب نے تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق مولانا حافظ محمد طیب صاحب کے نام اپنے مکتوب محررہ ۸؍ شوال ۱۴۱۰ھ مطابق ۳؍ مئی ۱۹۹۰ء کے آخر میں یہاں تک لکھ دیا کہ: اور پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اپنے نامناسب ارادہ سے رجوع فرما کر التائب من الذنب کمالا ذنب لہ کے مطابق پاک اور صاف بن چکے تھے اور حضرت خاتونِ جنت بھی راضی ہوگئی تھیں لہٰذا اس حدیث سے وہ بھی بری الذمہ ہوگئے۔ مندرجہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص گناہ سے توبہ کر لیتا ہے وہ ایسا ہے کہ گویا اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔ یہ حدیث پیش کر کے قاضی شمس الدین درویش نے گناہ اور خطا کا مرتکب تو قرار دے دیا لیکن یہ عنایت بھی فرما دی کہ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے نامناسب ارادوں سے رجوع کر لیا تھا لہٰذا اب ان کا گناہ یا ان کی خطا باقی نہ رہی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درویش صاحب حضرت علی

المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی عظیم شخصیت پر چھینٹے ڈالنے کے لیے کوئی نہ کوئی روایت ڈھونڈ ہی لیتے ہیں۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

خارجی فتنہ حصہ اوّل کی زیر بحث عبارتوں کا پس منظر:

میری جن عبارتوں کو قاضی شمس الدین صاحب درویش نے محل اعتراض قرار دیا ہے وہ خلافتِ راشدہ کی بحث میں مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی صدیقی سابق استاذ جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی (مؤلف اظہار حقیقت حصہ اوّل و دوم) کے جواب میں لکھی گئی تھیں۔ انہوں نے اپنی کتاب میں حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے متعلق اپنا یہ موقف ظاہر کیا تھا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے لیکن ان کی خلافت کی نوعیت ہنگامی (Emergency) خلافت کی تھی جس میں پورے عالم اسلام کے نمائندے شریک نہ تھے اور ان کی اکثریت نے اپنا حق رائے دہی استعمال نہیں کیا تھا۔ اس صورت میں شرعاً و عقلاً ہر طرح لازم تھا کہ مناسب حالات پیدا ہونے کے بعد استصواب رائے عامہ کیا جاتا۔

(اظہارِ حقیقت بجواب خلافت وملوکیت جلد دوم ص ۱۸۳)

ان کے جواب میں میں نے لکھا کہ: مولانا سندیلوی موصوف دورِ حاضر کے الیکشن کے پیشِ نظر ایسی باتیں لکھ رہے ہیں لیکن محققین اہل سنت حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو آیت تمکین کی نص قرآنی کا مصداق قرار دیتے ہیں خواہ کوئی ان کی خلافت کو تسلیم کرے یا نہ۔

مولانا سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر عام استصواب رائے ضروری تھا تو اس کے بغیر یہ کیوں تسلیم کر رہے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اگرچہ بالکل صحیح تھی اور بے شک وہ خلیفہ برحق تھے۔ علاوہ ازیں ہمارا سوال یہ ہے کہ بقول آپ کے اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت ہنگامی تھی تو آپ سے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے قاتلین سے قصاص لینے کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔ اس صورت میں تو فریق ثانی پر لازم تھا کہ وہ سب سے پہلے آپ کی خلافت کے لیے استصواب رائے عامہ کا مطالبہ کرتے اور اگر آپ اس طریق انتخاب میں کامیاب ہو جاتے تو آپ سے قصاص کا مطالبہ کیا جاتا۔

(۲) مولانا موصوف بھی یزید کو ایک صالح اور عادل خلیفہ قرار دیتے ہیں جس کی وضاحت انہوں نے ایک غیر مطبوعہ مکتوب میں کر دی ہے (دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم ص ۵۳-۵۴) میرے جواب میں مولانا سندیلوی صدیقی موصوف نے ایک کتابچہ بنام ''جواب شافی'' شائع کیا جس میں انہوں نے یزید کے صالح ہونے کے موقف کی تائید کی اور یہ بھی تسلیم کر لیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے یعنی حضرات خلفاء ثلثہ کی خلافتوں کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے۔ (جواب شافی ص ۱۰)

اور تعجب خیز امر یہ ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت و آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق تسلیم کرنے کے باوجود بھی وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جنگ کرنے میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا بھی تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کے موقف کو بہ نسبت حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اقرب الی الصواب مانتے ہیں۔ علاوہ ازیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے معزولی کے مطالبہ کو بھی وہ جائز قرار دیتے ہیں اور حکمین کے فیصلے کو اس بارے میں درست تسلیم کرتے ہیں۔ یزید کے بارے میں جو مولانا سندیلوی کا مسلک ہے وہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ ان کے اور دوسرے حامیانِ یزید کے موقف کے رد میں بندہ نے کتاب خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید، صفحات ۶۷۶) شائع کی ہے اور مولانا سندیلوی سے خلافتِ راشدہ کی بحث میں ہی میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اول (صفحات ۶۱۱) اس سے پہلے شائع ہوئی ہے۔ خارجی فتنہ حصہ اوّل کی تصنیف ۲ر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ (۲۴ر جون ۱۹۸۲ء) کو مکمل ہوئی ہے اور خارجی فتنہ حصہ دوم (بحث فسق یزید) کی تکمیل کی تاریخ ۲۳ر ذیقعدہ ۱۴۰۶ھ (۳۱ر جولائی ۱۹۸۶ء) ہے۔

مذہب اہل سنت والجماعت:

دفاع صحابہ ص ۵۰ پر میں نے بعنوان ''مذہب اہل سنت والجماعت'' لکھا تھا کہ اصولی اور اعتقادی طور پر تمام مدعیانِ اسلام فرقوں میں سے مذہب اہل سنت والجماعت ہی اسلام حقیقی کا صحیح ترجمان ہے۔ جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزانہ ارشاد ما انا علیہ

واصحابی پر مبنی ہے۔ اس ارشاد نبوی ﷺ کا مطلب یہ ہے کہ جنت میں وہی لوگ جائیں گے جو آنحضرت ﷺ کی سنت جامعہ اور جماعت محترمہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے پیروکار ہوں گے۔ مذہب اہل سنت کے عقیدہ میں رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ کرام حسب مراتب واجب الاحترام اور اعلان خداوندی رضی اللہ عنہم کا مصداق ہیں۔ حق تعالیٰ کی خصوصی رحمت کے تحت تمام اصحاب رسول ﷺ کی وفات کامل الایمان ہونے کی حالت میں واقع ہوئی ہے اور اہل سنت والجماعت کی یہ اصطلاح بھی احادیث سے ثابت ہے۔ (تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری اور تفسیر در منثور)۔

عقیدہ خلافت راشدہ:

اور دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہی بندہ نے مندرجہ عنوان کے تحت لکھا تھا کہ: سورۃ النور کی آیت استخلاف اور سورۃ الحج کی آیت تمکین کی موعودہ خلافتِ راشدہ کا مصداق (صرف چار یارؓ) خلفاء راشدین ہیں جو مہاجرین (اوّلین) میں سے ہیں یعنی امام الخلفاء حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذوالنورین اور حضرت علی رضی اللہ عنہم۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد حسب ترتیب خلافت ان خلفاء اربعہ کو سب پر فضیلت حاصل ہے۔ ردِ شیعیت بھی بندہ نے اپنی تصانیف میں عظمت صحابہ اور عقیدہ خلافتِ راشدہ کی بنا پر کی ہے اور ردِ خارجیت میں بھی میری تصانیف اسی عقیدہ خلافت راشدہ پر مبنی ہیں اور ردِ مودودیت میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے۔ خارجی فتنہ حصہ اوّل میں دراصل میری بحث مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی سے تھی لیکن اس میں میں نے دورِ حاضر کی خارجیت کے ترجمان محمود احمد عباسی اور ان کے ہم نواؤں عظیم الدین صدیقی، عزیز احمد صدیقی اور حکیم فیض عالم صدیقی کے خلاف اہل سنت نظریات کا بھی ابطال کیا اور ان کی جہالتوں، غباوتوں اور علمی بددیانتیوں کا پردہ چاک کیا۔

تائیدی تبصرے:

میں نے جو کچھ لکھا اہل سنت کے مسلک حق کے تحفظ اور دفاع کے لیے بلاخوف لومۃ لائم لکھا اور حق تعالیٰ نے ہی مجھے اس کی توفیق عطا فرمائی ورنہ میں علم و عمل میں بہت

کمزور ہوں اور بفضلہ تعالیٰ خارجی فتنہ حصہ اول کی اکابر علماء نے کھل کر تائید کی۔ چنانچہ ماہنامہ ''بینات'' کراچی جنوری ۱۹۸۴ء، ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی شمارہ اکتوبر، نومبر ۱۹۸۳ء، ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک (پشاور) مارچ ۱۹۸۳ء، ماہنامہ ''ضیائے حرم'' لاہور جولائی ۱۹۸۳ء، ماہنامہ ''الخیر'' ملتان فروری ۱۹۸۴ء، ہفت روزہ ''لولاک'' فیصل آباد ۲۸ر جون ۱۹۸۳ء میں جو تبصرے شائع ہوئے ہیں وہ علیحدہ کتابی صورت میں بھی شائع کر دیے گئے ہیں اور ماہنامہ ''البلاغ'' کے تبصرہ کے علاوہ جناب مولانا محمد تقی صاحب عثمانی جسٹس آف سپریم کورٹ نے علیحدہ اپنے گرامی نامہ میں بھی لکھا کہ: تازہ کتاب خارجی فتنہ حصہ اول موصول ہوئی، سرسری طور پر دیکھی، دل بہت خوش ہوا۔ آپ نے مسلکِ حق کی خوب ترجمانی فرمائی ہے۔ آج کل اس معاملے میں جو افراط و تفریط چل رہی ہے آپ نے اس سے ہٹ کر اعتدال کا جو راستہ اختیار فرمایا ہے وہی علمائے حق کا طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ یہ عریضہ محض اپنے جذبات کے اظہار کے لیے لکھا ہے۔ اس کی اشاعت مقصود نہیں۔ والسلام (۱۹۔۵۔۱۴۰۳ھ)

مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی:

اور ماہنامہ ''بینات'' کراچی کے مدیر اعلیٰ جناب مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی نے تو بڑا مفصل تائیدی تبصرہ لکھا ہے۔ انہوں نے لکھا کہ: بلاشبہ ان دونوں مسلوں میں (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کا چوتھا موعودہ خلیفہ راشد ہونا اور جنگ صفین میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خطائے اجتہادی) جناب مصنف نے اہلِ حق کے مسلک کی ٹھیک ترجمانی کی ہے۔ اہلِ حق پر جس طرح روافض کی تردید لازم ہے اسی طرح خوارج و نواصب کی تردید بھی ان پر لازم ہے اور جس طرح خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم کی طرف سے دفاع کرنا ضروری ہے اسی طرح حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طرف سے مدافعت کرنا بھی اہل حق کا فریضہ ہے۔ جناب مصنف کو حق تعالیٰ شانہ جزائے خیر عطا فرمائیں کہ انہوں نے اہلِ حق کی طرف سے یہ فرض کفایہ انجام دیا ہے۔

قارئین حضرات اندازہ فرمائیے کہ جن حضرات نے میری کتاب خارجی فتنہ حصہ اول کو مسلک اہل سنت کے مطابق قرار دیا ہے اور کھل کر تائید فرمائی ہے ان کو تو اس میں نہ

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص وتوہین نظر آتی ہے اور نہ ہی حضرات حکمین حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کے متعلق انہوں نے کسی عبارت کو ان کی توہین پر محمول کیا ہے۔ قاضی درویش صاحب کو کس خوردبین سے ان حضرات کے بارے میں تنقیص وتوہین نظر آ گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ درویش صاحب یا تو کم فہم یا بدفہم ہیں یا سمجھتے ہوئے وہ اپنی انا کی پرورش کر رہے ہیں۔ واللہ اعلم

مولانا سندیلوی اور خلافت راشدہ:

مسلک اہل سنت والجماعت کے مطابق مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق قرار دے کر چوتھا موعودہ خلیفہ راشد تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ ان کے کتابچہ جواب شافی ص۱۰ کی عبارت پہلے نقل کر دی گئی ہے۔

مولانا موصوف نے ۱۸ر محرم ۱۳۹۳ھ کو ایک مضمون بعنوان ''خلافت صدیقی'' لکھا تھا (جو غیر مطبوعہ ہے) اس میں انہوں نے قرآن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا برحق خلیفہ موعود ہونا ثابت کیا تھا ان کے مضمون کے اہم اقتباسات حسب ذیل ہیں:

① بعنوان ''نص قرآنی سے خلافتِ صدیقی کا ثبوت'' یہ لکھا کہ خلافت صدیقی مرضیٔ الٰہی تھی اور اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا کہ انہی کو خلیفہ اور امام بنایا جائے۔

② آیت استخلاف کی تشریح کرتے ہوئے لکھا کہ: اگر خلافت صدیقی کو موعودہ اور مامور بہا خلافت نہ سمجھا جائے تو آیت کے اس جزو کے کوئی صحیح معنی نہیں بن سکتے اور نہ وعدہ الٰہی کا ایفاء سمجھ میں آ سکتا ہے۔ اس لیے اس نص قرآنی کا اقتضاء یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو موعودہ منصوصہ خلافت اور آں ممدوح کو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ بلافصل اور امت کا امام برحق تسلیم کیا جائے۔ یہ آیت خلافت صدیقی کے لیے نص ہے جس کا اقتضاء یہ ہے کہ آں محترم کو خلیفہ منتخب کرنا رضائے الٰہی اور حکم الٰہی کے مطابق ہے۔

③ (آیت استخلاف کے تحت) گویا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا جا رہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم خلیفہ کا انتخاب کرنا۔ ہماری توفیق خاص تمہاری رفیق ہوگی اور یہ نظام خلافت ہمارا موعودہ اور پسندیدہ نظامِ خلافت ہوگا۔

④ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بمنزلہ جارحہ (یعنی آلہ) بنا لیا کہ بظاہر تو وہ حضرات دین کی حفاظت اپنے ارادے سے کر رہے ہیں لیکن درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ کا ارادہ اور لطف خاص اس طرح ان کے ارادہ پر محیط تھا کہ وہ بلا تشبیہ اس طرح کام کر رہے تھے جیسے دستِ کاتب میں قلم ...... اس لیے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا گویا یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملے میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب بالکل صحیح انتخاب ہوگا۔

⑤ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سلسلہ وحی منقطع ہو چکا تھا۔ اگر امر خلافت بصورت امر ہی ہوتا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انتخاب کرنے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ فکر ہوتی کہ ہم نے حکم الٰہی پر مرضیٔ الٰہی کے مطابق عمل کیا ہے یا نہیں۔ اس کے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ ہوتا اس لیے امر بصورت وعدہ فرمایا گیا تاکہ انتخاب کے بعد وہ مطمئن ہو جائیں کہ ہم نے جو کچھ کیا ہے وہ عین مرضیٔ الٰہی تھا۔

⑥ مولانا سندیلوی صدیقی آخر میں بعنوان ''نتیجہ بحث'' لکھتے ہیں: آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خلافت سے نوازنے کا وعدہ فرمایا اور وعدے کے پیرائے میں ہی انہیں انتخاب خلیفہ کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جب آیت نازل ہوئی تو یہ بات یقینی اور قطعی ہوگئی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کسی کو اپنا امام اور خلیفہ رسول بنائیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ جب واقع ہوگیا تو یہ بات روزِ روشن سے زیادہ روشن ہوگئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہیں کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مقرر فرمایا تھا کیونکہ استخلاف کو آیت میں حق تعالیٰ جل شانہ نے خود اپنی ذات اقدس کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اگر معاذ اللہ ان کی خلافت کو باطل کہا جائے تو لازم یہ آتا ہے کہ معاذ اللہ حق تعالیٰ نے وعدہ خلافی کی۔ وعدہ تو کیا مگر صحیح خلافت قائم کرنے کی ہدایت نہ فرمائی بلکہ باطل سربراہ کے تحت کر دیا۔

⑦ وعدہ استخلاف اور حق تعالیٰ جل شانہ کی جانب اس کے انتساب کا مطلب یہ ہے

کہ موعود لہم جو خلافت قائم کریں گے وہ صحیح ہوگی۔ اس بارے میں ان سے غلطی نہیں ہو سکتی اس لیے کہ حق تعالیٰ اس کی صحت اور حقانیت کے کفیل وضامن ہیں۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس کو اپنی جانب منسوب کیوں فرماتے۔

قارئین کرام اور خصوصاً قاضی درویش صاحب، مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کے غیر مطبوعہ مضمون کے مندرجہ اقتباسات کو بار بار غور سے پڑھیں۔ مولانا موصوف آیت استخلاف کا مطلب بیان کرتے ہوئے واضح کر رہے ہیں کہ بجائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمائیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تم نے خلیفہ (جانشین) کا انتخاب کرنا ہے۔ یہ فرمایا کہ تم میں سے میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین بناؤں گا۔ اس لیے بظاہر تو تم خلیفہ منتخب کرو گے لیکن اس انتخاب میں تم سے غلطی نہیں ہوگی۔ یہ انتخاب میری نگرانی میں ہوگا گویا کہ آیت استخلاف کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ حکم دے رہا ہے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ اور جانشین تم نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بنانا ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خلیفہ بنایا جانا عین حکم الٰہی اور مرضی الٰہی کے مطابق تھا۔

امام اہل سنت کی تشریح:

مولانا سندیلوی نے ماشاء اللہ آیت استخلاف سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کو بہت عمدہ طریقے سے ثابت کیا ہے اور امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی شیعہ علماء کے مقابلہ میں حضرات خلفاء ثلثہ کی خلافت راشدہ کے اثبات میں اسی آیت استخلاف سے یہی طرز استدلال اختیار کیا ہے۔ چنانچہ تحریر فرماتے ہیں: بوقتِ انعقادِ خلافت یہ سمجھا گیا تھا کہ حضرت صدیق کی خلافت بیعت اہلِ حل وعقد کی وجہ سے ہوئی ہے اور اہلِ حل وعقد نے آپ کا انتخاب بوجہ بعض اشارات نبویہ وتصریحات قدسیہ و معاملات ولی عہدی مثل امامت نماز وغیرہ کے کیا ہے لیکن آیت استخلاف کی موعودہ تینوں نعمتوں کے ظہور کے بعد سب کی آنکھیں کھل گئیں اور سب نے روز روشن کی طرح دیکھ لیا کہ یہ فعل ہمارا نہ تھا۔ یہ تو وعدہ الٰہی تھا جو سات آسمانوں سے اوپر سے اُترا تھا۔ یہ حکم قضا مُبرم تھا جو عرش عظیم سے نازل ہوا تھا اسی روز قضا نے ہمارے پردہ میں اپنا مقصد پورا کیا۔ اس مضمون کو صاحب قلم مولانا الشیخ ولی اللہ محدث دہلوی ازالۃ

الخفاء میں اس طرح لکھتے ہیں: مگر جب اوصاف موعودہ خلفاء پر منطبق ہو گئے تو سب پر ظاہر ہو گیا کہ جو حق تھا وہی واقع ہوا اور آنکھیں کھل گئیں کہ یہ فعل (خلیفہ بنانے کا) جماعت (اسلام) کا نہ تھا بلکہ وعدۂ خدا تھا جس نے اتنے افکار اور قیاسات کے پردہ سے ظہور کیا۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اوّل ص ۱۰۱)

اس تمہید کے بعد اب آیت کے استدلال پر غور کرنا چاہیے۔ اگر تعصب اور ضد کی کدورت سے تھوڑی دیر کے لیے دماغ کو صاف کر کے اس آیت پر نظر ڈالی جائے تو یقیناً روزِ روشن کی طرح یہ بات ظاہر ہو جائے گی کہ یہ آیت حضرات خلفاء ثلثہ رضی اللہ عنہم کی خلافت پر اس وضاحت کے ساتھ دلالت کر رہی ہے کہ ان تینوں خلافتوں کا انکار کرنے کے بعد آیت کی تصدیق کی کوئی صورت ممکن ہی نہیں پھر اس کے بعد لفظ منکم ہے جو ضمیر حاضر پر شامل ہے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ وعدہ ان لوگوں سے ہے جو نزول آیت سے پہلے ایمان لا چکے تھے اور عمل صالح کر چکے تھے۔ پس حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت امام مہدی یا خلفائے بنی امیہ و بنی عباس وغیرہ موعودھم نہیں ہو سکتے۔ موعودھم وہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مہاجرین و انصار ہیں جو نزول آیت کے پہلے سے ان دونوں صفتوں کے ساتھ موصوف تھے۔ خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم بھی انہی میں ہیں (تحفہ خلافت، ص ۱۱۸، ۱۱۹)

امر دوم:

مولانا سندیلوی موصوف نے آیت استخلاف اور تمکین کا مصداق حضرت علی رضی اللہ عنہ سمیت چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم کو قرار دیا ہے جیسا کہ ان کی یہ عبارت پہلے درج کی جا چکی ہے کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی آیت استخلاف و آیت تمکین کا مصداق ہے یعنی حضرات خلفائے ثلثہ کی خلافت کی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی وہی خلافت تھی جس کا وعدہ آیت استخلاف میں فرمایا گیا ہے۔ (جواب شافی ص ۱۰)

مولانا سندیلوی یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ: مگر جب جنگ جمل کے بعد بکثرت مہاجرین و انصار اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کی (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی) خلافت تسلیم کر لی تو ان کے نزدیک ان کی خلافت مستقل ہو گئی اور مزید استصواب کی ضرورت نہ رہی۔ ان کا نقطہ نظر بھی شرعاً صحیح تھا۔ اس پر بھی شرعاً کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۳۱۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلفائے ثلثہ کی طرح آیت استخلاف کا مصداق قرار دینے کے باوجود مولانا سندیلوی نے حکمین کے فیصلہ کے بارے میں لکھا کہ: بالفرض حکمین نے کتاب وسنت پر نظر کیے بغیر اپنی رائے سے یہ فیصلہ کر دیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ خلافت سے معزول ہو جائیں تو بھی اس فیصلے کی پابندی کرنا حسب معاہدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر واجب تھا کیونکہ اس فیصلہ کے جواز میں تو کسی کو کلام نہیں۔ ہم یہ بھی مان لیں کہ یہ کسی آیت یا سنت سے ثابت نہیں مگر آیت یا حدیث کے خلاف بھی نہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت منصوص تو نہ تھی کہ انہیں معزول کرنا جائز نہ رہا...... خلافت سے دستبردار ہو جانا شرعاً کوئی فعل حرام اور گناہ تو نہ تھا۔ (اظہار حقیقت جلد دوم، ص ۳۸۱)

پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تجویز کیوں نہ قبول فرمائی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر دوبارہ انتخاب ہوتا اور آزادانہ ہوتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات برابر ہوتے۔ (ایضاً ص ۴۲۴)

تبصرہ:

مولانا سندیلوی کی منقولہ عبارات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بارے میں متضاد نظریہ رکھتے ہیں۔ وہ مثل خلفاء ثلثہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قرآن کا موعودہ خلیفہ راشد بھی تسلیم کرتے ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنے تھے اور پھر یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان کی معزولی کا مطالبہ بھی صحیح تھا اور حکمین کا فیصلہ بھی صحیح تھا کہ وہ خلافت سے دست بردار ہو جائیں اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر دوبارہ انتخاب عام ہوتا تو وہ اس میں ناکام بھی ہو سکتے تھے حالانکہ ہر ذی شعور اور علم وفہم رکھنے والا شخص یہ سمجھ سکتا ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق خلیفہ بنے تھے تو پھر ان کی معزولی اور دوبارہ انتخاب کرانے کا مطالبہ صحیح نہ تھا اور اگر یہ مطالبہ صحیح مان لیا جائے تو پھر اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا کیا فائدہ ہوگا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ بہر حال پورا ہو کر رہتا ہے اور اس کے وعدہ کے خلاف کوئی امر واقع ہو ہی نہیں سکتا اور آیت استخلاف سے ہی مولانا سندیلوی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ خلافت ثابت کیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ گویا اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنائے گئے تھے گو

بظاہر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کو خلیفہ منتخب کیا تھا اور چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آیت استخلاف کا مصداق ہیں اس لیے ان کی خلافت بھی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ خلافت تھی گویا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی خلیفہ بنائے گئے تھے اور ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے جس کو خلیفہ بنایا جائے تو اس کی معزولی کا مطالبہ بھی یا اس کو معزول کرنا گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ اسی بنا پر میں نے مولانا سندیلوی کے جواب میں الزاماً لکھا تھا اور وہی الفاظ دوہرائے تھے جو انہوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اثبات میں لکھے تھے۔ چنانچہ میں نے لکھا کہ جو استدلال انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خلافت اور انتخاب کے صحیح اور حق ہونے پر آیت استخلاف سے کیا ہے وہی استدلال ان کو اور مومن بالقرآن کو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت اور انتخاب کے برحق ہونے کے لیے تسلیم کرنا پڑے گا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ: اس مرحلے پر باوجود اخلاص غلطی کا بھی امکان تھا۔ اس لیے امر کو بصورت وعدہ ذکر فرمایا کہ اس کام کے حکم کے ساتھ ہم اس کی توفیق خاص بھی تمہیں دیں گے اور تمہاری نگرانی کریں گے تاکہ تم سے کوئی غلطی نہ ہو۔ ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تم سے کوئی غلطی اس معاملہ میں نہ ہوگی اور تمہارا انتخاب صحیح انتخاب ہوگا۔ چونکہ سندیلوی صاحب کے اپنے قول کے مطابق حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ خلیفہ موعود ہیں اس لیے باقتضائے نص قرآنی یہ ایمان رکھنا ہوگا کہ خلفائے ثلٰثہ کے بعد حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ امام برحق ہیں اور انہی کو خلیفہ بنانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا تھا بلکہ کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی انہیں مقرر فرمایا تھا اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ان کا انتخاب خلافت بھی بالکل صحیح تھا اور اس انتخاب میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں پائی گئی۔

(خارجی فتنہ حصہ اوّل، ص ۴۴۹۔۴۵۰)

جہاں تک حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ رفع تنازعہ کے لیے رواداری کرسکتے تھے آپ نے فرمائی۔ چنانچہ حکمین کا تقرر تسلیم کرلیا اور یہ بھی اس لیے کہ آپ رضی اللہ عنہ فریق ثانی کو حقیقی باغی قرار نہیں دیتے تھے (بوجہ ان کے اجتہادی اختلاف کے) لیکن جب حکمین نے ان کو معزول کردیا تو چونکہ یہ فیصلہ آیت استخلاف کے خلاف تھا اس لیے آپ اس کو قبول نہیں کرسکتے تھے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "لا طاعة المخلوق فی معصية

الخالق ''(جس کام میں خالق کی نافرمانی لازم آتی ہو اس میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا۔ سندیلوی صاحب اگر آیت استخلاف پر ایمان رکھیں تو ماننا پڑے گا کہ چونکہ: حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے اور اگر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حکمین کا فیصلہ منظور فرما لیتے تو یہ بھی آیت کے تقاضا کے خلاف ہوتا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر کام وہ کر ہی نہیں سکتے تھے اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے وہی عمل صادر ہوا جو مرضی خدا تعالیٰ کے عین مطابق تھا۔ اگر بالفرض حضرت علی رضی اللہ عنہ معزول ہو جاتے تو آج ہم حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ چوتھا موعودہ خلیفہ راشد نہیں قرار دے سکتے تھے۔ اس صورت میں روافض کے لیے بھی خلفاء ثلثہ کے انکار کا راستہ کھل سکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وعدہ خداوندی کے باوجود معزول کرنا صحیح ہے۔ اسی طرح خلفاء ثلثہ کا انتخاب بھی باوجود وعدہ خداوندی کے صحیح نہ تھا اور وہ خلافتِ راشدہ پر فائز ہونے کے اہل نہ تھے۔ کیا سندیلوی صاحب کے پاس از روئے علم و دیانت اس کا کوئی جواب ہے۔

(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۳۵۴ تا ۳۵۶)

درویش صاحب کی خدمت میں:

① قاضی شمس الدین صاحب درویش بھی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قرآن کا موعودہ چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

ان چاروں خلفاء راشدین میں سے باتفاق صحابہ رضی اللہ عنہم اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت باختلافِ صحابہ رضی اللہ عنہم آیت استخلاف و تمکین کا مصداق اوّل تھی۔ (مکتوب محررہ ۲۰ رمئی ۱۹۸۵ء) بحوالہ ماہنامہ حق چار یار اپریل ۱۹۹۱ء، ص ۱۰ پر بھی نقل کیا گیا ہے۔

② باقی فضائل و سوابق میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو کوئی نسبت نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ موعودہ خلافت راشدہ کے چوتھے خلیفہ راشد ہیں (رضی اللہ عنہما)۔ (مکتوب محررہ ۱۴ رجولائی ۱۹۸۵ء)

③ فقیر نے بھی اپنے رسالہ ''میاں چکری کا نیا چکر'' میں اپنے وقت میں صرف

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد چہارم لکھا ہے لیکن الفاظ کے استعمال میں اتنی احتیاط کی ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی عظمت شان کے خلاف کوئی نامناسب لفظ نہیں آنے دیا گیا۔

(مکتوب محررہ ۲۵ ستمبر ۱۹۸۴ء) اسی مکتوب میں لکھتے ہیں۔ اور خود آپ نے بھی اپنے رسالہ "صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مودودی" (ص ۶۲) سے لے کر تا آخر بہت عمدہ دفاع صحابہ رضی اللہ عنہم کیا ہے فجزاکم اللہ تعالیٰ۔

پاکستان میں جو خارجیت سر اٹھا رہی ہے اس کے لیے آپ کی قیمتی کتاب خارجی فتنہ اوّل کافی ہے۔ سب کرداروں کو آپ نے قریب قریب ننگا کر دیا ہے اور احقاق حق خوب ہو گیا۔ فجزاکم اللہ۔ لیکن پاکستان میں عیسائیت، مرزائیت اور خاص کر رافضیت جس طرح انتہائی تیزی سے اپنے تارو پود پھیلا رہی ہے کہ آپ کا داخلہ بھی اس نے راولپنڈی میں بند کروا دیا ہے۔ خارجیت پاکستان میں اتنی نہیں جتنی صرف ایک تحصیل چکوال میں رافضیت ہے۔

تبصرہ:

① فرمایئے! اس آخری مکتوب میں تو درویش صاحب نے خارجی فتنہ حصہ اوّل کی بھرپور تائید کردی ہے۔ ۱۹۸۴ء میں تو میری اس کتاب کی آپ کے ہاں اتنی عظمت تھی لیکن اب آپ کو اس میں سبائیت نظر آرہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے درویش صاحب رنگ بدلتے رہتے ہیں:

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا ذہن کرشمہ ساز کرے

② بہرحال آپ نے مندرجہ بالا اپنے دونوں خطوں میں صاف طور پر یہ تسلیم کرلیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کے تحت قرآن کے چوتھے خلیفہ راشد تھے اور اپنے وقت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ راشد تھے تو سوال یہ ہے کہ:

① ...... حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہی حکمین کے فیصلہ کے بعد جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیعت خلافت شروع کردی اور آپ کی جماعت نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرلیا تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اس خلافت کی شرعاً کیا حیثیت ہوئی۔ اپنے دور

میں تو صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ راشد تھے۔ اس لیے اب آپ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنے قول کے پیش نظر خلیفہ راشد تو کہہ نہیں سکتے:

لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

④ ...... آیت استخلاف کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ راشد ہیں اور آپ کی خلافت پہلے تین خلفائے راشدین کی طرح اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق ہے۔ بقول سندیلوی گویا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو خلیفہ بنانے کا حکم دیا ہے۔ اب آپ فہم و دیانت سے کام لے کر بتائیں کہ کیا اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ سے معزول ہونے کا مطالبہ کرنا یا اس کو معزول کرنا کیا اللہ تعالیٰ کے حکم (یعنی امر بصورت وعدہ) کی خلاف ورزی اور نافرمانی نہیں ہوگی اور کیا اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی گناہ نہیں ہے۔ تو اگر میں نے مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی کو ان کے اپنے استدلال کی بنا پر الزاماً یہ لکھ دیا کہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا ہرگز جائز نہیں تھا بلکہ گناہ تھا (ص ۴۵۵) اور چونکہ حسب امر بصورت وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر فرمایا تھا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ خلیفہ کو معزول کرنا یقیناً سخت نافرمانی ہے۔ (ایضاً ص ۴۵۵) فرمائیے میں نے کونسی بات خلاف شریعت لکھی ہے اور جبکہ یہ بات بھی میں نے الزاماً لکھی ہے۔ چنانچہ مولوی لعل شاہ صاحب بخاری (جن کا گذشتہ سال انتقال ہو چکا ہے) کے شاگرد مولوی مہر حسین شاہ بخاری نے میرے نام کھلی چھٹی میں یہی عبارتیں پیش کی تھیں تو میں نے اس کو اپنے مکتوب محررہ ۱۶ر مارچ ۱۹۸۳ء میں یہ لکھ دیا تھا کہ اگر کہیں کچھ الفاظ موہم ہیں تو وہ مولانا سندیلوی پر الزاماً ہیں۔

(ملاحظہ ہو دفاع حضرت معاویہ، ص ۱۵)

قول فیصل:

اگر کوئی شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قرآن کی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق نہیں تسلیم کرتا اور ان کو برحق موعودہ خلیفہ راشد نہیں مانتا تو وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا جائز تھا (خواہ اس کا یہ موقف غلط ہی ہے) لیکن قاضی درویش صاحب تو اس حقیقت کو تسلیم کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ آیت استخلاف اور آیت

تمکین کا مصداق تھے اور اپنے وقت میں آپ ہی خلیفہ راشد تھے۔ تو اب اس مسئلہ کے حل کی دو ہی صورتیں ہیں:

① آپ یہ موقف اختیار کریں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مثل تین پہلے خلفاء راشدین کے وعدہ تو حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی ان کو خلیفہ بنانے کا کیا تھا لیکن وہ اپنا وعدہ پورا نہ کرسکا، یا تو وہ اپنے وعدہ کو بھول گیا یا بھولا تو نہیں لیکن وہ اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکا۔ (العیاذ باللہ)

② یا آپ یہ موقف اختیار کریں کہ اللہ تعالیٰ بھولتا بھی نہیں اور اپنا وعدہ پورا کرنے کی پوری قدرت رکھتا ہے اور اس نے اپنے وعدہ کے مطابق ہی حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنے وقت میں منصب خلافت پر سرفراز فرمایا اور جنہوں نے اس کے باوجود حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کر دیا ان کا یہ فعل ناجائز تھا۔ اگر آپ پہلی صورت اختیار کرتے ہیں تو اس میں اللہ تعالیٰ کا عاجز ہونا لازم آتا ہے اور یہ عقیدہ کھلم کھلا کفر ہے اور اگر دوسری صورت اختیار کرتے ہیں تو اس میں حضرات حکمین حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا زیادہ سے زیادہ اس معاملہ میں گناہگار ہونا لازم آتا ہے اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک صحابہ رضی اللہ عنہم معصوم بھی نہیں ہیں اور سارے جنتی بھی ہیں۔ اگر ان سے غلطی یا گناہ ہو جائے تو یہ غیر معصوم انسان ہیں اور اگر خالق کائنات کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ علی كل شيء قدير نہیں ہے۔ وہ عاجز ہے تو پھر ایمان کا بھی خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اب آپ ان میں سے جو صورت بھی اختیار کریں۔ اپنا انجام سوچ لیں۔

نافرمانی کی حقیقت:

میں نے ان دونوں جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے متعلق گناہ اور نافرمانی کے جو الفاظ لکھے تھے بظاہر تو حکم خداوندی کے مقابلہ میں یہی کہا جا سکتا تھا لیکن میں نے اسی خارجی فتنہ حصہ اوّل میں اپنے الفاظ کی مراد بھی واضح کر دی تھی چنانچہ:

① میں نے اپنے موقف کی تائید میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی عبارت پیش کر دی تھی جس میں حکمین کے متعلق آپ نے حدیث نبوی نقل کی ہے جس کے الفاظ ہیں ضلا وضل من اتبعھا اور ان الفاظ کی مراد بھی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ نے

ان الفاظ سے ظاہر کر دی ہے۔

”کہ مراد از ضلا آنست کہ خطا کردہ اند در اجتہاد خود“ ضلا سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اپنے اس اجتہاد (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے میں) میں غلطی کی ہے۔ اب تو کسی قسم کا کوئی اعتراض ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ کسی کی طرف اجتہادی خطا کی نسبت کرنا نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیص و توہین بلکہ حسب حدیث نبوی اس پر بھی ایک اجر ملتا ہے چنانچہ: مولانا اسحق سندیلوی بھی یہ تسلیم کر رہے ہیں کہ کسی صحابی کی طرف خطاء اجتہادی کی نسبت بے ادبی نہیں۔ (اظہار حقیقت ص ۵۶۵)

② باوجود آیت استخلاف کا مصداق ہونے کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ جائز قرار دیا جائے تو پھر حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی معزولی کا مطالبہ بھی جائز ہو سکتا ہے بلکہ حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت راشدہ کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی اور روافض یہ کہہ سکتے ہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا انتخاب صحیح نہ تھا۔ سینہ زوری سے ان کو خلیفہ بنایا گیا۔ اسی لیے بندہ نے یہ لکھا تھا جیسا کہ پہلے بھی یہ حوالہ پیش کیا جا چکا ہے کہ: اس صورت میں روافض کے لیے بھی خلفاء ثلثہ کے انکار کا راستہ کھل سکتا تھا اور وہ کہہ سکتے تھے کہ جس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وعدۂ خداوندی کے باوجود معزول کرنا صحیح ہے اسی طرح خلفائے ثلثہ کا انتخاب بھی باوجود وعدۂ خداوندی کے صحیح نہ تھا اور وہ خلافتِ راشدہ پر فائز ہونے کے اہل نہ تھے۔ سندیلوی صاحب کے پاس از روئے علم و دیانت کوئی جواب ہے۔ (ص ۴۵۵)

زیر بحث عبارتوں سے رجوع کا مطالبہ:

قاضی شمس الدین درویش اپنے مکتوب محررہ ۶ رنومبر ۱۹۸۹ء میں لکھتے ہیں:

حافظ ابن کثیر محدث رحمہ اللہ نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وضوح حق کے بعد جناب یہ تین صفحات از ص ۴۵۶ تا ۴۵۸ سے رجوع فرمالیں اور اس کا اعلان رسالہ ”حق چار یار“ میں بھی کیا جا سکتا ہے اور دونوں صحابہ رضی اللہ عنہم کی روح سے معافی مانگیں۔

(۲) حضرت مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی زید فضلہم سے بھی انہوں نے

اپنے مکتوب محررہ ۱۶/۱۰/اکتوبر ۱۹۸۹ء میں میری زیر بحث عبارتوں کو پیش کر کے شکایت کی اور مفتی عبدالشکور صاحب نے ان کو اپنے جوابی مکتوب محررہ ۵/صفر ۱۴۱۰ھ میں یہ لکھا کہ حضرت قاضی مظہر حسین مدظلہم کی خارجی فتنہ حصہ اوّل کی عبارت کے بارے میں عرصہ ہوا حضرت موصوف کو توجہ دلا چکا ہے۔ حضرت موصوف کی خدمت میں عرض کیا گیا تھا کہ:

ایک بات ان کی بندہ کو واقعی محسوس ہوئی ہے اور میں نے مفتی سید عبدالشکور صاحب مدظلہ کی خدمت میں عرض کی۔ انہوں نے بھی تائید فرمائی ہے۔ اس لیے عرض ہے کہ اگر آنجناب توجہ فرمائیں اور مناسب خیال فرمائیں تو اس عبارت میں تبدیلی ہو جائے تو بہتر ہوگا۔ خط کشیدہ الفاظ کی جگہ اگر اجتہادی خطا لکھ دیا جاتا تو زیادہ مناسب و بہتر ہوتا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے متعلق گناہ اور سخت نافرمانی کے الفاظ سخت معلوم ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں حضرت قاضی صاحب نے لکھا ہے:

یہ الفاظ بظاہر واقعی سخت ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عظمت کے خلاف ہیں لیکن بندہ نے بھی تو ان سے مراد اجتہادی خطا ہی لی ہے۔ یعنی یہ صورتاً گناہ اور نافرمانی ہے نہ کہ حقیقتاً (مکتوب حضرت قاضی صاحب موصوف ص ۲، ۱۷/مارچ ۱۹۸۴ء) اور اپنی کتاب ''دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ'' میں بھی یہی لکھا ہے۔ یہاں گناہ و نافرمانی سے مراد صورتاً ہے نہ کہ حقیقتاً جیسا کہ دوسرے مقام پر میں نے تصریح کر دی ہے (ص۔ ۲۷)

اب جناب غور فرمالیں کہ جناب قاضی صاحب موصوف کی یہ توجیہہ کافی ہے یا نہیں۔ احقر کے ناقص خیال میں تو یہی معلوم ہوتا ہے بلکہ ضروری ہے کہ عبارت کو تبدیل کر دیا جائے اور اجتہادی خطا لکھ دی جائے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے۔ الخ

(۲) قاضی شمس الدین صاحب درویش کے دوسرے مکتوب کے جواب الجواب میں حضرت مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی کے صاحبزادے جناب مولانا عبدالقدوس صاحب سلمہ نے اپنے والد مکرم کے حکم سے ۲۸/ربیع الاوّل ۱۴۱۰ھ کو ایک خط ارسال کیا جس میں انہوں نے درویش صاحب کو لکھا کہ:

جناب کے مکتوب گرامی کے متعلق حضرت والد صاحب مدظلہم کے حکم سے چند خادمانہ گزارشات ذیل میں سپرد قلم کر کے ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ مشاجرات صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں بلاشبہ اسلم واحوط مسلک سکوت ہی ہے۔ لیکن جب مخالفین کی طرف سے غلو کیا جائے تو احقاقِ حق کے طور پر صحیح مسلک کو پیش کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے اور وہ حسب تصریح متکلمین علمائے کرام یہی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کو تسلیم کیا جائے۔ البتہ معاملہ چونکہ نازک ترین ہے اس لیے افراط و تفریط اور غلو سے احتراز کرتے ہوئے انتہائی محتاط الفاظ سے اس کی تعبیر کرنی ضروری ہے تاکہ ان حضرات کے بارے میں کسی قسم کی سوء ادبی کا پہلو بھی نہ نکل سکے۔ واللہ اعلم

احقر کے فہم ناقص میں تو حضرت قاضی مظہر حسین صاحب مدظلہم نے جا بجا اپنی تحریرات میں اسی مسلک حق کو پیش فرمایا ہے اور جناب نے ان کو جو عبارت حکمین مکرمین کے بارے میں نقل فرمائی تھی حضرت موصوف اس کو بھی صورتاً ہی معصیت قرار دے رہے ہیں ورنہ خطاء اجتہادی کی وہ بارہا تصریح فرما چکے ہیں۔ لیکن چونکہ بظاہر الفاظ سخت ہیں اس لیے ان کو آئندہ ایڈیشن میں امید ہے کہ بدل دیا جائے گا اور خارجی فتنہ حصہ اوّل کے بعد لکھی جانے والی تحریرات میں انہوں نے خود اس کی وضاحت بھی فرما دی ہے۔ اس کے بعد یہ بحث بھی ختم ہو جاتی ہے۔ اس تفصیل کی روشنی میں ان کے بارے میں یہ فرمانا کہ قاضی صاحب حضرت معاویہ کو باغی اور خاطی لکھتے ہی جا رہے ہیں۔ محل نظر ہے۔ آخر متقدمین نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو ارشادات فرمائے ہیں خطاء اجتہادی پر محمول کیے بغیر ان کی کیا تاویل ہو سکتی ہے۔

عبارت بدلنے کی ضرورت نہیں:

خلافتِ راشدہ کے موضوع پر خارجی فتنہ حصہ اوّل میں اصل بحث میری مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی سے ہے اور یہ بحث بیسیوں صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافتِ راشدہ کے اثبات میں مولانا سندیلوی موصوف نے آیت استخلاف سے جس طرح استدلال کیا ہے ان کے اقتباسات سابقہ صفحات میں درج کر کے انہی کے طرزِ استدلال سے میں نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافت راشدہ ثابت کی ہے اور ان کو الزام دیا ہے کہ جب ان کے استدلال کے پیش نظر حضرت

علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت بھی گویا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہی قائم ہوئی ہے۔ تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنے کا فیصلہ بھی (بظاہر) اللہ تعالیٰ کے امر اور وعدہ کے خلاف ہی ہوگا۔ اگر میں گناہ اور نافرمانی وغیرہ کے الفاظ کے جگہ اجتہادی خطا کے الفاظ لکھتا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی موعودہ خلافتِ راشدہ کا جو مقام ہے وہ محفوظ نہ رہ سکتا کیونکہ اجتہادی خطا تو حق کے دائرہ میں ہی ہوتی ہے۔ اس سے یہ نتیجہ نکلتا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا بھی حق کے دائرہ ہی میں تھا۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت انعقادِ خلافتِ راشدہ کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے۔ گویا کہ موعودہ خلافت کو مانو یا انکار کرو، خلفاء راشدین کی اتباع کرو یا مخالفت معمولی بات ہے۔ اس لیے مولانا سندیلوی پر اتمام حجت کے لیے تو وہاں نافرمانی اور گناہ کے الفاظ ہی استعمال کیے جاسکتے تھے۔ لیکن مراد میری بھی یہی تھی کہ یہ صورتاً نافرمانی اور گناہ تھا ورنہ یہ اجتہادی خطا تھی جس پر حکمین کو بھی ایک درجہ اجر ملے گا۔ چنانچہ متصلاً ہی میں نے الفاظ موہمہ کی مراد بیان کردی تھی۔ یہ نہیں کہ خارجی فتنہ حصہ اول کی اشاعت کے بعد جب اعتراض ہوا تو میں نے اپنی مراد کی وضاحت کی۔ لہٰذا عبارت تبدیل کرنے کی کسی طرح بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ان الفاظ سے میری مراد حقیقتاً نافرمانی اور گناہ ہے اور اس سے ان جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تنقیص و توہین ہوتی ہے تو میری ہزار بار نہیں لاکھ بار توبہ ہے۔ **استغفر اللہ الذی لا الہ الا ھو الحی القیوم واتوب الیہ**

حنیف رامے کا معذرت نامہ:

مشہور سیاسی لیڈر حنیف رامے صاحب سابق ایڈیٹر ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور نے اپنے ایک اداریہ میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ لکھا تھا کہ:

کیا عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ کو اسلام ہی کے نام پر شہید نہیں کیا گیا تھا۔ کیا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے علی رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کی بھاگتی ہوئی فوج کو سنبھالا دینے کے لیے قرآن کو نیزوں پر نہیں چڑھایا تھا؟ (ہفت روزہ ''نصرت'' لاہور ۵/اکتوبر ۱۹۶۹ء)

حضرت مولانا عبداللطیف صاحب جہلمی امیر تحریک خدام اہل سنت صوبہ پنجاب کے چھوٹے بھائی جناب حکیم مختار الحسینی صاحب سلمہ کو اس طرف توجہ دلائی کہ:

رائے صاحب نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی توہین کی ہے۔ چونکہ ان کے جناب حنیف رائے صاحب سے روابط تھے انہوں نے رائے صاحب کو میری بات سے آگاہ کیا تو جناب حنیف رائے صاحب نے ۱۱ر نومبر ۱۹۶۹ء کو مجھے حسب ذیل معذرت نامہ ارسال کیا:

محب گرامی قاضی صاحب! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعض احباب نے ذکر کیا ہے کہ میری ایک تحریر جناب کو ناپسند آئی ہے جس میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا حوالہ ہے۔ حاشا کسی صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کا میں تصور بھی نہیں کرسکتا اسلام کو تحریک مساوات کے خلاف ایک رکاوٹ بنا کر پیش کرنے والے مودودی ٹولے نے آج یہ صورتِ حال ابھار دی ہے جیسے نعوذ باللہ اسلام سرمایہ داری کا حامی تھا۔ یہ کہنے کے لیے کہ جہاں بھی اسلام کا نام لیا جا رہا ہو ہمیں یہ دیکھ لینا چاہیے کہ نام لینے والا کس نیت سے نام لے رہا ہے میں یہ لکھ گیا کہ پہلے بھی تو اسلام کو سیاسی مقاصد کے لیے استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ یہ میری نالائقی ہے کہ دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مذکورہ مثال دے ڈالی اور یہ غور نہ کیا کہ اس طرح کی اختلافی روایات سے امت میں اختلاف پیدا ہوتے ہیں۔ (نیازمند حنیف رائے ۱۱ر نومبر ۱۹۶۹ء)

جمعیۃ علماء اسلام سے میرے استعفاء (محررہ ۲۳ر جون ۱۹۷۰ء) کا مکمل متن مولوی عبدالحق صاحب بشیر سلمہ نے "حق چار یار" جنتری ۱۹۹۰ء میں شائع کردیا ہے۔ اس میں بھی حنیف رائے صاحب کے اس معذرت نامہ کا حوالہ موجود ہے۔

دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دفاع میں بندہ نے جو کتاب "دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ" لکھی ہے اس کی بھی درویش صاحب کھل کر تعریف کرچکے ہیں جیسا کہ ماہنامہ حق چار یار اگست ۱۹۹۰ء میں ان کی تقریظ کا عکس بھی شائع ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ اپریل ۱۹۹۱ء میں بھی ان کی تقریظ کے بعض اقتباسات نقل کردیے گئے ہیں۔ اس لیے وہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں تو مجھ پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتے۔

دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ میں حضرات حکمین کے متعلق بھی میں نے عرض کردیا

تھا۔ چنانچہ مولوی مہر حسین شاہ بخاری کے جواب میں میں نے لکھا کہ: مولانا محمد اسحٰق سندیلوی چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اور حکمین کی خطاء اجتہادی بھی نہیں مانتے اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا وہ جائز قرار دیتے ہیں اس لیے ان کے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے میں نے (خارجی فتنہ حصہ اوّل میں) لکھا ہے کہ: سندیلوی صاحب کا زیر بحث مسئلہ میں یہ کہنا کہ: نصب و عزل امام کا مسئلہ اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے (اظہار حقیقت ص ۳۸۱) بالکل غلط ہے کیونکہ حسب وعدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر کرنے کے بعد ان کو معزول کرنا اختلافی اور اجتہادی مسئلہ نہیں رہتا بلکہ ان کو معزول کرنا حکمِ خداوندی کے خلاف قرار پاتا ہے (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۴۵۸) حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا خلاف قرآن اس لیے میں نے لکھا ہے کہ سندیلوی صاحب مثل خلفائے ثلثہ کے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بھی آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق ہونا تسلیم کر چکے ہیں اب ان کے لیے یہ نظریہ اختیار کرنا جائز نہیں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معزول کرنا اجتہاد سے تعلق رکھتا ہے کیونکہ نص کے بعد اجتہاد کی گنجائش نہیں رہتی۔ البتہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ ہوں یا حکمین یعنی حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ یا دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم ان کے لیے یہ اجتہادی مسئلہ تھا کیونکہ اس وقت یہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق حضرت علی المرتضیٰ ہیں (رضی اللہ عنہم) (دفاع حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ)۔

علاوہ ازیں میں نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں یہ بھی لکھا ہے کہ: یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت قطعی طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔

فرمایئے! اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے معزول ہونے کا مطالبہ کر سکتے تھے؟ ہرگز نہیں وہ معذور تھے لیکن اب جب ہمیں یہ یقین حاصل ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کرنا ہمارے لیے عقیدے کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی بنا پر امام غزالی رحمہ اللہ بھی خلفاء اربعہ کو بالترتیب امام حق ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں (چنانچہ احیاء العلوم جلد اوّل کی عبارت کتاب ہذا

میں پیش کی جاچکی ہے) تو اب زیر بحث مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کا یہی موقف صحیح قرار دیا جاسکتا ہے کہ اس وقت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے خلیفہ راشد وموعود (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کے ساتھ جنگ وقتال کرنے میں خطا ہوگئی تھی۔ اس میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی نہ تنقیص ہے نہ بے ادبی۔ (خارجی فتنہ حصہ اول ص ۵۲۲) اسی سلسلے میں بندہ نے یہ لکھا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے لیکن دور صحابہ میں یہ نصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر نہ تھیں کیونکہ آیت وحدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کی بنا پر اپنا مؤقف اختیار کرلیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرف صحابیت کے ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں کرسکتے البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہوگیا تھا اور اس میں نہ کوئی بے ادبی ہے نہ تنقیص شان (خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۳۴) اور علامہ ابن خلدون بھی یہی لکھتے ہیں کہ: مذکورہ بالا اختلاف پہلے دور کے لوگوں میں تھا لیکن دوسرے دور والے بیعت علی رضی اللہ عنہ کی صحت انعقاد پر متفق تھے اور اس پر بھی کہ اب تمام مسلمانوں کو ان کی بیعت کرلینی ضروری ہے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ہم نواؤں کی خصوصاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی رائے درست نہیں کیونکہ انہوں نے بیعت کرنے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت توڑ دی اور اس پر بھی کہ دونوں فرقوں میں سے کوئی فرقہ بھی گناہگار نہیں جیسا کہ مجتہدوں کا حکم ہے۔ دور اوّل کے اس قول پر دورِ ثانی کا اتفاق مشہور و معروف ہے۔

(خارجی فتنہ حصہ اوّل ص ۵۳۵ بحوالہ مقدمہ ابن خلدون مترجم جلد دوم، ص ۳۴)

اقتضاء النص کی بحث:

خارجی فتنہ حصہ اول کی منقولہ بالا عبارتوں میں مَیں نے لکھا ہے کہ: یہ صحیح ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپس میں اس قسم کے اختلاف کا حق رکھتے تھے لیکن یہ اس بنا پر تھا کہ اس وقت قطعی طور پر یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی قرآن کے موعودہ خلیفہ راشد ہیں۔ فرمایئے اگر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس وقت یہ یقین ہو جاتا تو کیا پھر بھی وہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے معزول ہونے کا مطالبہ کرسکتے تھے، ہرگز نہیں۔

بندہ نے خارجی فتنہ حصہ اوّل میں چار خلفاءِ راشدین کو آیت استخلاف اور آیت تمکین کا بالترتیب مصداق قرار دیا تھا۔ قاضی شمس الدین صاحب درویش نے اپنے خطوط میں اس پر تنقید کی۔ چنانچہ اپنے مکتوب محررہ ۱۲ر جمادی الاولیٰ ۱۴۰۵ھ (۳ر فروری ۱۹۸۵ء) میں لکھا کہ ترتیب خلافتِ راشدہ کا اس طرح منصوص ہونا اکابر صحابہ تک کو معلوم نہ تھا۔ اکابر انصار نے طے کر لیا تھا کہ خلیفہ انصار میں سے ہوگا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہوئی کہ اس نے حضرات شیخین کو وہاں پہنچا دیا اور لفظی ردوکد کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہو گئے ...... پھر ان چھ میں سے حضرت عثمان خلیفہ نامزد ہوئے اور بالآخر وہ اپنے گھر میں ظلماً شہید کر دیے گئے۔ تو پھر خلافت کا معاملہ امر متنازعہ بن گیا۔ اس وقت عشرہ مبشرہ کے چار صحابی زندہ موجود تھے۔ چاروں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہے۔ دو تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مخالف کیمپ کے مجاہد تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے فوجیوں کے ہاتھوں وہ شہید ہوئے اور باقی دو الگ تھلگ رہے اور بعد میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر بقول حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی نصف اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے اور بقول امام ابن تیمیہ نصف اکابر صحابہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت نہیں کی۔ تو صحابہ کی اتنی بڑی تعداد پر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا منصوص خلیفہ راشد ہونا مشتبہ ہو گیا تھا۔ چونکہ بعد کی امت نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ راشد تسلیم کر لیا تھا۔ لہٰذا بعد کے اہل سنت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ چوتھے خلیفہ راشد حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ میں نے اس کے جواب میں درویش صاحب کو لکھا تھا کہ: آپ نے عبارت النص اور اقتضاء النص کا فرق نہیں سمجھا"۔ پھر جواب الجواب میں جناب درویش صاحب نے اپنے مکتوب محررہ ۲۹ر شعبان ۱۴۰۵ھ (۲۰ر مئی ۱۹۸۵ء) میں یہ لکھا ہے کہ: خلفاء راشدین کی منصوص خلافت کی بحث میں آپ نے فقیر کو لکھا ہے کہ: آپ (یعنی فقیر) نے عبارت النص اور اقتضاء النص کا فرق نہیں سمجھا۔ مخدوم ما۔ فقیر نے بھی کہنہ مشق استادوں سے اصول الشاشی اور نور الانوار وغیرہ پڑھی تھی۔ ان چار خلفاء راشدین میں سے تین کی خلافت باتفاق صحابہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت باختلاف صحابہ رضی اللہ عنہم آیت استخلاف و تمکین کی مصداق اوّل تھیں۔ لیکن یہ خلافتیں جیسا کہ فقیر نے

پہلے عریضہ میں عرض کیا صحابہ کے نصب کرنے سے منصوب ہوئی تھیں۔ شیعوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بارہ اماموں کی امامتیں قرآن میں نام بنام منصوص تھیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن میں تحریف کر کے ان منصوص ناموں کی آیتیں قرآن سے نکال دیں۔ اگر آپ اقتضاء النص سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو منصوص ثابت کرنا چاہیں گے تو یہ اقتضاء النص عشرہ مبشرہ کے ان چار جلیل القدر صحابیوں کو بھی معلوم نہ تھیں اور صحابہ کی اس نصف تعداد کو بھی معلوم نہ تھیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت سے الگ رہے نہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم تھی کہ آخر وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر کے برضائے خود شام سے دستبردار ہو گئے۔ دونوں میں صلح ہو گئی۔ فامرہ علی رضی اللّٰہ عنہ واستمر الامر علی ذلك (ابن کثیر ص ۳۲۳، ج ۷) یہ مبحث اتنا نازک ہے کہ علمی ردوکد کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ پس مجمل اتنا ایمان ہی کافی ہے کہ چاروں خلفاءِ راشدین آیت استخلاف وتمکین کے مصداق اوّل تھے اور قیامت تک جتنے دین دار سنی بادشاہِ اسلام ہوں گے تا حضرت امام مہدی وہ ان آیات کا مصداق ہیں۔ کما ذکرہ المفسرون۔

الجواب:

قاضی درویش صاحب کی مندرجہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مطلب ہی نہیں سمجھ سکے اور نہ ہی وہ اقتضاء النص کا مطلب سمجھتے ہیں ورنہ وہ یہ نہ لکھتے کہ: یہ مبحث اتنا نازک ہے کہ علمی ردوکد کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

اگر آپ کے نزدیک عقیدہ خلافتِ راشدہ کوئی واضح مدلل عقیدہ نہیں تو آپ شیعوں کے عقیدہ امامت کے مقابلہ میں عقیدہ خلافت راشدہ کیونکر ثابت کریں گے؟

شیعہ بھی تو یہی کہتے ہیں کہ خلفائے ثلثہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق نہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے زبردستی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو پہلا خلیفہ منتخب کر لیا تھا۔ وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ چونکہ ان آیات میں خلفائے ثلاثہ کے نام نہیں ہیں اس لیے قطعی طور پر ان کو ان آیات کا مصداق نہیں قرار دے سکتے۔

درویش صاحب چاروں خلفائے راشدین کو آیت استخلاف وتمکین کا مصداق خود بھی قرار دے رہے ہیں اور اس کے باوجود یہ بھی مجھ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھ رہے ہیں کہ

اس ترتیب سے عشرہ مبشرہ میں سے بھی چار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان خلفاء کو آیت استخلاف و تمکین کا مصداق نہیں سمجھا۔ اب درویش صاحب کو کون سمجھائے کہ اگر ان خلفاء اربعہ کی خلافت بطور عبارۃ النص کے قرآن سے ثابت ہوتی یعنی ان حضرات کے نام بھی آیات میں مذکور ہوتے تو پھر اختلاف کی گنجائش ہی نہیں تھی لیکن ان کے نام مذکور نہ ہونے کی وجہ سے اختلاف واقع ہو گیا کسی کو قطعی طور پر معلوم نہ تھا کہ آیت استخلاف و تمکین کا مصداق اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔ اسی لیے انصار نے اپنی رائے پیش کر دی اور گو باتفاق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد قطعی طور پر یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ استخلاف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق ہی تھا۔ اقتضاء النص کی مراد پہلے معلوم نہیں ہوتی لیکن جب اس کے مصداق کا وقوع ہوتا ہے تو پھر یقین ہو جاتا ہے کہ اس کا مصداق فلاں تھا۔ مثلاً قرآن حکیم میں ہے:

قُلْ لِلْمُخَلَّفِین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید تقاتلونھم او یسلمون [سورۃ الفتح آیت:۱۶]

آپ ان پیچھے رہنے والے دیہاتیوں سے (یہ بھی) کہہ دیجئے کہ عنقریب تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑنے کی طرف بلائے جاؤ گے جو سخت لڑنے والے ہوں گے کہ یا تو ان سے لڑتے رہو یا وہ مطیع اسلام ہو جائیں۔ (ترجمہ حضرت مولانا تھانویؒ)

اس آیت میں یہ تصریح نہیں ہے کہ اُولی باس شدید (سخت لڑنے والے) کون ہوں گے اور حدیبیہ میں پیچھے رہنے والے دیہاتیوں کو ان سے لڑنے کی دعوت کون دے گا؟ یہ ایک پیش گوئی ہے لیکن تاریخی واقعات کو ہم دیکھتے ہیں تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ دعوت دینے والے خلفاء ثلثہ تھے اور اُولی باس شدید سے مراد اہل فارس و روم ہیں جن سے خلفاء ثلثہ کے دور میں جنگیں لڑی گئی ہیں۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے شیعوں پر اتمام حجت کے لیے خلفاء ثلثہ کی برحق خلافت کے اثبات کے لیے یہ آیت پیش کر کے مفصل بحث کی ہے جو قابل ملاحظہ ہے۔ یہاں صرف ان کی حسب ذیل عبارت پیش کی جاتی ہے۔ فرماتے ہیں:

سَتُدعَونَ سے بطور اقتضاء (النص) کے یہ بھی سمجھا گیا کہ زمانہ آئندہ میں کوئی بلانے والا اعراب کو جہادِ کفار کی طرف بلائے گا اور اس کے بلانے سے تکلیف شرعی قائم ہو جائے گی یعنی اگر وہ لوگ اس کے بلانے کو مان جائیں گے تو ثواب پائیں گے ورنہ عذاب کیا جائے گا۔ (ازالۃ الخفاء مترجم جلد اول ص ۱۵۰)

اسی سلسلہ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہٗ لکھتے ہیں: جب یہ بات معلوم ہوگئی تو جاننا چاہیے کہ یہ بلانے والے خلفاء ثلثہ تھے۔ ان کے سوا کوئی نہ تھا کیونکہ موافق احتمالات عقلیہ کے یہ بلانے والے یا جناب مقدس نبوی ﷺ ہوں گے یا خلفاء ثلثہ یا حضرت مرتضٰی یا بنی امیہ یا بنی عباس یا ترک جنہوں نے سلطنت عرب کے ختم ہونے کے بعد سر اٹھایا تھا۔ ان چھ احتمالوں سے زیادہ کوئی احتمال نہیں نکلتا (اب دیکھو خلفاء ثلثہ کے سوا جس قدر احتمال ہیں سب باطل ہیں) کیونکہ آنحضرت ﷺ سے اس قسم کا بلانا کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ باقی رہے حضرت مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور بنو امیہ اور بنو عباس اور ان کے بعد والے تو ان لوگوں نے حجاز اور یمن کے اعراب کو کافروں سے لڑنے کے لیے بلایا ہی نہیں جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔ یقیناً یہ خاص قسم کا بلانا (جس میں چاروں مذکورہ اوصاف پائے جائیں) اتنی طویل مدت میں سوائے خلفاء ثلثہ کے اور کسی سے ظہور میں نہیں آیا۔

(ایضاً ازالۃ الخفاء مترجم ص ۱۵۲۔۱۵۳)

یہ ہے پیشین گوئی بطور اقتضاء النص کے کہ اگر ان خلفاء ثلثہ کو برحق خلیفہ نہ مانا جائے اور آیت استخلاف اور آیت تمکین سے بطور اقتضاء النص کے چاروں خلفاء راشدین کی موعودہ خلافت راشدہ ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر اسی ترتیب سے ان کی خلافت نہ تسلیم کی جائے تو پھر ان آیات کا صحیح مصداق متعین نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا ان نصوص کا تقاضا یہ ہے کہ خلفاء اربعہ کو ان دونوں آیات کا مصداق قرار دیا جائے کیونکہ آیت استخلاف میں لفظ منکم سے مراد یہ ہے کہ ان صحابہ کو خلافت دینے کا وعدہ ہے جو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے اور آیت تمکین میں الذین اخرجوا من دیارھم یعنی مہاجرین اولین کو بطور پیشن گوئی کے اقتدار و حکومت دینے کا اعلان ہے اور مہاجرین اولین میں سے صرف ان چار خلفاء راشدین کو ہی حکومت ملی ہے۔ لہٰذا اگر ان خلفاء اربعہ (چاریارؓ) کی موعودہ

خلافت کو نہ تسلیم کیا جائے تو یہ آیت صحیح نہیں قرار پا سکتی۔ بہر حال اقتضاء النص کا مصداق نزولِ آیت کے وقت متعین کیا جائے تو یہ آیت صحیح نہیں قرار پا سکتی۔ بہر حال اقتضاء النص کا مصداق نزولِ آیت کے وقت متعین نہیں کیا جا سکتا۔ خلافت واقع ہونے کے بعد ہی یہ یقین کیا جاتا ہے کہ اس آیت کا مصداق فلاں فلاں صحابی ہیں۔ اسی بنا پر میں نے لکھا تھا کہ: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا موعودہ خلیفہ راشد ہونا قرآن اور حدیث سے ثابت ہے۔ لیکن دورِ صحابہ رضی اللہ عنہم میں یہ نصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے پیش نظر نہ تھیں، کیونکہ آیت و حدیث میں خلفاء اربعہ کے نام نہیں تھے۔ اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اجتہاد کی بنا پر اپنا اپنا موقف اختیار کر لیا اور وہ اس میں معذور تھے۔ بحیثیت شرفِ صحابیت کے ہم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلوص میں شبہ نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آپ سے اجتہادی خطا کا صدور ہو گیا۔ (خارجی فتنہ حصہ اول، ص ۵۳۴)

اور مولانا محمد اسحٰق سندیلوی صدیقی بھی از روئے عقیدہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو چوتھا خلیفہ راشد مانتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں: ہماری حیثیت اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حیثیت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ تسلیم کرنا ان کے لیے عقیدے کی حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ جبکہ ہمارے لیے اس کی حیثیت عقیدے کی ہے۔ وہ انہیں معزول کرنے یا ان کی خلافت سے انکار کرنے کا حق بھی رکھتے تھے جبکہ ہمیں یہ حق حاصل نہیں۔

(اظہارِ حقیقت جلد ۲، ص ۲۲۵)

اور بقول مولانا سندیلوی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت سے انکار کرنے کا بھی حق رکھتے تھے تو اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس وقت قطعی طور پر یہ معلوم نہیں تھا کہ آیت استخلاف اور آیت تمکین کا مصداق چوتھے درجے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی ہیں کیونکہ ممکن تھا کہ مہاجرین اولین میں سے کوئی اور صحابی اس کا مصداق بن جائے۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد جب ثابت ہو گیا کہ آپ کے دور میں اور کسی مہاجر صحابی کو خلافت نہیں ملی تو یقین ہو گیا کہ اس وقت آپ ہی آیت استخلاف و تمکین کا مصداق تھے۔ پھر اہل سنت والجماعت نے از روئے عقیدہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو قرآن کا چوتھا

خلیفہ راشد تسلیم کرلیا اور بعد میں ہی یہ رائے قائم کی گئی کہ موعودہ خلیفہ راشدہ کے خلاف جنگ کرنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی غلطی تھی اور چونکہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مجتہد سمجھتے تھے اس لیے آپ نے ان کے ساتھ حقیقتاً باغی کا معاملہ نہ اختیار کیا بلکہ ان کے ساتھ مصالحت کرلی۔ قاضی شمس الدین صاحب اب بھی اقتضاء النص کا مفہوم نہیں سمجھتے اس لیے ان کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ کسی عالم سے نور الانوار پھر پڑھ لیں اور اگر کوئی اور معلم نہ مل سکے تو پھر انانیت سے بالاتر ہو کر حضرت مولانا سید محمد امین شاہ صاحب زید مجدہم (مخدوم پور) سے ہی نور الانوار پڑھ لیں تا کہ شیعوں کے طعن کا جواب دے سکیں۔
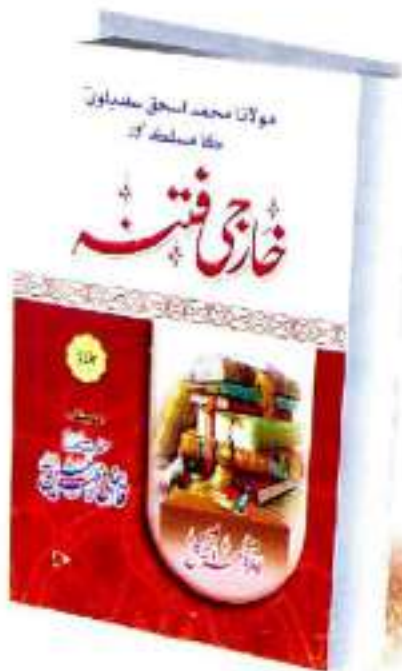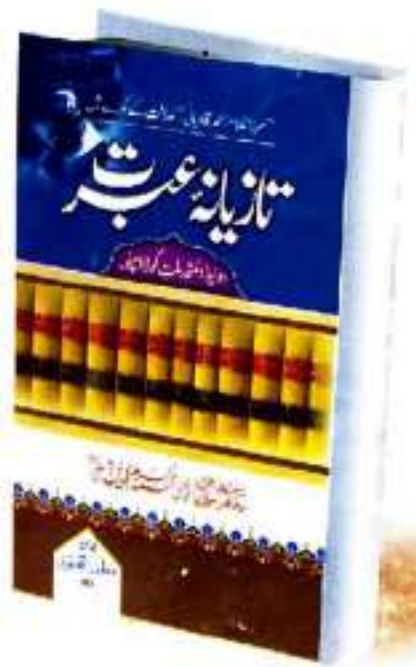
خطیب

جامع مسجد میاں برکت علی، مدینہ بازار اچھرہ، لاہور

0300-4273864, 0321-4145543